Sachi Kahaniyan Digest May 2018

PDF
URDU SOFT BOOKS
DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

نہایت اہم التماس

قارئین انتظار کے لیے معذرت خواہ ہیں لیکن آپ بخوبی واقف ہیں کے دُنیا میں ہر کوئی اپنے کاروبار کے لیے محنت کرتا ہے تا کہ منافع حاصل کر سکے لیکن اگر ہماری وجہ سے کسی کے کاروبار کو نقصان کا اندیشہ ہو تو ہمیں جان بوجھ کر ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ دیکھیں ہر ڈائجسٹ کے پبلشر بہت محنت کے ساتھ ہر مہینے ڈائجسٹ شائع کرتے ہیں تا کہ وہ مارکیٹ میں فروخت ہو سکے اور اُن کو منافع حاصل ہو سکے لیکن آج کے اس انٹرنیٹ دور میں جب وہی ڈائجسٹ یا رسالہ مارکیٹ میں پوری طرح آنے سے قبل ہی آن لائن پی ڈی ایف میں مل جائے تو مارکیٹ سے خریداری بہت کم رہ جاتی ہے جس کی وجہ سے پبلشر کا بہت نقصان ہوتا۔ لہذا اس سارے معاملے کو خاطر میں رکھتے ہوئے urdusoftbooks.com کی انتظامیہ نے یہ فیصلہ کیا ہے کے آئندہ ماہ سے کوئی بھی ڈائجسٹ رواں مہینہ کی **30** تاریخ سے پہلے Upload نہیں کیا جائے گا تا کہ پبلشرز کا نقصان نہ ہو۔

خوشخبری

انشااللہ آئندہ urdusoftbooks.com پر تمام ڈائجسٹ بغیر واٹر مارک کے Upload ہوا کریں گے تا کہ قارعین کو پڑھنے میں دکت کا سامنا نہ کرنا پڑے

قارئین سے مزید درخواست ہے کہ urdusoftbooks.com کے لیے اپنے ویب براؤزر سے Adblocker ڈس ایبل کر دیں تا کہ ویب سائٹ پر سپانسر اشتہارات نظر آ سکیں اور ویب سائٹ کو تھوڑی سی آمدن ہو سکے انہی سپانسر اشتہارات کی آمدن سے ویب سائٹ کے ماہانہ اخراجات پورے کیے جاتے ہیں لہذا آپ کا تھوڑا سا تعاون urdusoftbooks.com کو مستقل آن لائن رکھنے میں بہت مددگار ثابت ہوگا۔ شُکریہ

www.urdusoftbooks.com

ماہنامہ
سچی کہانیاں
کراچی

E-mail:pearlpublications@hotmail.com

بانی سہام مرزا

مدیراعلیٰ: منزہ سہام

مدیر: دانیال شمسی

مدیراعزازی: محمد سلیم اختر

MEMBER APNS CPNE	رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی رکن کونسل آف پاکستان نیوز پیپرز ایڈیٹرز

خط و کتابت کا پتا: 88-C II فرسٹ فلور خیابانِ جامی کمرشل ڈیفنس فیز-7، ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی، کراچی

منیجر مارکیٹنگ
زین شمسی
0331-8221212

منیجر سرکولیشن
آفتاب عالم
0334-3193174

انکم ٹیکس ایڈوائزر
مخدوم اینڈ کمپنی (ایڈووکیٹس)

رابطے کے لیے
021-35893121
021-35893123

قیمت فی شمارہ: 70 روپے ✲ جلد: 35 ـ شمارہ: 05 ✲ مئی 2018ء

ایڈیٹر، پبلشر: منزہ سہام نے سٹی پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔

پرل پبلی کیشنز کے تحت شائع ہونے والے پرچوں ماہنامہ دوشیزہ اور سچی کہانیاں میں شائع ہونے والی ہر تحریر کے حقوق طبع و نقل بحق ادارہ محفوظ ہیں۔ کسی بھی فرد یا ادارے کے لیے اس کے کسی بھی حصے کی اشاعت یا کسی بھی ٹی وی چینل پہ ڈراما، ڈرامائی تشکیل اور سلسلہ وار قسط کے کسی بھی طرح کے استعمال سے پہلے پبلشر سے تحریری اجازت لینا ضروری ہے۔ بہ صورت دیگر ادارہ قانونی چارہ جوئی کا حق رکھتا ہے۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

صفحہ	عنوان	مصنف
07	آخری رمضان	منزہ سہام
08	احوال	مدیرہ
25	غلام جو بنے سردار	ام ایمان (غزالہ عزیز)
29	پھندا	سید علی ارسلان
47	52 چوکھٹ والی...	شاہد رفیق سہگل
53	تعارف	تحسین جونیجو
55	غلط فہمی	تحسین جونیجو
60	ایسا بھی ہوتا ہے	رفعت محمود
66	زرباز	جاوید راہی
81	پچھتاوہ	انوشہ راشد
88	اتنی سی بات	رانا محمد شاہد
93	کال گرل	انیلا حمید
107	ٹائم پاس	مور شاہد
116	پتھر کا صنم	زرین قمر
131	ریشم کے دھاگے	روشانے سبین مہاروی

فون: 021-35893122-35893121 / پرنٹر: حسام محی الدین عباسی' سٹی پریس' O-3-7 تالپور روڈ۔ کراچی

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

سنگدل	حامد شکور	144
ڈرامہ	ڈاکٹر طارق آکاش	148
مایا جال	محمد ثاقب	153
خون کا رشتہ	محمد شہزاد	161
صنف نازک	خواجہ حسین	164
دعاؤں کا حصار	فوزیہ سرور	167
اچھی بیٹی	فوزیہ اختر	179
املتاس	شازلی سعید مغل	184
دوشیزہ کا سفر	منزہ سہام	197
لال بتی	ثمینہ مشتاق	214
آج کا نشر نگار	ساحل علی ابڑو	229
ترکی میں عباسی	قمر علی عباسی (مرحوم)	235
مسئلہ یہ ہے	ادارہ	248
آپ کی ڈائری	قارئین	253

زر سالانہ بذریعہ رجسٹری پاکستان 1000 روپے افریقہ 75 ڈالرز کینیڈا آسٹریلیا 75 ڈالرز ایشیا یورپ 65 ڈالرز

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

Download These Beautiful PDF Books

Click on Titles to Download

Download These Beautiful PDF Books

Click on Titles to Download

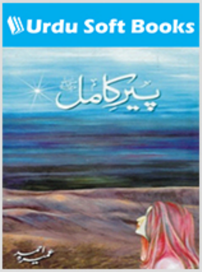

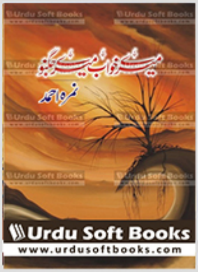

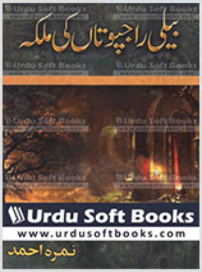

Download These Beautiful PDF Books

Click on Titles to Download

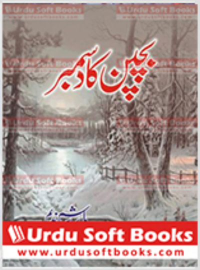

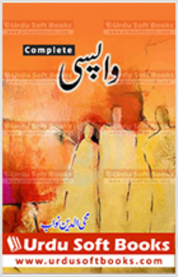

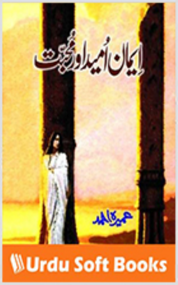

www.urdusoftbooks.com

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

آخری رمضان

اللہ کا بڑا کرم ہے کہ اُس نے اس بار پھر ہمیں ''وبصوم غد نویت من شہر رمضان'' کہنا نصیب فرمایا۔ بے شمار لوگ جو پچھلے رمضان' اپنے گھر والوں کے ساتھ تھے..... سحری اور افطار میں پسندیدہ لوازمات کے ساتھ دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتے تھے اب اپنی آخری منزل کی جانب روانہ ہو چکے ہیں اور اب اپنے پیاروں کی دعاؤں میں ہی رہیں گے۔ دنیا کی سب سے بڑی اور اٹل حقیقت موت ہے..... موت ہی زندگی کی حفاظت کرتی ہے اور جس دن میرے رب کا فیصلہ آ جاتا ہے زندہ انسان جنازہ بن جاتا ہے اور اس کے بہت پیارے ہی اُسے قبر کی تاریکیوں میں اتارتے ہیں۔ سانس بند ہوتے ہی سب ختم ہو جاتا ہے اپنے رب کے سامنے اپنے اعمال کی بنیاد پر شرمسار ہونے سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ اپنے اعمال کی درستگی کی طرف توجہ دیں۔ میرا رب بڑا غفور و رحیم ہے وہ معافی ضرور عطا کرتا ہے۔ دنیا دھوکا ہے فقط دھوکا' ہمارے ابدی سفر کا تعین صرف ہمارے اعمال کی بنیاد پر ہوگا۔ جو اس زمین پر بوئیں گے وہی آخرت میں کاٹیں گے۔

آیئے مل کر عہد کریں کہ بس اب صرف اپنے رب کو راضی کریں گے اس کے بندوں سے محبت کریں گے..... کیا پتہ یہ میرا اور آپ کا آخری رمضان ہو......

منزہ سہام

www.urdusoftbooks.com

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

احوال

مدیر اعلیٰ

قارئین کے درمیان رابطہ' آپ کے خطوط اور اُن کے جواب

قابل احترام احوالیوں! خوش رہیے' مئی کا شمارہ آپ کے سامنے ہے' کیسا ہے یہ تو آپ مجھے بتائیں گے۔ اس بار پہلی بہترین کہانی عابدہ مغل محبت برائے فروخت دوسری بہترین کہانی ڈاکٹر عامر شہزاد معصوم محبت اور بہترین خط حسین خواجہ منچن آباد قرار پائے۔ ان تینوں لکھاریوں کو انعامی رقم بذریعہ ایزی پیسہ ارسال کی جارہی ہے۔ عبدالغفار عابد خیر سے بیٹے کے باپ بن گئے ہیں۔ عابد بھائی بہت بہت مبارک ہو...... اللہ نومولود کو والدین کی آنکھوں کی ٹھنڈک بنائے...... آمین۔ میں امید کرتی ہوں کہ کہانیوں اور خطوط کا معیار بلند سے بلند تر ہوگا۔ چلیے بڑھتے ہیں پہلے خط کی جانب......

☜ **عامر شہزاد ننکانہ صاحب** سے لکھتے ہیں محترمہ ایڈیٹر صاحبہ' اسٹاف و دیگر لکھنے والے اور قارئین' السلام علیکم! اپریل کا شمارہ 4 تاریخ کو ملا اعزازی کاپی ارسال کرنے پر آپی منزہ سہام صاحبہ کا بہت شکریہ اس شمارے کے کیا کہنے سرورق بہت جاندار اور خوبصورت دکھا جس پر یقیناً ادارے نے بہت محنت کی ہوگی خوبصورت حسین و جمیل لڑکی کی تصویر اوپر سے ستم یہ کہ رسالہ بھی عشق نمبر' ہائے رے یہ عشق...... احوال میں نظر علی برمانی' فوزیہ اختر' خضر حیات' ارم ایوب' صائمہ صدیقی' عبدالحمید' امان حیدر' ارشد اقبال چوہان' مریم شاہ بخاری' عمران مظہر' ایم حسن نظامی' منشی عزیز مئے' حسین خواجہ' قاضی طاہر مقصود' حنا بشریٰ اور ساحل ابڑو نے بہترین اور جامع تبصرے لکھے۔ میری تحریر پسند کرنے پر مور شاہد حسین قمر صاحب کا شکریہ کہانیوں میں رفعت محمود کی' کانچ سروپ' عابدہ مغل کی محبت برائے فروخت افتخار چوہدری کی عشق میں حساب کیسا ریما نور کی تم ایسی محبت مت کرنا رئیسہ خالد کی عشق جو ہم سے روٹھ گیا سحرش بانو کی عشق لاحاصل فریدہ فری کی خالہ خیر نازیہ بتول کی احساس محبت شگفتہ شفیق کی آج کا نثر نگار حنا بشریٰ کی شمع عشق حنا اصغر کی دھند کے اُس پار نزہت جبیں کی انوکھا وعدہ اور سیدہ زینب ندا کی وہ لوٹ آئی بہترین کہانیاں ثابت ہوئیں تمام رائٹرز نے انتہائی لگن اور محنت سے لکھ کر لکھنے کا حق ادا کر دیا بقیہ کہانیاں ابھی زیر مطالعہ ہیں۔ اس شمارے میں سب سے خاص تحریر محترمہ منزہ سہام صاحبہ کی دوشیزہ کا سفر ہے۔ کیونکہ اس میں ہر دلعزیز' نہایت قابل عزت' محترم جناب سہام مرزا صاحب کی نہایت اچھی اور خوبصورت تصاویر شائع ہوئی ہیں جنہیں دیکھ کر دل ہی نہیں روح خوش ہوگئی۔ نیز منزہ آپی نے میری کہانی معصوم محبت شائع کر کے بہت حوصلہ افزائی کی جس کی وجہ سے دل خوش ہوگیا نیز یہ کہ اب مختلف نمبرز وغیرہ ختم کر کے مکس رسالہ شائع کرنے کی میری درخواست قبول کر کے مجھے عزت بخشی۔ آپ کی ڈائری میں خضر حیات' محمد دانیال' فریدہ فری' ایم حسن نظامی' مریم شاہ بخاری' عبدالحمید خان' انیلا طالب' راحیلہ ذاکر' سائرہ خان' سید عابد علی' اُم زہرا اور نبیل قریشی نے دل کو چھو لینے والی بہترین اور سبق آموز تحاریر لکھیں محترمہ منزہ آپی صاحبہ میں نے آپ کو ایک اور کہانی آسیبی مسکن' کے نام سے ارسال کی ہے امید ہے کہ کسی قریبی شمارے میں شائع کر کے شکریہ کا موقع دیں گی دعائے خیر ہے کہ سچی کہانیاں دن رات ترقی کرتا رہے اور تا قیامت قائم و دائم رہے زندگی رہی تو پھر ملاقات ہوگی خدا حافظ۔

www.urdusoftbooks.com

بظاہر تو محبت تھی حقیقت میں مجبور رہا
اسے شہرت ملی ہم سے وہ سوچوں میں مغرور رہا
ہم سے اگر ملتا تو اسے کچھ اور بنا دیتے
وہ تو پاس رہ کر بھی ہم سے بہت دور رہا

☆عامر بھائی آپ جئیں ہزاروں سال' آپ کی تجویز دل کو لگی تھی اس لیے فوری عمل کیا پھر یہ یقین بھی تھا کہ سچی کہانیاں سے محبت کرنے والے اس کو بہتر سے بہتر دیکھنا چاہتے ہیں میں آئندہ بھی آپ کی تجاویز کی منتظر رہوں گی۔آپ نے تیر نیم کش کے لیے اشعار بھیجے تھے مگر میں نے آپ کے خط کے ساتھ ہی شائع کر دیے۔

﴾عبدالحمید خان' حیدر آباد سے لکھتے ہیں۔بخدمت جناب ایڈیٹر منزہ سہام صاحبہ السلام علیکم' بعد سلام عرض ہے کہ میں خیریت سے ہوں امید ہے آپ بھی خیریت سے ہوں گے۔اس سے پہلے بھی ایک کہانی' آباد ویرانے کے نام سے روزانہ کر چکا ہوں۔اور ایک کہانی چند دن میں روانہ آنے والا ہوں دو غزل بھیج رہا ہوں امید ہے قریب شمارے میں جگہ دیں گے۔

☆حمید بھائی! آپ کی کہانی میرے پاس موجود ہیں جلد شائع کروں گی شمارے پر تبصرہ تو کیا کریں میں اگلے ماہ منتظر رہوں گی۔

﴾عابدہ مغل' کراچی سے لکھتی ہیں۔السلام علیکم! ڈیئر منزہ آپی کیسی ہیں آپ؟ سچی کہانیاں سے دس سالہ وابستگی میں یہ میرا دوسرا خط ہے جو احوال کے لیے بھیج رہی ہوں وجہ کچھ بیماری کچھ سستی ہے کچھ اور نہیں۔انکل ناصر کاسن کر دلی صدمہ ہوا بہت اچھے انسان تھے اللہ اُن کی مغفرت فرمائے یہ دکھ ہم سب کا سانجھا ہے۔پرچہ پہلے کی نسبت بہت اچھا بہت بہتر جا رہا ہے کافی تبدیلیاں لائی گئی ہیں بلاشبہ ہماری' آپی منزہ آپی' بہت اچھا کام کر رہی ہیں۔ٹائٹل بہت بمباسٹک تھا ایسے ہی کلرڈ اور فریش ٹائٹل دیا کریں جوتے کا سفر پڑھنے پر مجبور کر گیا۔احوال میں جو آپ نے گڈ نیوز دی ہیں دل باغ باغ ہو گیا ایسی حوصلہ افزائی ضرور ہونی چاہیے۔ہمارے پرچے کو سجانے' سنوارنے کے لیے جو آپ نے تبدیلیاں کی ہیں وہ خوش آئند ہیں اور مزید نکھارنے کے لیے آپ کے ساتھ ہم بھی کوشاں ہیں تجویز دے کر ایک ادنیٰ سی کوشش کر رہی ہوں۔سلسلے وار ناول دو سے زیادہ نہ چلائے جائیں۔کہانیوں کی تعداد اتنی ہی رکھیں مگر پلیز آپی دو صفحے شاعری کے لیے مختص کر دیں کیونکہ شاعری سچ بولتی ہے' احوال کے صفحے بالکل نہ بڑھائیں جائیں احوالیوں کے خط نمبروار شائع کریں اگر سب کی شرکت ہر ماہ یقینی ہو تو بس پھر احوال ہی ہوگا۔احوالی بھی اصرار نہ کریں اور آپی کا ساتھ دیں تیر نیم کش کے ساتھ ایک صفحہ مزاحیہ سوال و جواب کا کر دیں مزہ دوبالا ہو جائے گا کیونکہ پرچے میں سب رنگ ہیں مزا کا رنگ بالکل بھی نہیں ہے۔انٹرویو والا سلسلہ بہت اچھا ہے ہم منتظر ہیں اب ذرا تبصرہ ہو جائے۔کانچ سروپ (رفعت محمود) ویلڈن جی بہت ہی اچھا لکھا ہے لفظ موتی کردار نگاری بہت ہی اچھی' مزہ آ گیا۔عشق لاحاصل بہتر تھی خالہ خیرن متاثر نہ کر سکی ڈائنا امر ہو گئی معصوم محبت کنواری ماں ادھوری محبت کی مکمل کہانی بس ٹھیک تھیں قرینہ عشق کچھ سمجھ نہ آئی اب بات کروں گی شمع عشق کی حنا بشریٰ کی تحریر دل کو چھو گئی بہت زبردست لکھا آپ نے بہت مبارک ہو زرقا دل دکھا گئی نجانے کتنی زرقا روز جیتی روز مرتی ہیں بھارتی فوج کی کشمیر میں کھلے عام دہشت گردی کسی سے ڈھکی چھپی نہیں اے میرے پروردگار ہمارے کشمیری بہن بھائیوں کی عزت و آبرو محفوظ رکھ انہیں آزادی جیسی لازوال نعمت سے سرفراز فرما آمین۔ملتاس بہت اچھا مگر آہستہ جا رہا ہے انوکھا وعدہ اچھی لگی وہ لوٹ آئی سو سو تھی باقی ترکی میں عباسی کیا کہنے مجھے یوں بھی سفرنامے بہت متاثر کرتے ہیں تیر نیم کش میں اور ابو ہریرہ بلوچ اور شمائلہ اختر کا شعر پسند آیا آپ کی ڈائری میں خضر حیات تھل کی غزل پسند آئی اُمِ زہرہ کی خیال آرائی دل کو بھائی' آخر میں سب بہن بھائیوں سے التماس ہے میرے لیے صحت کی دعا کریں اکثر میری طبیعت خراب رہتی ہے۔ایک بات آپ کو بتاؤں آپی ماہنامہ سچی کہانیاں ایسے دور

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

افتادہ گاؤں تک رسائی حاصل کر چکا ہے جن کے نام سے لوگ واقف نہیں اور میرا آبائی گھر اور گاؤں تلمبہ اور میاں چنوں ہیں عبدالحکیم کے اردگرد خانیوال روڈ' ڈڑ کی شاہ' نوری سہاگ' غوث پور' چیچہ وطنی کے گردونواح چک نمبر66.9L تاہلی موڑ یہ سب بہت پسماندہ علاقے ہیں مگر سچی کہانیاں وہاں تک پہنچ گیا ہے اور میاں چنوں پل کر اٹ کچا کھوہ بس سب بھی پرچے کے مداح ہیں اللہ کرے میرا ماہنامہ مزید ترقی کرے میرے میاں چنوں کے رائٹر لکھاری سچی کہانیاں میں موجود ہیں (میرے سمیت الحمداللہ) یہ پرچے کی بہت بڑی کامیابی ہے اللہ آپ کو اور ماہنامہ سچی کہانیاں کو دن دوگنی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے صدق دل سے یہی دعا ہے۔ آخر میں ایک بات رنجشوں کو دل سے نکال دیں معاف کرنا سیکھیں معافی اللہ کو نہایت پسند ہے اپنے دل کو ظرف کو قوت برداشت کو بڑا کیجیے۔ زندگی رہی تو پھر کبھی ملاقات ہوگی احوال کے ذریعے اللہ حامی و ناصر ہو۔

من کی اُجڑی بستی کا ہم سے ذکر مت چھیڑو
ہم اداس بیٹھے ہیں یہ نگر بسا کر بھی
عشق بھول ہی تو ہے ناسمجھ سے لوگوں کی
جس میں کچھ نہیں ملتا آبرو گنوا کر بھی

☆ بھئی عابدہ یہ تو بڑی زیادتی ہے دس سال میں صرف دو خط' اداریہ اور ٹائٹل پسند کرنے کا بہت شکریہ تم لوگوں کا ساتھ رہا تو آئندہ بھی سب اچھا ہی اچھا ہی ہوگا۔ میں چاہتی ہوں نہ کسی کی دل آزاری ہو نا کسی کے ساتھ زیادتی تمہاری تجاویز اچھی ہیں۔ عابدہ میری خواہش بھی یہی ہے کہ سچی کہانیاں پاکستان کے ہر شہر' قصبے' ہر جگہ پہنچے کیونکہ یہ عام آدمی کا رسالہ ہے اور ہم سب بہت ہی عام ہیں۔ عابدہ میں تمہاری محبتوں کی مقروض ہوں اللہ تمہیں مکمل صحت عطا فرمائے اور تم ہرماہ احوال میں شرکت کرو۔

﴾ فوزیہ فرید کراچی سے لکھتی ہیں۔ السلام علیکم! میں اپنی ایک اور تحریر 'وہ روح تھی' کے عنوان سے ارسال کر رہی ہوں اور امید کرتی ہوں پچھلی تحریر کی طرح یہ بھی اشاعت کے قابل ہوگی۔ یہ جو واقعہ ہے یہ بھی بالکل سچا واقعہ ہے اور ہمارے محلے میں رہنے والے ایک صاحب کے ساتھ پیش آیا تھا اکثر اُن کی ذہنی رو بھٹک جایا کرتی تھی جب وہ نارمل حالت میں ہوتے تھے اس دوران وہ اکثر و بیشتر اس واقعہ کا ذکر کیا کرتے تھے جس میں نے اپنے الفاظ میں تحریر کیا ہے۔ اشاعت کے لیے شکریہ۔

☆ پیاری فوزیہ! تمہاری تحریر دیکھتے ہی مجھے اندازہ ہوگیا کہ یہی تو وہ شاہکار ہے جس کا مجھے انتظار تھا۔ سرد خانہ بھی تمہاری تحریر تھی مگر نام غلط شائع ہوا لڑکی ہر تحریر پر اپنا نام ضرور لکھا کرو اور فون نمبر بھی......

﴾ نظر علی برمانی' دادو سے لکھتے ہیں۔ قابل منزہ باجی السلام علیکم! عشق نمبر تین تاریخ کو مل گیا سرورق بہت اچھا لگا۔ اداریے میں آپ نے جوتے کے محو پرواز ہونے کا ذکر کیا۔ میں بھی آپ کی اس بات سے بالکل متفق ہوں۔ اختلاف رائے میں بھی تہذیب کا دامن نہیں چھوڑنا چاہیے۔ لیکن پتا نہیں کس احمق نے یہ کہا ہے کہ سیاست میں سب جائز ہے اور اسی قول پر آج کے سیاست دان عمل پیرا ہیں آج کل کے سیاستدانوں نے تو سیاست کے معنی ہی بدل دیے ہیں۔ خیر چھوڑیں ہمارا سیاست سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہم اپنے پرچے کی بات کرتے ہیں۔ احوال میں آپ نے بتایا کہ شیخ معظم صاحب نے کہانی نہیں چرائی تھی بلکہ ان کا نام ادارے کی غلطی سے چھپ گیا۔ جس کی وجہ سے مجھے بھی غلط فہمی ہوگئی جس کے لیے شیخ صاحب سے معذرت کرتا ہوں۔ منزہ باجی آپ نے مجھے تعارف ارسال کرنے کا کہا ہے میں تو بہت نروس ہوگیا کہ اپنا تعارف کیسے لکھوں لیکن آپ نے مجھے اتنی اپنائیت سے کہا کہ مجھے کسی نہ کسی طرح اپنا تعارف لکھ کر بھیجنا ہی پڑا جو کہ شاید اب تک آپ کو مل چکا ہوگا اگر قابل اشاعت لگے تو ضرور شائع کیجیے گا اگر آپ اس کو ٹھیک کرنا چاہیں تو وہ بھی کر لیجیے گا۔ آپ نے مجھے اتنا مان دیا اور اپنا پن دیا جو کہ شاید میں کبھی نہ بھلا سکوں گا۔ باجی آپ نے مجھے آفس آنے کی بھی دعوت دی یہ بھی آپ کی محبت ہے لیکن شاید میں آفس

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

نمائندہ خصوصی سرگودھا

ممتاز احمد 0321-6540200

سرگودھا میں سچی کہانیاں ملنے میں دشواری پر نمائندہ خصوصی سے رابطہ کریں۔

نہ آسکوں کیونکہ مجھے صرف اتوار کو فرصت ملتی ہے اور اتوار کو آفس بند ہوتا ہے لیکن اگر قسمت میں ملاقات لکھی ہوگی تو انشاء اللہ ایک دن آفس ضرور آؤں گا اور اچھی سی چائے بھی پیوں گا۔ احوال میں سب دوستوں کے خطوط خوبصورت تھے۔ منشی عزیز مئے کی تجاویز بھی مناسب تھیں۔ عبدالغفار عابد نے اپنے خط میں بہت خوبصورت باتیں کیں۔ میں ان کی ہر ایک بات سے سو فیصد متفق ہوں ان کے جذبات قابل تحسین ہیں۔ میں ان کی باتوں پر عمل کرنے کی بھرپور کوشش کروں گا ان کی باتیں اس ادارے سے بے لوث محبت کی عکاس ہیں کاش کہ سب قارئین ان کی طرح سوچنے لگیں۔ رفعت محمود نے کانتی سروپ اور کملا دیوی کی عشق کی داستان بہت اچھے انداز میں پیش کی بہت حیرت انگیز اور دلچسپ کہانی تھی اختتام نے اداس کیا۔ عابدہ مغل کی کہانی 'محبت برائے فروخت' نے بے حد دکھی کیا۔ محبت کے نام پر معصوم لڑکیوں کی زندگی تباہ کرنے والے لوگ انسان نہیں بلکہ درندے ہوتے ہیں۔ جنہیں بنا دیر کے صفحہ ہستی سے مٹا دینا چاہیے۔ اس کہانی میں اعجاز مکافات عمل کی زد میں آگیا لیکن اس کی بہن رانی کی زندگی اور عزت بچ جانے کی بہت خوشی ہوئی۔ اب حسن منیر کو چاہیے کہ اعجاز کو اس کی بہن سے ملا دے تاکہ اس کے دکھ اور پچھتاوے میں کمی ہو۔ افتخار چوہدری کی کہانی 'عشق میں حساب کیسا' متاثر کن تھی لیکن میاں نبیل نے یہ تو بتایا ہی نہیں کہ اس نے بے حس اور بدمزاج رائمہ کو اتنی بڑی رقم کیوں دے دی یہ تو بتانا چاہیے تھا تاکہ تشنگی نہ رہتی۔ ریما نور رضوان کی کہانی 'تم ایسی محبت مت کرنا' میں بھی معصوم لڑکی کو محبت کے نام پر دھوکہ دیا گیا۔ ایسی کہانیاں پڑھ کر میں بہت افسردہ ہو جاتا ہوں سوچتا ہوں کہ کاش میں ایسے شیطان اور درندہ صفت لوگوں کو سزا دے سکتا عشق جو ہم سے روٹھ گیا میں رئیسہ خالد نے بالکل صحیح کہا۔ اگر مغربی پاکستان بنالیوں سے اچھا سلوک کرتا ان کی حق تلفی نہ کرتا تو آج یہ دن نہ دیکھنا پڑتا۔ لیکن یہ اقتدار کی ہوس بہت بری چیز ہے۔ اسی ہوس نے مغربی پاکستان کے حکمرانوں کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی اور ان ناعاقبت اندیشوں کو اپنے اقتدار کے علاوہ کچھ نظر نہ آیا اور ان کی فاش غلطیوں سے ہمارا ملک دولخت ہوا۔ سحرش بانو کی کہانی 'عشق لاحاصل' بہت اچھی رہی پڑھ کر بہت مزا آیا۔ فریدہ فری کی مختصر کہانی خالہ خیرن پڑھ کر خوب ہنسی آئی ایسی مزاح سے بھرپور کہانیوں کی بہت کمی محسوس ہوتی ہے۔ اس طرح کی کہانی ہر ماہ ہونی چاہیے۔ سید ابو محمد آزاد کی ڈائنا امر ہوگئی بہت اچھی رہی ڈائنا کی محبت میں اسی کی اولاد نے اس قدر فلاحی کام کیے کہ ڈائنا واقعی امر ہوگئی۔ ڈاکٹر عامر شہزاد کی کہانی معصوم محبت نے بہت اداس کیا رابعہ کے جنون عشق نے بہت حیران کیا اس کہانی کو پڑھ کر میں بھی قائل ہوگیا کہ عشق واقعی اندھا ہوتا ہے کوئی رکاوٹ کوئی مجبوری نہیں دیکھا اور بس ہو جاتا ہے۔ آخرکار رابعہ نے مرنے سے پہلے عشق کی منزل پالی۔ اس کے مرنے سے دل بہت اداس ہوا۔ لیکن شاید تقدیر میں یہی لکھا تھا۔ دوشیزہ کے سفر نے بہت متاثر کیا پڑھ کر بہت اچھا لگا۔ باقی سلسلے بھی بہت خوب جا رہے ہیں۔ خطوط اور کہانیوں پر انعام کا اعلان بھی بہت خوش آئند ہے اس سے لکھنے اور پڑھنے والوں کو تحریک ملے گی۔ منزہ باجی اگر آپ کی محنت یونہی جاری رہی تو انشاءاللہ سچی کہانیاں بہت ترقی کرے گا۔ باجی اب اجازت چاہوں گا زندگی رہی تو اگلے ماہ پھر حاضر ہوں گا۔

☆ نظر بھائی! آپ کا تعارف مجھے مل گیا جلد آپ کی کہانی کے ساتھ شائع کروں گی اور چائے کی دعوت کے ساتھ آپ کو بسکٹ بھی کھلاؤں گی اب آنے والے تو بنیں۔ سچی کہانیاں کا آفس اپنے تمام لکھاریوں کی آمد کا پہلے بھی منتظر تھا اور اب بھی ہے۔ لکھاریوں کو جھوٹ بول کر بدظن کیا گیا پھر گھر پر بلا کر ان سے خوب فائدے اٹھائے

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

گئے میں سب جانتی ہوں وقت آنے پر کارروائی بھی کروں گی۔

ساحل علی ابڑو بلوچستان سے لکھتے ہیں۔محترمہ منزہ سہام صاحبہ السلام علیکم! امید ہے کہ مزاج بخیر ہوں گے آپ کی خدمت میں ایک انٹرویو محمد خالد شاہان صاحب کا حاضر خدمت ہے باقی انٹرویو آپ کو تازہ شمارہ پر کیا ہوا تبصرہ کے ساتھ مل جائے گا۔ اگر سچی کہانیاں کا ساتھ اسی طرح سے رہا تو انشاء اللہ تعالیٰ ہم ہر وقت ادب دوستی کا ثبوت دیں گے۔

☆ ساحل بھائی! آپ کا ارسال کردہ انٹرویو مل گیا ہے اور سچی کہانیاں کو اب سب کے ساتھ کی ضرورت ہے۔

تحسین جونیجو،بورڑی شریف سے لکھتی ہیں۔ بہت پیاری منزہ آپی اور قارئین کرام السلام علیکم! موسم گرما شروع ہو چکا ہے۔ ویسے بھی پاکستان کا شمار گرم ممالک میں ہوتا ہے یہاں گرمیوں میں درجہ حرارت 40 سے 50 ڈگری سینٹی گریڈ تک پہنچ جاتا ہے اور جب درجہ حرارت زیادہ ہو تو گرمی نا صرف ناگوار خاطر بلکہ پُرخطر ہو سکتی ہے جب ہی تو سورج بھی قیامت کی گرمی لے کر طلوع ہوتا ہے۔ پچھلی گرمیوں میں اپنی آمد ہوتی تھی احوال میں پھر شمارہ لیٹ ملنے کی وجہ سے کئی ماہ حاضری لگوا نہ سکی ابھی تک اپریل کا شمارہ ملا نہیں ہے لیکن بہت عرصہ منظر سے غائب رہنا بھی گوارا نہیں تو سوچا موجودگی کا احساس دلایا جائے۔ مارچ کا شمارہ بہت اعلیٰ رہا اس میں انٹرویوز کا اضافہ بہت بھایا جو کہ ایک خوش آئند بات ہے۔ سب کو جاننے کا موقع ملے گا احوال میں سوائے چند کے تمام چہرے سامنے آتے ہیں۔ مور شاہد حسین بھائی آپ کا خلوص کہ ہر ماہ یاد رکھتے ہیں اپنی غیر حاضری کے باوجود سلامتی ہو بھائی' تمام نئے احوالیوں کو خوش آمدید' آپ کی ڈائری میں تمام شہ پارے' انتخاب عمدہ ہیں کہانی کوئی نہیں پڑھی تو تبصرہ سے معذرت اگلی بار انشاء اللہ' ایک دو ماہ بہت معروف رہی بھائی کی شادی میں تو بالکل ٹائم نہ مل سکا۔ اجازت آپی۔

☆ پیاری تحسین! گرمی تو اب کراچی میں بھی خوب پڑھنے لگی ہے اوپر سے لوڈشیڈنگ بس دعا ہے کہ اب ہم سب کی قسمت بھی بدلے اور صرف سیاست میں سے ہی نہیں زندگی کے ہر شعبے سے چور' ڈاکو اور موقع پرست بہت دو ہو جائیں۔ ہمارے احوال میں بھی وہ تمام لوگ شرکت کریں گے جو واقعی میں خود لکھتے تھے کیونکہ لکھاری کے لیے ڈائجسٹ کی اہمیت ہوتی ہے اس میں آنے جانے والوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔

عبدالغفار عابد' چیچہ وطنی سے لکھتے ہیں۔ باجی منزہ اور اہل محفل کے تمام ممبران کو ناچیز کا سلام اپریل کا پرچہ پڑھا جس پر تبصرہ حاضر خدمت ہے' آغاز باجی کے اداریے سے کرتا ہوں ہر انسان اپنی خواہشات کی تکمیل چاہتا ہے اور ان خواہشات کو عملی جامہ پہنانے کے لیے اپنی توانائیاں' صلاحیتیں' ذرائع اور وسائل کو استعمال کرتا ہے۔ بعض لوگ اپنی خواہشات کی تکمیل کے لیے ہر قسم کے اصول وضوابط کو پامال کر دیتے ہیں اور صحیح و غلط اور حلال و حرام کی تمیز کیے بغیر اپنی خواہشات کو پورا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہمارے سیاستدان بھی کامیاب اقتدار کی خاطر اداکار بن جاتے ہیں چند ماہ بعد یہ سیاستدان عوام کو بے وقوف بنانے کے لیے اپنے فن کا مظاہرہ کریں گے عوام باشعور ہو چکے ہیں اب تو اِکا دُکا جوتوں کا دور ہے کچھ دنوں کے بعد ان مفاد پرست سیاستدانوں کو لوگ ہر جگہ جوتوں کے ہار پہنائیں گے۔ ہماری بدقسمتی ہے کہ قائداعظم کے بعد ہمیں سیاستدان تو بہت ملے مگر کوئی لیڈر نہ ملا' یہی وہ سیاستدان تھے جن کی مفاد پرستوں نے ہمیں دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ میری بات پر یقین نہ آئے تو رئیسہ خالہ کی تحریر عشق جو ہم سے روٹھ گیا کا مطالعہ کریں۔ سیاستدانوں کی خواہشات صرف اقتدار کی کرسی ہوتی ہے۔ ان سیاستدانوں کے منفی کردار دیکھ کر لوگ جوتے اٹھانے پر مجبور ہیں۔ ان سیاستدانوں کے جھوٹے وعدوں پر جینا ہے تو کہیں سے مٹھی بھر زندگی لے آؤ۔ عشق نمبر کی ہر کہانی میں عورتوں کی توہین کی گئی مگر یہ وہ ستارہ ہے جو اپنے کھوئے ہوئے راستوں کی راہ بھی دکھا دیتا ہے۔ اعجاز بھی اگر گز ند کرتا تو آج رسوائی اس کا مقدر نہ ہوتی۔ محبت کا جذبہ فطری ہے جس کی توہین گناہ ہے۔ عابدہ مغل نے اس کی وضاحت بہت خوبصورت انداز میں کی' سحرش بانو کی تحریر' عشق لاحاصل' میں بھی محبت کی توہین کی گئی۔ اس دنیا کا دوسرا نام محبت ہے جو اس کی نفی کرتا ہے وہ انسان کہلانے کے حق

www.urdusoftbooks.com

دعائے صحت

سچی کہانیاں کی مصنفہ حنا بشریٰ کے والدان دنوں شدید علیل ہیں ادارہ ان کی صحت یابی کے لیے دعا گو ہے اور اپنے پڑھنے والوں سے بھی دعا کی درخواست کرتا ہے۔ **(ادارہ)**

دار نہیں۔ عشق کے ساتھ دھوکہ کرنے سے بہت سے عزیزوں کے چہروں پر مسکراہٹ آ جاتی ہے مگر انسانیت سوگوار ہو جاتی ہے۔ اُداسی اس کیفیت کا نام ہے جس میں صرف اپنے بارے میں سوچا جاتا ہے مگر عشق میں اپنے آپ کو کھونا پڑتا ہے۔ افتخار چوہدری نے اپنی تحریر عشق میں حساب کیسا میں عشق کی بے اختیاری کی وضاحت بیان کی۔ تم ایسی محبت مت کرنا ریما نور رضوان کی اس تحریر پر یہی لکھنا اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ امید ایک ایسا پل صراط ہے اس پر سنبھل سنبھل کر قدم رکھنا پڑتا ہے اور اس طویل رہ گزر سے ضروری بھی نہیں کہ انسان کا سنبھلنا کام آ جائے پار اتر کر بھی انسان ڈگمگا جائے تو امید کا دیا بجھ جاتا ہے۔ نازیہ بتول رضا کی احساس محبت بہت کمال کی کہانی تھی اگر احساس پیدا ہو جائے تو انسانیت زندہ ہو جاتی ہے۔ محبت کی توہین اور اس سے نفرت کرنے والوں کے لیے سیدہ عروج فاطمہ نے ایک سبق آموز تحریر لکھی۔ عشق نمبر کی ہر کہانی غور طلب تھی کاش ہم حقیقت سے ہاتھ ملا لیں۔ آل پاکستان ساگر تقریب ایوارڈ پڑھی جس میں سچ کم اور جھوٹ زیادہ تھا میں تفصیل میں جانا نہیں چاہتا مختصر یہ کہ مہر پرویز دولو اس تقریب میں شامل نہیں تھے سچی کہانیاں کئی سالوں سے ادب کی خدمت کر رہا ہے اس میں جھوٹ کی کوئی گنجائش نہیں یہ کوئی لانڈھی کا پلیٹ فارم نہیں یہاں ہر کوئی پکوڑے اور سموسے بیچتا بھرے چوری کی کہانی کو حقیقت کا نام دے کر شہرت حاصل کرنا اب بہت مشکل ہے۔ باجی منزہ اصولوں پر کمپرومائز مت کیجیے گا اور سب پر کڑی نظر رکھیں۔

☆ بھائی غفار! آپ نے درست کہا ہمارے پاس چغلداریوں کی کوئی جگہ نہیں میں بھی اصولوں پر کمپرومائز نہیں کروں گی جاہلوں کے ہاتھ میں قلم تھما کر بہت بڑی غلطی کر چکی ہوں۔ غفار بھائی آپ کا شکریہ بھی ادا کرنا چاہتی ہوں آپ جس محنت اور لگن سے روز بروز سچی کہانیاں کے سالانہ خریداروں میں اضافہ کر رہے ہیں وہ یقیناً قابل تحسین ہے۔

شازلی سعید مغل کراچی سے لکھتی ہیں۔ پیاری منزہ آپی' السلام علیکم! مجھے پوری امید ہے آپ خیریت سے ہوں گی اور دعا ہے کہ آپ ہمیشہ ہنستی مسکراتی شاد و آباد رہیں۔ دنیا کی بے ثباتی کا اندازہ تو زندگی میں ہوتا رہتا ہے مگر جب کوئی اپنا بزرگ اور وہ بھی محبت کرنے والا پُرخلوص بزرگ اچانک اس بے ثبات دنیا سے منہ موڑ لے تو اس وقت کی حالت زباں و بیان سے ہمیشہ باہر رہتی ہے۔ ناصر رضا بھائی اسی طرح اس دنیا سے چلے گئے کہ مان و گمان بھی نہ تھا ہمیشہ التماس کے سلسلے میں مہینے کی پہلی تاریخ کو فون یا میسج کرتے تھے یا میں خود کرتی تھی۔ اس مرتبہ بھی آپی اکتیس دسمبر کی سر درات اُن کا میسج آیا تو پھر فون پر بات ہوئی۔ بیٹا کب دے رہا ہے تو قسط' اس طرح یہ لفظ تھے اور یہ اب تک کانوں میں گونجتے ہیں' یقین نہیں آتا مجھے سچی کہانیاں میں متعارف کرانے والے مہربان بزرگ اب نہیں رہے۔ اللہ تعالیٰ اتنے درجات بلند فرمائیں اور انہیں جنت الفردوس میں جگہ دے آمین ثم آمین۔ شمارے کی طرف آتی ہوں۔ منزہ آپی آپ ہر شمارہ خاص شمارہ بنا رہی ہیں ماشاءاللہ سرورق ہو یا کہانیوں کا انتخاب ہر ہر سطر دل باغ باغ کر دیتی ہے اور اس مرتبہ تو آپ کے احوال میں کیے گئے اعلانات نے خوش خبریوں نے دل جیت لیا۔ جس کے لیے بہت بہت شکریہ آپی' سچی کہانیاں میرا پہلا پلیٹ فارم ہے اور میرا پہلا رسالہ ہے جس کو ہوش سنبھالتے ہی پڑھنا شروع کیا اور جب لکھنا شروع کیا تو بھی اسی رسالے کو چنا اور اس نے سچی کہانیاں نے مجھے پذیرائی دی۔ وہ چاہے میرے خطوط ہوں کہانیاں یا میرا پہلا ناول تاشون سچی کہانیاں پڑھنے والے میرے قارئین نے مجھے ہمیشہ پذیرائی دی جس کے لیے میں ہمیشہ ممنون ہوں۔ اور سچی کہانیاں کی شکر گزار ہوں۔ اور سچی کہانیاں

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

اور آپ کے ساتھ پر مجھے فخر ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ عشق نمبر بہت خوبصورت اور حسین ٹائٹل کے ساتھ ملا۔ ایک سے بڑھ کر ایک کہانیاں عشق کا ہوشربا طلسم بیان کرتی تھیں کانتی سروپ ہندو معاشرہ کی تصویر بیان کرتی کہانی جسے رفعت محمود نے لکھا بے انتہا خوب تھی۔ عشق میں حساب کیسا افتخار چوہدری نے واقعی درست لکھا عشق میں حساب کیسا بہترین کہانی' عابدہ مغل بھی محبت برائے فروخت لے کر آئیں۔ دنیا کے سارے دھوکے ایک طرف محبت میں کھایا گیا دھوکہ ایک طرف پُر اثر تحریر رئیسہ خالد کی عشق جو ہم سے روٹھ گیا آنکھوں کو بھی نہیں روح تک کو رُلا گئی اس کہانی کے لیے لفظ نہیں سحرش بانو کی عشق لاحاصل بہترین تحریر تھی۔ خالہ خیرن فریدہ فری مسکراہٹ بکھیرنے میں کامیاب ہو گئیں۔ سید ابو محمد آزاد کی ڈائنا امر ہو گئی واقعی محبت امر ہوتی ہے۔ ڈاکٹر عامر شہزاد کی معصوم محبت فون تحریر تھی۔ نازیہ بتول رضا کی احساس محبت واقعی محبت کے احساسات کو درجہ بند کرتی قربانیوں سے گوندھی سبق آموز کہانی تھی۔ شعیب صادق کی تحریر کنواری ماں بہت خوب سیدہ عروج فاطمہ کی ادھوری محبت کی مکمل کہانی واقعی مکمل کہانی تھی۔ حنا بشریٰ کی شمع عشق' عشق کی کاملیت کی اصل داستان عمدہ تحریر تھی۔ نزہت جبیں ضیاء کی پُراسرار کہانی انوکھا وعدہ اچھی تحریر تھی سیدہ زینب فدا کی تحریر وہ لوٹ آئی بہت خوب تھی۔ رسالہ ماشاء اللہ بہت خوبصورت کہانیوں سے مزین تھا۔ میں ان تمام پڑھنے والوں کا بھی تہہ دل سے شکریہ ادا کرتی ہوں جو میری تحریر کو بھرپور پذیرائی سے نواز رہے ہیں۔ اس کے ساتھ آپی اب اجازت دیجیے۔

☆ پیاری شازلی! تمہیں اپنے درمیان پا کر بہت اچھا لگا اور یہ جان کر تو بہت خوشی ہوئی کہ شمارہ تمہیں بھا گیا۔ بڑی زیادتی کی ہے شازلی میں نے اپنے اس بچے کے ساتھ اب پوری توجہ دوں گی اور محبت سے پروان چڑھاؤں گی تم لوگوں کا بس تعاون درکار ہے۔

✺ حنا بشریٰ لاہور سے لکھتی ہیں۔ تمام نئے اور پرانے لکھنے والوں کو اور قارئین کو سلام' اللہ پاک تمام اُمت مسلمہ کو اپنے حفظ و امان میں رکھے اور ہر غم و پریشانی سے محفوظ رکھے آمین۔ اپریل کا شمارہ بہت جلد مل گیا بے حد دلی خوشی ہوئی عشق نمبر بہت اچھا لگا۔ سب لکھنے والوں نے کہانیاں خوب محنت سے لکھیں۔ کانتی سروپ کیا کمال تحریر تھی۔ عشق میں حساب کیسا افتخار چوہدری نے خوب لکھا۔ محبت لاحاصل بھی بہت عمدہ تحریر تھی خالہ خیرن فریدہ فری صاحبہ نے بھی اچھا لکھا۔ کنواری ماں شعیب صادق کی تحریر بے حد جاندار لگی بہت اچھا میسج دیا۔ مدیحہ گل نے بھی اچھی تحریر دی۔ احساس محبت نے بھی مزہ دیا۔ میری تحریر شائع کرنے پر منزہ آپی بہت بہت شکریہ ڈھیروں دعاؤں اور نیک تمناؤں کے ساتھ اب اجازت چاہوں گی۔ اللہ حافظ۔ میرے ابو جان شدید علیل ہو گئے ہیں سب پڑھنے اور لکھنے والوں سے دعا کی درخوات ہے اللہ پاک سب کے والدین کو سلامت رکھے آمین۔

☆ ڈیئر حنا! اللہ تمہارے ابو کو مکمل صحت عطا فرمائے آمین' شمارہ پسند کرنے کا بہت شکریہ اور اچھی لڑکی تمہارا شکریہ کہ تم نے اتنی اچھی تحریر بھیجی مجھے یقین ہے کہ تمہارا ساتھ اسی طرح مجھ سے اور سچی کہانیاں سے جڑا رہے گا۔

✺ خضر حیات روڈہ تھل سے لکھتے ہیں۔ السلام علیکم! محترمہ ایڈیٹر صاحبہ آپ کیسی ہیں امید کرتا ہوں آپ خیر خیریت سے اور ٹھیک ٹھاک ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اور آپ کے پورے اسٹاف کو سدا خوش رکھے سلامت رکھے اور لمبی عمر دے آمین۔ سچی کہانیاں کے سب قارئین اور رائٹرز سچی کہانیاں کو پڑھنے اور چاہنے والیوں کو میرا پیار بھرا سلام قبول ہو۔ اپریل کا شمارہ عشق نمبر ایک انتہائی خوبصورت دلکش اور حسین ٹائٹل کے ساتھ 8 اپریل کو مل گیا۔ ٹائٹل انتہائی دلکش اور حسین تھا کہ میں کیسے بیان کروں۔ اس نے تو پورے شمارے کا مزہ ہی دوبالا کر دیا۔ پورا شمارہ ایک طرف اور ٹائٹل ایک طرف جب شمارے کے اندر گیا تو دل خوشی سے باغ باغ ہو گیا شمارہ ہر لحاظ سے سپر ہٹ تھا۔ پہلے صفحے سے لے کر آخری صفحے تک سب کہانیاں بہت بہت ہی دلکش' خوبصورت اور حسین تھیں سب کہانیاں ایک سے بڑھ کر ایک تھیں۔ واقعی عشق نمبر' عشق نمبر تھا۔ لاجواب اور باکمال عشق نمبر تھا میری طرف اتنا پیارا خوبصورت شمارہ نکالنے کی مبارکباد یہ آپ کی محنت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اگر میں کہانیوں کے نام لکھوں تو یہ بہت بہت ہی

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

زیادتی ہوگی کہ فلاں کی ایسی تھیں فلاں کی ایسی تھی آپ کی ڈائری میں سب تحریریں پسند آئیں اور اچھی لگیں اپنی اور اپنے دوست کی تحریریں دیکھ کر خوشی سے دیوانہ ہوگیا۔ میں مزید کچھ تحریر بھیج رہا ہوں پلیز پلیز آپی مئی کے شمارے میں ضرور لگائیے گا پلیز خط مکمل لگائیے گا اب تک کے لیے اتنا ہی زندگی نے وفا کی تو آئندہ انہی صفحات کے ساتھ پھر ملاقات ہوگی۔ دعا ہے کہ سچی کہانیاں دن دگنی اور رات چوگنی ترقی کرے آمین۔

☆ خضر! مجھے اچھا لگا تم نے بروقت خط لکھا شمارہ پسند کرنے کا شکریہ مجھے لگتا ہے تم کہانی بھی لکھ سکتے ہو ضرور لکھو میں شائع کروں گی۔ مجھے تمہارے اندر ایک اچھا لکھاری چھپا ہوا محسوس ہوتا ہے۔

نفیسہ فضل کراچی سے لکھتی ہیں۔ پیاری بیٹی منزہ خوش رہو زندگی کی بہاریں دیکھو آمین۔ میں کیا تعریف کروں میرے الفاظ ختم ہوگئے ہیں شاید' کتنی محنت اور لگن سے کتنے ذوق وشوق سے یہ کارواں لے کر چلی ہو سبحان اللہ' میں تو سوچ رہی تھی کاش بیٹا واپس آجائے گا مگر جس کا کوئی نہ ہو اس کا خدا ہوتا ہے۔ ہمت مرداں مددِ خدا ہاں تو بیٹی اب آتی ہوں کہانیوں کی طرف کہانیاں سب ہی اچھی ہیں سب سے پہلے تو میں مسئلہ یہ ہے پڑھتی ہوں اللہ پاک باباجی کو زندگی وصحت عطا فرمائے آمین۔ ان کے وظائف ومشوروں سے ہزاروں کو فائدہ ہوتا ہے۔ پھر املتاس بڑی پیاری دلچسپ اسٹوری ہے ویلڈن شازلی سعید ریشم کے دھاگے روشانے سبطین مہاروی زبردست تحریر ہے وہ لوٹ آئی سیدہ زینب اچھا انتقام تھا روح کا انوکھا وعدہ' نزہت جبیں ضیا ایسی بہت سی کہانیاں سنی ہیں دوشیزہ کا سفر منزہ تم نے تو میری جوانی یاد دلا دی میری پہلی کہانی اخبار جہاں میں رعنا فاروقی نے ہی شائع کی تھی مصروفیت کے باعث ابھی باقی کہانیاں نہیں پڑھیں پرچہ 6 اپریل کو ملا تھا۔ میں نے اپنے شوہر کے انتقال کے ایک سال بعد چند اشعار کہے تھے جو غزل کی صورت آپ کو سچی کہانیاں کے لیے ارسال کر رہی ہوں امید ہے پسند آئیں گے بیٹا ملازم حسین شیرازی بہت شکریہ آپ کی دعاؤں کا مگر اللہ چلتے ہتھ پیر رکھے آمین۔ میں اکیلی رہتی ہوں ایم حسن نظامی بیٹے آپ کی محبت کا شکریہ آپ میری تحریر پسند کرتے ہیں اللہ پاک سچی کہانیاں سے وابستہ تمام لکھاریوں اور قارئین کو خوش اور سلامت رکھے آمین۔

بستے بستے بس جائیں گی ویرانی یہ بستی
کتنے لوگ یہاں ہیں آئے چھوڑ کے سب اپنوں کو
گھر ویران کیا ہے سب نے بسے ہیں شہر خموشاں
جب ہم دیکھیں گھر میں ان کو آنکھیں ڈھونڈ نہ پائیں
روتے روتے جب سوجائیں خواب میں پھر آجائیں
جب ہم چاہیں ہاتھ پکڑنا آنکھیں پھر کھل جائیں
پھر ہم چاہیں کاش دوبارہ وہ نظر آجائیں
پر وہ ہم کو جل دے جائیں ہم روتے رہ جائیں

☆ پیاری آنٹی! یقین مانیں آپ کے خط سے بہت حوصلہ ہوا اور خوشی بھی ملی۔ مجھے تو خود پتہ نہیں تھا کہ میرے سچی کہانیاں کے لکھاری اس قدر سلجھے ہوئے اور اچھے ہیں جس طرح ان سب نے میرا ساتھ دیا میں قائل ہوگئی کہ لکھنے پڑھنے والے لوگ دنیا میں کہیں بھی ہوں وہ ایک ہوتے ہیں۔

نعمان احمد کوڑی ضلع جام شورو سے لکھتے ہیں۔ السلام علیکم کے بعد عرض یہ ہے کہ ماہ فروری میں احوال پر تبصرہ لیٹ ہوگیا جو بذریعہ میل ارسال کیا تھا اسی وجہ سے ماہ مارچ میں شامل نہ ہوسکا۔ ناصر رضا کی وفات کا سن کر بہت افسوس ہوا رب کائنات اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے آمین۔ جن واقعات کا میں نے ذکر کیا ہے اگر فارغ وقت مل گیا تو میں ان میں ایک واقعہ ماہ مئی میں تحریر کردوں گا سچی کہانیاں میں شامل تمام سلسلے اچھے ہیں اور آخر میں تمام احوالیوں' قارئین اور رائٹرز کے لیے سلامتی' خوشحالی' تندرستی کی دعا

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

اور جن کے عزیز و اقارب اس دنیائے فانی سے پردہ کر چکے ہیں ان کے لیے دعائے مغفرت اور مجھے بھی اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔

☆نعمان خط لکھنے کا شکریہ' میں تمہاری تحریر کی منتظر رہوں گی۔

سیمیں غزالہ نہاں کراچی سے لکھتی ہیں۔ محترمہ ایڈیٹر صاحبہ' السلام علیکم! امید ہے خیریت ہوں گی۔ تقریباً دو مہینے سے میری طبیعت خراب ہے۔ اس لیے تمام ایکٹویٹی بند ہو کر رہ گئی ہے۔ دراصل عرق النساء کے درد نے مجھے بے حال کر دیا تھا۔ اب اللہ کا شکر ہے درد میں کافی کمی آ گئی ہے۔ ویسے بھی یہ درد تو دورے کی طرح اٹھتا ہے۔ ہوتا ہے تو بہت ہوتا نہیں ہوتا تو کافی دنوں تک نہیں ہوتا اور اب تو میں عادی ہو گئی ہوں۔ اس ماہ سچی کہانیاں مجھے آٹھ تاریخ کو ملا۔ ابھی دو تین کہانیاں ہی پڑھی ہیں۔ اسی پر اپنی ناقص رائے پیش کر رہی ہوں۔ اداریہ تو خیر ہوتا ہی بہترین ہے مگر اس ماہ جوتے کا سفر Thought Ful کے علاوہ دلچسپ بھی تھا۔ کہانیوں میں خالہ خیرن کا کردار فریدہ فری کے علاوہ بھی بہت سے لوگوں کو ملتا رہتا ہے۔ بہر حال اچھا تھا۔ محبت برائے فروخت عابدہ مغل کی سبق آموز اور بہترین کہانی ہے عشق میں حساب کیسا افتخار صاحب کی کہانی سچے عشق کی کہانی ہے کانتی سروپ کا عشق سچا عشق ٹھہرا جو اپنی شریکِ حیات سے تھا۔ معصوم محبت میری سمجھ میں نہیں آئی۔ محبت کا اتنی بے باکی سے اظہار عشق تو نہیں کہلاتا۔ ریما نور رضوان صاحبہ کی کہانی تم ایسی محبت مت کرنا سبق آموز ہے۔ دوشیزہ کا سفر بہت اچھا لگا۔ جیلانی بانو سے ملنے کا مجھے بہت اشتیاق ہے سنا تھا پاکستان آنے والی ہیں مگر طبیعت کی خرابی کی وجہ سے پروگرام ملتوی ہو گیا ہے۔ جیلانی بانو کی دیورانی آج کل میرے گھر میں کرایہ دار ہیں ان سے معلوم ہوا ہے۔ باقی کہانیاں ابھی نہیں پڑھ سکی ہوں۔ ایک اور کہانی میں نے آپ کو بھیجی ہے۔ رشتوں کا فریب شاید یہ آپ کو مل گئی ہوگی پھر یہ ہی کہوں گی کہ معیاری ہو تو حاصلہ افزائی کیجیے گا۔ سچی بات تو یہ ہے کہ سچی کہانیاں نے مجھے بڑا حوصلہ بخشا ہے۔ اس لیے سب کو چھوڑ کر اس کی ہو گئی اور ہاں میری کہانی آ گاہی کا عذاب جس نے پسند کیا ان کا شکریہ اب اجازت دیں خدا حافظ۔

☆اچھی سی سیمیں! اللہ تمہیں صحت کلی عطا فرمائے عرق النساء کا درد کس قدر شدید ہوتا ہے مجھے اندازہ ہے میں نے امی کو ایک عرصے تک اس میں مبتلا دیکھا۔ تمہاری کہانیاں میرے پاس موجود ہیں۔ ڈیئر پوری کوشش ہے کہ میرے لکھاریوں کو اب مزید انتظار کی زحمت نہ اٹھانی پڑے۔

ارشد اقبال چوہان جڑانوالہ سے لکھتے ہیں۔ پیاری بہنا منزہ سہام صاحبہ السلام علیکم! شمارے میں میرا مارچ کے لیے لکھا ہوا خط شامل کرنے کا بہت شکریہ' مگر آپ نے میرا اپریل کا اسکور کم کر دیا ہے۔ آپ نے تجویز مانگی ہے تو حاضر ہے۔ خطوط کے سطور غیر ضروری نکال دیا کریں۔ امید ہے نتیجہ اچھا ہوگا۔ انشاء اللہ...... ناصر صاحب سے درخواست کر کے کہانی کی تفسیر کے لیے (سہام مرزا صاحب کی طرز پر) شعر کی درخواست کی تھی جس کو انہوں نے پذیرائی بخشی' مگر آپ نے یہ روایات ختم کر دی یقیناً یہ کام محنت طلب ہے مگر سب پر نہیں تو دو چار پر ہی کوئی شعر اُن کے متعلقہ اگر مل جائے تو دے دیا کریں شکریہ' میرے خط کے جواب میں جو شوہر صاحب کی بے بسی بیان کی ہے تو میرا خیال ہے دنیا میں سب سے زیادہ مشکل کام بے غم کو راضی کرنا ہے۔ کمپیوٹر تو بک گیا مگر لیپ ٹاپ کا کیا کریں؟ غصہ نہ میری بہن کریں حالانکہ بات تو آپ کی راوی کے خلاف ہے کتابت کی کافی غلطیاں ہوتی ہیں قابل کو قاتل لکھ دیا جاتا ہے ذرا توجہ دیں شکریہ۔ دھند کے اُس پار تو ختم ہو گئی ہے۔ املتاس اور ریشم کے دھاگے ختم ہونے پر صرف ایک ناول ہی قسط وار شائع کریں اور زیادہ صفحات کے ساتھ مگر ناول وہ شائع کریں جو مکمل آپ کے پاس ہو تا کہ پرچہ لیٹ نہ ہو...... شمارہ اپریل جلدی مل گیا اور سارا پڑھ بھی لیا...... تبصرہ حاضر ہے عشق نمبر کا سرورق ایسا ہی ہونا چاہی تھا۔ بہت خوب' مگر پہلی کہانی نے ہی مایوس کیا۔ ہندو کلچر کو فروغ دینا سچی کہانیاں کو جچتا نہیں' عابدہ مغل کی محبت برائے فروخت سبق آموز ہے کاش ہماری نئی نسل کو عقل آ جاوے' میرے خیال میں اعجاز کو بہت سزا مل چکی ہے اُس کی ندامت کے بدلنے اب رانی سے ملوا دینے میں کوئی حرج نہیں افتخار چوہدری صاحب کی عشق میں

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

حساب کیسانے کوئی خاصر تاثر نہیں چھوڑا۔ دائمہ خان جیسے لوگ کسی کی قدر کر ہی نہیں سکتے۔ ریمانور رضوان صاحبہ کی تم ایسی محبت مت کرنا لڑکیوں جو تمہیں غلاظت کی کھائی میں اوندھے منہ پھینک دے سنہری الفاظ ہیں' رئیسہ خالہ نے ہماری قوم کو آئینہ دکھایا ہے۔ کاش ایسا نہ ہوتا' مگر اب یہ دعا ہے کہ اللہ ہمارے بنگلہ دیشی بھائی بھی ترقی کریں اور اللہ باقی ماندہ پاکستان کو بھی اپنی امن میں رکھے آمین۔ سحرش بانو صاحبہ کی عشق لاحاصل میں یہ الفاظ نچوڑ ہیں کہانی کا کہ محبت میں سب کچھ جائز ہونے کے باوجود' خودغرضی جائز نہیں' بہرحال انجام متاثر کن ہے اب جیا فاروق بھی ضرغام کو معاف کردیں تو یہ اُن کی عظمت ہوگی۔ ڈاکٹر عامر شہزاد کی معصوم محبت میں رابعہ کے دردناک انجام نے اُداس کردیا۔ نازیہ بتول کی احساس محبت میں عدین اور فریحہ کے فیصلے عظمت بھرے ہیں۔ لیکن ایک بات سمجھ نہ آسکی کہ فریحہ جازم کی پھوپی زاد ہے تو کہانی میں جگہ جگہ ممانی کو پھوپی کیوں بنادیا گیا ہے۔ کیا یہ نازیہ صاحبہ کی غلط ہے یا کتابت کی...... لیکن یہ اچھی بات نہ ہے...... دوشیزہ کا سفر خوشگوار یادوں کو تازہ کرگیا' حنا بشریٰ کی شمع عشق دین اسلام کے آفاقی ہونے کا ثبوت ہے۔ الماس بہت اچھی جارہی ہے۔ دھند کے اُس پار ختم ہونے کے بعد امید ہے اس کے صفحات میں اضافہ کیا جائے گا۔ سیدہ زینت کی وہ لوٹ آئی کے ملک ہادی جیسوں کا یہ ہی انجام ہونا چاہیے قمر علی عباسی نے ترکی کی خاص تاریخ سے آگاہی کروادی بہت شکریہ' اللہ کرے زور قلم اور زیادہ' بابا جی کی عمر اللہ لمبی کرے اور وہ دکھی لوگوں کی رہنمائی فرماتے رہیں آمین۔ آخر میں تمام احوالیوں کو سلام اللہ پاک آپ کی کاوشوں کو جلا بخشے آمین' انعامات کا سلسلہ بہت اچھا ہے کتاب سے نئی نسل کا سلسلہ جو ختم ہورہا ہے اللہ کرے پھر سے جاری ہوجائے آمین بہت سی نیک تمناؤں اور دعاؤں کے ساتھ اللہ حافظ۔

☆ ارشد بھائی خط تو بڑا زبردست لکھا ہے آپ نے بہت جامع اور مختصر...... شعر مجھے بھی اچھے لگتے ہیں مگر کچھ عرصے کے لیے میں سچی کہانیاں کا فارمیٹ بدل رہی ہوں' اگر کوئی لکھاری اپنی تحریر کے ساتھ شعر بھیجے گا تو وہ ضرور لگاؤں گی اسی طرح تیر نیم کش کا سلسلہ فی الحال ختم کررہی ہوں کیونکہ چند لوگوں کے علاوہ اس میں پڑھنے والوں کی شرکت برائے نام ہے۔

☆ منشی محمد عزیز مئے' لڈن وہاڑی سے لکھتے ہیں۔ اچھی آپی منزہ سہام' السلام علیکم کے بعد عرض ہے کہ چھ اپریل کی شام کو سچی کہانیاں کے مدیر اعزازی اور ہمارے ہر دلعزیز اور پیارے سے من موہنے سے لکھاری محمد سلیم اختر صاحب کا فون آیا' جسے سن کر دل کو خوشگوار سی حیرت ہوئی۔ مدیر اعزازی کا بذات خود مجھ عاجز کو فون کرنا میرے لیے بہت بڑا اعزاز ہے۔ سلیم صاحب نے مختصر وقت میں سچی کہانیاں کے متعلق سیر حاصل گفتگو کی اور بتایا کہ سچی کہانیاں مارکیٹ میں آچکا تھا۔ حالانکہ مجھے تب تک تازہ ترین شمارہ موصول نہیں ہوا تھا اور مجھے حیرت تھی۔ خیر جب سات اپریل کو سچی کہانیاں ملا تو دل کو طمانیت سی محسوس ہوئی۔ حسب روایت سب سے پہلے احوال کا جائزہ لیا۔ جہاں ہمارے پرانے دوست نظر علی برمانی صدارت کی کرسی پر جلوہ افروز تھے۔ وعلیکم السلام برمانی پیارے اور جوابی دعائیں' شاد و آباد رہیں۔ تبصرہ بھرپور تھا' نشست نمبر تیرہ پر اپنا نام تھا بہت شکریہ کہ آپ نے میری تجاویز سے اتفاق کرتے ہوئے انعامی سلسلے شروع کردیے ہیں۔ مارکیٹنگ منیجر زین شمسی اعزازی ایڈیٹر محمد سلیم اختر اور آپ کی طرف سے انعامی رقم کے اعلان یقیناً مثبت انداز میں اثر انداز ہوں گے۔ اس بار احوال میں پرانے دوستوں کے علاوہ کافی نئے نام بھی نظر آئے جو کہ خوش آئند بات ہے۔ سب نیو کمرز کو دل کی گہرائیوں سے خوش آمدید' اس بار کا سرورق پر ایک' ملکہ نما' ماڈل زیورات سے لدی پھندی نظر آئی اداریہ میں محترمہ منزہ سہام مرزا نے بجا طور پر لکھا کہ جوتے کا سفر پیروں تک محدود رہے تو بہتر ہے اور واقعی میں سیاستدان چاہے کسی بھی پارٹی کا ہو جوتے مارنے کا کام میری نظر میں غلط ہے اور مہذب قوموں کا یہ شیوہ نہیں ہے۔ حامد شکور غالباً عظمٰی شکور کے رشتے دار ہیں؟ تبصرہ کی پسندیدگی پر ڈاکٹر عامر شہزاد آف ننکانہ صاحب (ننکانہ صاحب پڑھ کر مجھے سچی کہانیاں کی بزرگ لکھاری مرحومہ حمیدہ ناصرہ نقوی یاد آگئیں۔ اللہ اُن کی مغفرت فرمائے) ایم حسن نظامی' مور شاہد حسین' فیصل ندیم بھٹی' ملازم حسین

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

شیرازی کا مشکور ہیں۔ عشق نمبر کی پہلی تحریر کانچ سروپ میں ایک ہندو جوڑے کی سچی داستان کو بیان کیا گیا ہے۔ محبت برائے فروخت (عابدہ مغل) میں اعجاز اپنے کیے پر نادم نظر آیا۔ بہت سبق آموز تحریر تھی۔ حسن منیر کا جذبہ قابل ستائش ہے جو اس نے اعجاز کی بہن رانی سے شادی کرلی۔ ویسے تو یہ تحریر ہر لحاظ سے مکمل اور بھرپور تھی مگر ایک التجا مصنفہ سے کرنا چاہوں گا کہ خدارا انگریزی کے الفاظ کم سے کم استعمال کیا کریں اردو زبان کے فروغ کو ترجیح دیں۔ شکریہ اور میری بات کا برا بھی نہیں ماننا' افتخار چوہدری کی تحریر عشق میں حساب کیسا کا انجام خوشگوار تھا۔ ریما نور رضوان صاحبہ نے اپنی تحریر کے ذریعے لڑکیوں کو نام نہاد محبت کے نام پر لٹنے سے آگاہ کیا ہے۔ سانحہ مشرقی پاکستان کے پس منظر میں رئیسہ خالد کی لکھی تحریر عشق جو ہم سے روٹھ گیا میں سیاست کی چالبازیوں کو خوب اجاگر کیا۔ عشق لاحاصل میں سیاست کی چالبازیوں اور محبت ساتھ ساتھ چلتی رہی۔ خالہ خیرن پڑھتے ہوئے فرح کی شرارتیں خندہ زیرلب کا کام کرتی رہیں۔ ماضی کی خوشگوار یادوں کو فریدہ جاوید فری نے ہلکے پھلکے انداز میں خوب بیان کیا۔ سید ابو محمد آزاد' عزم وہمت کا پیکر مسز ڈانگا کی داستان حیات سنا رہے تھے۔ مشعل راہ ہوتے ہیں ایسے عظیم لوگ جو اوروں کے لیے محبت اور ہمدردی کے جذبات سے لبریز ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر عامر شہزاد ایک طالبہ کی اپنے پروفیسر سے بے لوث اور ریاکاری وتصنع سے پاک محبت کا ناکام فسانہ لے کر حاضر تھے۔ شگفتہ شفیق اس بار ایک نثر نگار شعیب صادق پر مختصر مضمون کے ساتھ حاضر تھیں۔ لگے ہاتھوں اُن کی تحریر کنواری ماں بھی پڑھ ڈالی۔ سیدہ عروج فاطمہ نے اپنی تحریر میں ان والدین کو پیغام دیا ہے جو اپنی اولاد کی خوشی محض اپنے خون کے رشتوں میں ڈھونڈتے ہیں۔ ساحل ابڑو نے جعفرآباد میں ہونے والی ایوارڈ تقریب کا احوال اور تصاویر دے کر خوب محظوظ کیا۔ ایوارڈ یافتگان' خاص طور پر مقصود احمد بلوچ' مہر پرویز دولو' ملک این اے کاوش کو مبارکباد' محمد اسلیم آزاد پیارے دوست کا نام بطور چیئرمین اور ساحل ابڑو کا نام بطور وائس چیئرمین پڑھ کر دل کو گوناگوں مسرت ہوئی۔ قرینہ عشق میں مصنفہ نے اپنے ماضی کی خوبصورت یادوں کو بڑے دل آویز اور دلفریب انداز بیان میں پیش کیا ہے' خصوصاً چڑیل والا پڑھ کر بے اختیار قہقہہ لگانے پر مجبور ہوگئے۔ دوشیزہ کا سفر اور تصاویر تو گویا ایک نایاب خزانہ ہیں جو کہ تھوڑا تھوڑا کر کے ہمیں ملتا رہے گا۔ بہت خوب منزہ آپی یہ سلسلہ زیادہ سے زیادہ باریک بینی سے شائع کیجیے گا' بے شک جتنا بھی طویل ہوجائے پرواہ نہیں حنا بشریٰ کی تحریر شمع عشق میری نظر میں اس ماہ کی بہترین تحریر تھی اور اس کی تعریف کے لیے میرے پاس الفاظ نہیں۔ پہلی پُراسرار تحریر انوکھا وعدہ میں نزہت صاحبہ نے صدقہ کی اہمیت کو اجاگر کیا ہے کہ صدقہ رد بلا ہے' دوسری پُراسرار تحریر وہ لوٹ آئی میں زن وزار اور زمین کا موضوع چنا گیا ہے کہ یہ جاگیردار لوگ زمین کی خاطر اپنے بھائی کو قتل کرنے سے دریغ نہیں کرتے۔ سفرنامہ میں قمر لطیف عباسی سفرنامہ کے ساتھ تاریخ سے بھی روشناس کراتے رہتے ہیں اور یوں ایک ٹکٹ میں دو مزے ہوجاتے ہیں۔ آپ کی ڈائری میں ایم حسن نظامی کی غزل' مریم شاہ بخاری کا ادھورا پن اندھے اور بہرے صائمہ اقبال کی خیال آرائی پسند آئی۔ تیر نیم کش میں انعام یافتگان کے اشعار کہاں ہیں؟ اب اللہ حافظ۔

کوچ کرنے سے پہلے دعا کررہا ہوں کہ وہ بھی ظفر
شہر والوں کے ہمراہ آکے کہے میری جان ! الوداع

☆ عزیز بھائی! کچھ لوگ بچھو جیسی فطرت رکھتے ہیں آپ کچھ کرلیں وہ ڈنک ضرور ماریں گے۔ خیر چھوڑیں شمارہ اچھا لگا بہت شکریہ' دوشیزہ کا سفر اس بار اختتام پذیر ہوگیا امید ہے اچھا لگا ہوگا۔

حنیف شاکر ننکانہ صاحب سے لکھتے ہیں۔ پیاری سی بیٹی منزہ سہام' سدا خوش رہو اور دوسروں کی زندگیوں کو جلا بخشتی رہو۔ السلام علیکم' سلام مسنون کے بعد خیریت کا طالب اللہ کے فضل سے خیریت سے ہے اور آپ کی خیریت کے لیے خداوند قدوس سے دعا گو ہوں۔ خط کا آغاز کرنے سے پہلے کافی کش مکش میں ہوں کہ میں آپ کو کس لقب سے پکاروں پیاری سی بیٹی کہوں یا اچھی سی بہن' عزیزہ لکھوں یا غیروں کی طرح محترمہ کے لفظ سے یاد

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

کروں بس اسی مخمصے میں پڑا ہوا ہوں اگر مجھے آپ کی کچھ عمر کا اندازہ ہوتا تو پھر میرے لیے اس میں اپنائیت کا لفظ چنتا آسان ہو جاتا مگر اپنی عمر کے تقاضے کے مطابق بیٹی لکھ دیا ہے کیونکہ میرا اپنا بیٹا ایم بی بی ایس ڈاکٹر ہے۔ اس لیے مائنڈ نہ کرنا اگر میں غلطی کر بیٹھا ہوں تو پہلی اور آخری سمجھ کر درگزر کرنا۔ کافی عرصہ سے سچی کہانیاں کا خاموش قاری ہوں لیکن خط لکھنے کی جسارت کر رہا ہوں کافی عرصے پہلے 'جواب عرض' بدلتے رنگ' سچی آپ بیتیاں میں کہانیاں اور غزلیں لکھتا رہا ہوں اب ایک سال سے ڈرڈ ائجسٹ میں لکھ رہا ہوں آپ کے شمارے میں حاضر ہونے کا سہرا میرے عزیز بلکہ بہت ہی عزیز ڈاکٹر عامر شہزاد صاحب کے سر ہے۔ اپریل کا شمارہ عشق نمبر کے سرورق پر دوشیزہ کانوں میں جھمکے اور ماتھے پر جھومر سجائے بڑے کروفر سے گردن تان کر بیٹھی عشق نمبر کی نشاندہی کر رہی ہے۔ پیاری سی بیٹی آپ نے جوتے کا سفر کتنے حسین انداز میں پیش کیا ہے۔ اس میں آخرت کی یاد دلائی گئی ہے اگر کوئی اس بات کو سمجھے تو آپ نے جیسے کوزے میں دریا بند کر دیا ہے اس کا اجر تو آپ کو اللہ تعالیٰ ضرور عطا کرے گا مگر میری طرف سے بہت بہت مبارکباد قبول فرمائیں۔ خطوط میں آپ نے اپنے احوالیوں سے جو حال احوال بیان کیے یہ بھی قابل دید ہیں انعامی سلسلہ جاری کر کے بہت ہی اچھا کیا ہے اس اسکیم سے انشاء اللہ یہ ڈائجسٹ اور زیادہ بلندیوں کو چھوئے گا کیونکہ تمام قارئین کے ساتھ اس میں میری بھی دعائیں شامل ہیں۔ اس خط کے ساتھ ایک غزل بھی روانہ کر رہا ہوں اگر اچھی لگے تو کسی قریبی اشاعت میں شامل کر لینا جلد ہی کہانی بھی لکھ کر بھیج دوں گا۔ یوں تو اپریل کے شمارے میں سب کہانیاں بہت اچھی ہیں لیکن عابدہ مغل کی 'محبت برائے فروخت' افتخار چوہدری کی 'عشق میں حساب کیسا' ریما نور رضوان کی 'تم ایسی محبت مت کرنا' بہت اچھی کہانیاں ہیں ڈاکٹر عامر شہزاد صاحب کی معصوم محبت بہت ہی اچھی کہانی ہے بلکہ ایک منفرد اور سچی کہانی ہے' ڈاکٹر صاحب کو اچھی کہانی لکھنے پر بہت بہت مبارک ہو' کچھ کہانیاں ابھی زیر مطالعہ ہیں ان پر رائے دینا جھوٹ کو دعوت دینا ہے بلکہ گناہ کی دلدل میں پھنسنا ہے۔ مسئلہ یہ ہے بہت عمدہ سلسلہ ہے آپ کی ڈائری میں حیدرآباد سے عبدالحمید صاحب کی گلنار کی بارات' اور خدا کو بھولے بہت ہی عمدہ الفاظ کا استعمال کیا گیا یوں جیسے لفظوں کے موتیوں کی مالا پرو دی ہے اللہ تعالیٰ قلم میں اور زیادہ نکھار پیدا کرے آمین۔ آخر میں سب قارئین اور ادارے کے واسیوں کو بہت بہت سلام اور سچی کہانیاں کے لیے بہت بہت دعائیں یہ دن دگنی اور رات چوگنی ترقی کرے آمین جناب حسن نظامی قبولہ شریف کو بہت بہت سلام ہو' پرانی واقفیت ہے جواب عرض کی اور جہانیاں منڈی مجھیں ایک شادی میں اکٹھے شرکت کرنے کی آگے آپ سمجھ گئے ہوں گے۔

☆ محترم حنیف صاحب! خاتون کسی بھی عمر کی ہوں رہنا تو وہ کم سن ہی چاہیں گی لہٰذا آپ کا بیٹی کہنا مجھے بہت اچھا لگا' میں ڈاکٹر عامر شہزاد کی بھی شکر گزار ہوں کہ انہوں نے آپ جیسے ادب دوست انسان کو سچی کہانیاں سے متعارف کرایا' اداریہ پسند کرنے کا بہت شکریہ' امید کرتی ہوں کہ آپ کا اور سچی کہانیاں کا تعلق اب اٹوٹ ہوگا۔

◄ مور شاہد حسین قمر شہداد کوٹ سے لکھتے ہیں۔ ڈیئر آپی منزہ سہام' السلام علیکم! عشق نمبر اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ موصول ہوا۔ دیدہ زیب سرورق نے دل موہ لیا سب سے پہلے اداریہ پڑھا' جوتے کا سفر' لفظ لفظ موتی لمحے کے ہزارویں حصے میں اپنوں کی محبتوں کی محفل احوال میں قدم رکھا۔ نمائندہ خصوصی مقرر کرنے پر بے حد نوازش' اپنے محبوب رسالے کے لیے کام کرنے پر بے حد خوشی ہوگی۔ انشاء اللہ ہم سب مل کر سچی کہانیاں کو آسمان کی بلندیوں تک ضرور پہنچائیں گے۔ بہترین کہانی اور بہترین خط پر انعامی اعلان نے دل خوش کر دیا۔ انشاء اللہ میں بھی جلد کوئی انعامی اعلان کروں گا۔ عبدالحمید' امان بھائی خوش آمدید آتے رہیے گا۔ مریم شاہ بخاری آپ عرصہ بعد آئیں بے حد اچھا لگا۔ سلامتی کی دعائیں' منشی عزیز' خواجہ حسین' فیصل ندیم بھٹی' ملازم حسین شیرازی' ایم حسن نظامی' نظر علی برمانی' عمران مظہر' ساحل ابڑو' بارش علی بارش' سلام دعائیں کیسے ہیں آپ لوگ؟ ادی تحسین جونیجو' ادی زرینہ جونیجو' سلامتی کی دعائیں' بہنو آپ بھی محفل احوال کو چار آٹھ چاند لگائیں عبدالغفار عابد آداب بھیا' احوال کا نیا انداز بے حد اچھا لگا۔ رفعت محمود کا تتی سروپ' عابد مغل محبت برائے فروخت' سحرش بانو' محبت لاحاصل' حنا بشریٰ شمع

www.urdusoftbooks.com

عشق بہت عمدہ تحریریں پڑھنے کو دیں بے حد شکریہ' نزہت جبیں ضیاء انوکھا وعدہ سیدہ زینب ندا وہ لوٹ آئی اسرار سے پُر تھیں۔ حنا اصغر دھند کے اس پار آخری قسط بھی ہمیشہ کی طرح بہترین تھی۔ شازلی سعید مغل املتاس' روشانے سبحین ریشم کے دھاگے عمدگی سے آگے بڑھ رہی ہیں۔ قرینہ عشق' کنواری ماں' ڈائنا امر ہوگئی' معصوم محبت' خالہ خیرن' تم ایسی محبت مت کرنا' اچھی تھیں۔ بے حد پسند آئیں نازیہ بتول احساس محبت کیا کہنے بہت خوب' آپ کی ڈائری اچھا سلسلہ ہے۔ آپی شمارے کے ورق ورق سے آپ کی محنت خوب جھلک رہی تھی۔ رسالے کی مزید ترقی کے لیے دعائیں آخر میں تمام قارئین سے درخواست ہے کہ میرے تایا جان کی طبیعت ناساز ہے اُن کی مکمل صحت یابی کے لیے دعا کریں۔

☆ بھائی شاہد! سب سے پہلے تو آپ کے تایا کے لیے صحت یابی کی خلوص دل سے دعا آپ کی طرف سے اب اعلان کا شدت سے انتظار رہے گا۔ شمارے کی پسندیدگی کا شکریہ مجھے یقین ہے کہ آپ نمائندہ خصوصی کے میرے انتخاب کا مان رکھیں گے اور اپنے سچی کہانیاں کو پورے شہدادکوٹ میں پھیلائیں گے۔

ملازم حسین شیرازی بھکر سے لکھتے ہیں۔ محترمہ مدیرہ اعلیٰ تسلیمات' مارچ 2018ء کے شمارے کا سرورق اپنے ست رنگوں سے سجا۔ خوبصورتی سے مزین ہے ٹائٹل واقعی دیدہ زیب ہے شمارہ کی پروف ریڈنگ کسی قسم کی غلطیوں سے مبرا' شمارہ خوب سے خوب تر کی منازل پر احسن طریقے سے گامزن ہے۔ بلاشبہ ادبی دنیا کی فضاؤں کی جبیں پر جھومر ہے اور اپنے جلو میں قوس وقزح کے رنگ سمیٹے۔ اداریہ خوبصورت کپڑوں میں ملبوس ارمانی کا سوٹ زیب تن کیے ہوئے اے دن کی دیدہ زیب شرٹس' سینٹ مائیکل کی ٹائیاں' کلف زدہ کپڑے لیونڈر آئل سے شرابور' اگر پیروں میں نعلین نہ ہوں تو آدمی کتنا مضحکہ خیز لگتا ہے اگر یہی جوتے پیروں کی بجائے سر' سینے اور چہرے پر پڑیں تو عزت نفس خاک میں مل جائے عام آدمی کے لیے تو یہ ناقابل برداشت ہے لیکن ہمارے خودساختہ بے ضمیر ارب پتی لیڈر صاحبان لاکھوں کے سامنے جوتے کھا کر بتیسی نکال رہے ہوتے ہیں۔ غیرت' عزت وقار کی انہیں قطعی پرواہ نہیں۔ محمد سلیم اختر کا اسم گرامی مدیر اعزازی پڑھا تو بہت خوشی ہوئی حقیقتاً وہ اس کے مستحق ہیں ادارہ ان کے وسیع تجربہ سے یقیناً مستفید ہوگا کانتی سروپ رفعت محمود محبت اگر سچی ہو تو آگ کے شعلے اور شرارے پھول پتیاں بن کر جسم کو امر کردیتے ہیں ہندو میتھالوجی کے زیر اثر اچھوتی کہانی' عشق میں حساب کیا رکھنے یاد تے کرنے لیکھے عشق میں حساب کتاب سوداگری ہے عشق کے موضوع پر اچھی تحریر' تم ایسی محبت مت کرنا از قلم ریحانہ نور جنہیں ماں باپ کی عزت کا پاس نہیں ہوتا گھر کی دہلیز چھوڑ کر زمانے کی ٹھوکریں اُن کا مقدر بنتی ہیں۔ جھوٹی محبت اور ہوس زدہ سوچ پت جھڑ کے پتے کی طرح انہیں اڑاتی پھرتی ہے بہترین کہانی' عشق جو ہم سے...... رئیسہ خالد جن عظیم شخصیات نے پاکستان بنانے میں دل وجان سے کاوشیں کیں ہم نے اُن کی قدر نہ کی غداری کا لیبل چسپاں کیا جمہوریت کو پیروں تلے روندا نتیجہ کیا نکلا' رات کو سوئے پاکستان' صبح اٹھے بنگلہ دیش...... خالہ خیرن فریدہ فری ایک ہنستی مسکراتی مزاحیہ تحریر بہت خوب' ڈائنا امر ہوگئی انسان دوستی پر بہترین تحریر' معصوم محبت عشق ومحبت کی ناقابل یقین داستان' اگر ڈاکٹر صاحب رابعہ سے شادی کر لیتے تو اُس کی زندگی بچ سکتی تھی۔ مذہب' شریعت انسانیت میں اس کی اجازت ہے۔ آج کا نثر نگار' شگفتہ شفیق نے ایک اچھے قلم کار پر خوبصورت تحریر لکھی' کنواری ماں شعیب صادق جن عظیم شعراء ادباء قلم کاروں نے ادبی علمی خدمات انجام دیں اکثریت ان فنکاروں نے کسمپرسی کی زندگی گزاری' دکانوں کے تھڑوں کے نیچے پاسنگ شو اور بغلہ کی سگریٹس پھونکتے رہے اور جنہیں ادب سے واسطہ نہیں محض تعلق داری کی وجہ سے آئے روز انہیں ایوارڈز سے نوازا جارہا ہے اب تو ان کے گھروں میں ایوارڈز رکھنے کی جگہ ناپید ہے بہت بڑا المیہ ہے۔ آل پاکستان ایوارڈ تقریب شاندار رہی' دوشیزہ کا سفر منزہ سہام' ماشاء اللہ تفصیلاً قارئین کو آگاہ کیا گیا۔ مرحوم سہام مرزا صاحب کی تصاویر دیکھ کر ذہن ماضی کی طرف لوٹ گیا۔ پریس کلب شیزان ریسٹورنٹ وچیج ریسٹورنٹ ان جگہوں میں ان کے ہم شریک ابراہیم جلیس' الیاس رشیدی' ڈاکٹر جمیل جالبی' شوکت صدیقی ودیگر ہوتے کیا محفلیں

www.urdusoftbooks.com

تھیں مختلف موضوعات پر گفتگو ہو رہی ہیں علم و حکمت کے خزینے وا ہو رہے ہیں انہی کے ذریعے ان سے تعارف رہا بہت کچھ سیکھا یہ سب ان کے مرہون منت ہیں۔ شمع عشق حنا بشریٰ عشق حقیقی اگر دلوں میں جذب ہو جائے تو ایسے انسانوں کو شیطان یا دیگر جناتی و ماورائی مخلوقات بھٹکا نہیں سکتی۔ بہترین تحریر' دھند کے اس پار ایک بہترین ناول جو دلچسپیاں سمیٹے اختتام پذیر ہوا۔ مبارک باد' الماس شاذلی سعید مغل ایک دلچسپ اور اسرار میں لپٹا سلسلہ جو قارئین کو جکڑے رہتا ہے کامیاب تحریر ریشم کے دھاگے اچھوتا موضوع بہترین سلسلہ' اُن کے علاوہ عشق لا حاصل احساس محبت' قرینہ عشق انوکھا وعدہ بہترین تحریریں تھیں آپ کی ڈائری' مسکلہ یہ ہے تیر نیم کش لاجواب رہیں۔ احوال نامے اب آتے ہیں احوال نامے کی طرف' مسند صدارت پر نظر علی برمانی براجمان ہیں پرانے قاری ہیں سچی کہانیاں سے اپنا رشتہ خوب نبھا رہے ہیں۔ اپنا تعارف ضرور ارسال کریں' خضر حیات خوبصورت خط لکھا شاعری کا انتظار گے' ڈاکٹر عامر شہزاد آپ کا خط اور کہانی دونوں بہترین اور دلچسپ ہیں کس شمارہ کی تجویز کی تائید کرتے ہیں۔ مریم شاہ بخاری آپ کی کہانیوں کے منتظر ہیں لیکن تبصرہ میں بھی شرکت لازماً کریں' ایم حسن نظامی آپ کی تحریر دلچسپی کی حامل ہوتی ہے لیکن آپ کی اکثر غیر حاضری کھٹکتی ہے اسے ریگولر بنائیں۔ منشی عزیز مئے جس لگن اور دلچسپی سے سچی کہانیاں میں بذریعہ تحریر اپنا حصہ ڈال رہے ہیں وہ لائق صد تحسین ہے وفاداری شرط استواری ہے سلام عرض ہے۔ حسین خواجہ خوبصورت خط لکھنے کے لیے داد و تحسین قبول فرمائیں۔ سلام عرض ہے۔ عبدالغفار عباد آپ نے صحیح فرمایا کہ بعض لکھاری اپنے خطوط یا بے معنی و بے مقصد کہانیاں شائع کرانے کے لیے مدیرہ اعلیٰ سے اُلجھتے ہیں ادب میں میرٹ کی کسوٹی نہ ہو تو لوگ کتاب سے دور رہیں گے۔ مور شاہد حسین آپ کا خط شمارے کی زینت ہوتا ہے کہانیاں بھی لاجواب ہوتی ہیں میرے تبصرہ کو پسند فرمایا شکریہ سلام عرض ہے۔ فیصل ندیم بھٹی آپ کے خطوط پسندیدگی سے پڑھے جاتے ہیں اپنی آراء سے ادارہ کو مستفید فرماتے ہیں' آپ نے سلام بھیجا عین نوازش و عنایت' ارشد اقبال چوہان وعلیکم السلام سکھی و سلامت رہیں آپ نے صحیح فرمایا کہ خطوط زیادہ سے زیادہ شائع کیے جائیں تاکہ ہر ایک کی حوصلہ افزائی ہو۔ دل تو بہت چاہتا ہے کہ ہر کہانی خط پر بھرپور تبصرہ کریں لیکن ادارے میں موجود تیز طرار قینچی کی دھار سے ڈر لگتا ہے اس لیے ہاتھ ہولا کرنا پڑتا ہے خط کے طوالت کے پیش نظر ہاتھ روکنا پڑ رہا ہے۔ میری طرف سے مدیرہ اعلیٰ صاحبہ تسکی برادران و دیگر احباب کو سلام' اجازت دیجیے اگلے ماہ ملاقات ہوگی انشاءاللہ خدا حافظ۔

☆ شیرازی بھائی! خوبصورت خط سیر حاصل تبصرہ...... آپ کی کہانی جلد شائع کروں گی۔

● ساحل علی ابڑو بلوچستان سے لکھتے ہیں۔ محترمہ منزہ سہام صاحبہ السلام علیکم! امید ہے مزاج بخیر ہوں گے۔ اپریل کا تازہ شمارہ سچی کہانیاں میرے سامنے ٹیبل پر پڑا ہے خوبصورت دیدہ زیب ٹائٹل پر بیٹھی حسینہ کسکوں کی مہارت لیے تشنہ لب سے ہمیں کچھ تبسم دے رہی تھی۔ اداریہ پڑھ کر احوال میں پہنچا تو بہت سارے رائٹرز ایک دوسرے کو محبت کے خلوصیت نامے پیش کر رہے تھے۔ ان کے درمیان اپنا خط پڑھ کر بہت خوشی ہوئی۔ باجی منزہ ملی ادبی فاؤنڈیشن کی رپورٹ تصویروں کے ساتھ شائع کرنے کا بہت بہت شکریہ اور انعامی سلسلہ دوبارہ شروع کر کے ہمارے درمیان جو ادبی ماہان کی عزت بخشی ہے تو یقیناً تمام رائٹرز کے لیے ایوارڈ کا درجہ رکھتا ہے۔ کیونکہ یہی تو کامیابی کی کڑی ہوتی ہے۔ جو رائٹر کی محنت رائیگاں نہیں بلکہ انہیں مزید اچھا سے اچھا لکھنے کا موقع اور پلیٹ فارم دیا جاتا ہے۔ ڈاکٹر ہارون الرشید تبسم اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ لوگوں کی کھوپڑیاں بارود اور کروڑوں روپوں سے بھری ہوتی ہے۔ اور ادیب کی کھوپڑیاں تو اپنی جگہ معدہ بھی خالی ہوتا ہے۔ یہ ادیب بے چارے تو فقیر ہوتے ہیں جو اپنی عزت اور شوق کے لیے لکھتے ہیں۔ جو عزت آپ نے تمام یکجا رائٹروں کو دے رہی ہیں تو اس کی قدر سارے رائٹر ہی جانتے ہیں۔ باجی منزہ میں تمام کہانیوں پر تبصرہ نہیں کر سکتا جس کی وجہ ہے سچی کہانیاں کا بہت لیٹ ملنا میں اپنی طرف سے بہت کوشش کروں گا کہ اگلے شمارے میں کچھ نہ کچھ لکھوں گا۔

☆ بھائی ساحل! شمارہ پسند کرنے کا شکریہ آخری پیراگراف حذف کر دیا ہے اس لیے کہ آپ سچی کہانیاں کے

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

لکھاریوں سے انٹرویو مت لیں ان کے تعارف تو میں ویسے ہی شائع کروں گی آپ دیگر شعراء اور نثر نگاروں کے انٹرویوز لیجیے جو اچھا لکھتے ہیں مگر گمنامی کی زندگی گزار رہے ہیں۔

غلام مرتضٰی علوی گوجرہ سے لکھتے ہیں۔ السلام علیکم کے بعد عرض ہے کہ کچھ ماہ کی غیر حاضری کے بعد میں حاضر ہوں بات یہ ہے کہ ناصر رضا صاحب کی وفات ہم سب کے لیے بہت بڑا صدمہ ہے اور اب بھی یقین نہیں آ رہا کہ وہ ہم میں نہیں ہیں۔ خدا ان کو جنت میں اعلیٰ مقام دے آمین۔ میری طرف سے ان کے لیے دو ہزار تیسرا کلمہ شریف اور سو درود شریف ارسال ہیں۔ ان کے جانے کے بعد رسالہ پڑھ کر جب تبصرے کے لیے قلم اٹھاتے تھے تو دل بوجھل ہو جاتا تھا۔ ان کی لکھی ہوئی باتیں یاد آ جاتی تھیں اور تبصرہ لکھنے کو من نہیں کرتا تھا۔ آج حوصلہ کر کے تازہ شمارے پر تبصرہ لکھ رہا ہوں کوشش ہوگی آئندہ بھی بروقت احوال میں شریک ہوں۔ اپریل کا شمارہ ٹوبہ سے 12 کو خریدا (ایک بات اور کہنی تھی کہ میں نے ڈاک سے سچی کہانیاں لگا رکھا تھا اس کا سالانہ چندہ جنوری 2018ء تک تھا۔ لیکن آپ نے مجھے فروری اور مارچ کے شمارے فری میں ارسال کر دیے اب بتائیے ان شماروں کے 120 میں منی آرڈر کروں یا یہ دو شمارے بطور تحفہ تصور کیے جائیں گے میرے لیے' اس کے ساتھ ایک بات اور کہ مئی سے مجھے ایک سال کے لیے شمارہ جاری کر دیں مئی کا شمارہ سال بھر کے چندے کے لیے وی پی کر دیں تاکہ میں پھر سے گھر بیٹھے پاکستان کا سب سے مقبول رسالہ پڑھ سکوں۔) شمارہ کھولا تو منزہ سہام صاحبہ کا قلم پڑھا جو اپنی مثال آپ تھا بہت اچھا لگا' کہانی ابھی کوئی پڑھی نہیں کیونکہ تبصرہ جلد ارسال کرنا ہے تاکہ بروقت مل جائے۔ ابھی تک میں نے احوال کی بیٹھک کے سارے خط پڑھے ہیں اور دوشیزہ کا سفر پڑھا ہے پہلے احوال کی بات کرتے ہیں جناب نظر صاحب کا خط دلچسپ لگا ان کا طرز تحریر اچھا ہے۔ باقی خط بھی عمدہ تھے جن دوستوں کے خط خوب مزہ دے گئے ان میں جناب خضر صاحب جناب ڈاکٹر عامر شہزاد صاحب' محترمہ ارم صاحبہ' جناب ارشد اقبال چوہان صاحب' محترمہ مریم صاحبہ' جناب ایم نظامی' منشی بھائی لڈن دیہاڑی والے' خواجہ صاحب چمن آباد والے' مور شاہد بھائی' ندیم بھٹی صاحب' حامد صاحب' حنا بشریٰ' محترم ملازم شیرازی بھائی' ان لکھنے والوں کے خط پسند آئے۔ باقی بھی عمدہ تھے۔ دوشیزہ کا سفر بہت عمدہ تحریر لگی پرانی تصاویر سے بہت اچھی بن گئی۔ پرانی یادیں پڑھنے کا واقعی بہت مزہ آیا۔ باقی کہانیاں ابھی پڑھ رہا ہوں تو ان پر رائے نہیں دے سکتا۔ اور ہاں اس خط کے ساتھ میں اٹلی کے ادب سے ایک تحریر (جو مجھے بہت پسند ہے) اس کا انتخاب کر کے ارسال کر رہا ہوں امید ہے آنے والے کسی شمارے میں شائع ہو جائے گی میری ایک تحریر آپ کے پاس اور بھی ہے۔ جو کہ ناصر رضا صاحب کے وقت میں ارسال کی تھی اس تحریر پر میری آپ سے فون پر بھی بات ہوئی تھی مجھے امید ہے آپ حسب وعدہ اس کو بھی کسی تازہ شمارے میں جگہ دیں گے۔ ابھی دو تحریریں میں لکھ رہا ہوں ایک خوفناک ہے۔ ایک معاشرتی تحریر ہے۔ میں پوری کوشش کروں گا کہ رمضان کے ختم ہونے تک وہ بھی ارسال کر دوں۔ رمضان سے یاد آیا سب دوستوں کو رمضان بھی پیشگی مبارک ہو مئی میں یہ مبارک ماہ بھی شروع ہو جائے گا۔ اور اس کے ساتھ ساتھ ناجائز منافع خور بھی سرگرم ہو جائیں گے۔ یہ لوگ بھی کتنے ظالم ہیں جو رمضان عیدوں' محرم پر بیسن' چاول' گوشت اور کھانے والی چیزیں مثلاً شربت کھجوریں خوب مہنگی کر دیتے ہیں اور ان مبارک دنوں پر خوب حرام کماتے ہیں۔ خدا ہم سب کو ہدایت اور انسانوں کی خدمت کرنے کی توفیق دے اس دعا کے ساتھ اجازت۔

☆ بھائی مرتضٰی! آپ نے احوال میں شرکت کر کے میرا مان بڑھایا دوشیزہ کا سفر اچھا لگا یہ جان کر بہت خوشی ہوئی' مجھے یقین ہے کہ سچی کہانیاں کا معیار اور میرٹ دونوں آپ کو مطمئن کریں گے۔

اس آخری خط کے ساتھ اپنی مدیرہ کو اجازت دیجیے اور سچی کہانیاں سے متعلق کوئی بھی بات ہو بلا جھجک مجھ سے کہیے۔ میں منتظر رہوں گی۔

دعاؤں کی طالب

منزہ سہام

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

اُمِ ایمان

غلام جو سردار بنے

حضرت سالم مولیٰ ابوحذیفہ

اعلیٰ مرتبت ہستیوں کے حالاتِ زندگی......

حضرت سالمؓ ایرانی النسل تھے۔ علامہ ابن اثیر اسد الغابہ میں لکھتے ہیں کہ سالمؓ ایک خاتون شبیتہ بنت یعار انصاریہؓ کی غلامی میں مدینہ پہنچے۔

ابن سعد کا بیان ہے کہ شبیتہ بنت یعار انصاریہ حضرت ابوحذیفہؓ کی بیوی تھیں لیکن انہوں نے یہ وضاحت نہیں کہ شبیتہ حضرت ابوحذیفہ کے عقد نکاح میں کب آئیں۔ بہرحال تمام محدثین کی روایت سے یہ بات قطعی طور پر ثابت ہوتی ہے کہ حضرت سالمؓ لڑکپن ہی سے حضرت ابوحذیفہؓ کے دامن عاطفت میں آگئے تھے اور ان ہی کے پاس سن بلوغت تک پہنچے۔

اس لحاظ سے حضرت سالمؓ ان خوش قسمت غلاموں میں سے تھے جنہیں شروع ہی سے محبت کرنے والے مربی میسر آگئے تھے۔ حضرت ابو حذیفہؓ ان سعید الفطرت ہستیوں میں شامل تھے جنہوں نے بغیر کسی تامل کے حق کا دامن بڑھ کر تھاما اور اس طرح سابقون الالون کی مقدس جماعت میں شمولیت کا اعزاز حاصل کیا۔ حالانکہ ان کا چچا عقبہ قریش کا ذی اثر رئیس تھا۔ وہ مرتے دم تک اپنے کفر پر قائم رہا مگر ابوحذیفہ دعوت توحید کے آغاز میں ہی ایمان کا نور حاصل کر کے مشرب بہ اسلام ہوگئے تھے۔

وہ حبشہ کی دونوں ہجرتوں میں شریک تھے۔ غالب امکان ہے کہ حضرت سالمؓ اپنے آقا کے ساتھ دونوں ہجرتوں میں شریک تھے۔

ہجرت مدینہ کا حکم ہوا تو وہ حضرت ابوحذیفہ اور متعدد دوسرے صحابہ کے ساتھ ہجرت نبوی سے پہلے مدینہ پہنچ گئے۔

مکہ میں قیام کے دوران وہ ہر قسم کی رکاوٹوں اور مصائب کے باوجود صحبت نبویؐ سے فیضاب ہونے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتے۔ چنانچہ علوم دینی میں اس حد تک آگے بڑھ گئے تھے کہ اپنے علم و فضل اور کمالات کے علاوہ حفظ قرآن اور حسن قرآن کی بدولت تمام صحابہ میں عزت و اکرام سے دیکھے جاتے تھے۔

حضور اکرمؐ کی ہجرت سے پہلے حضرت سالمؓ کو

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

ہی مسجد قبا میں مسلمانوں کی امامت کا شرف حاصل تھا ہجرت کے وقت رسول اللہؐ نے کچھ دن ٹھہر کر قبا میں نماز پڑھائی پھر آپؐ مدینہ تشریف لے گئے تو حضرت سالمؓ مسجد قبا میں مستقلاً امامت کا فریضہ انجام دینے لگے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ حضرت عمر فاروقؓ حضرت عثمانؓ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ حضرت سعد بن ابی وقاص اور بے شمار دوسرے جلیل القدر صحابہ نے بارہا حضرت سالمؓ کی اقتدار میں نماز ادا کی۔

حضرت سالمؓ کو اللہ نے لحن داؤدی عطا کیا تھا جب وہ خوش الحانی کے ساتھ قرآن کی تلاوت کرتے تو سننے والوں پر محویت طاری ہو جاتی تھی۔

خود رسول اللہؐ اُن کی حسن قرآت پر ناز کرتے تھے اور لوگوں کو ان سے قرآن سیکھنے پر اُکساتے تھے۔

ایک دفعہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کسی کام سے باہر گئیں ہوئی تھیں۔ ان کی واپسی میں غیر معمولی تاخیر ہوئی تو رسول اکرم ﷺ مضطرب ہو گئے۔ ابھی آپ فکر مند تھے کہ ام المومنین واپس آ گئیں۔ حضور اکرم ﷺ نے پوچھا۔

''عائشہ! اتنی دیر کہاں لگائی؟''

حضرت عائشہؓ نے عرض کیا۔

''یا رسول اللہ ﷺ! میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں۔ میں واپس آ رہی تھی کہ ایک قاری کی تلاوت قرآن کی آواز میرے کانوں میں آئی۔ اس آواز میں ایسا سوز تھا اور ایسی کشش تھی کہ گویا زمین نے میرے پیر پکڑ لیے ہوں۔

سو اسی باعث آنے میں تاخیر ہوئی۔'' رسول اکرمؐ نے پوچھا۔

''اس قاری کو کس حال میں چھوڑا؟''

حضرت عائشہ نے جواب دیا کہ وہ میرے آنے تک تلاوت میں مشغول تھا۔ حضور اکرمؐ یہ سن کر مارے اشتیاق کے فوراً کھڑے ہو گئے اور اپنی چادر سنبھالتے ہوئے باہر کی جانب لپکے' دیکھا کہ واقعی اس قاری کی قرآت سن کر لوگ ٹھٹک کر کھڑے ہو گئے ہیں اور سکتے کے عالم میں سن رہے ہیں اور یوں محسوس ہو رہا ہے کہ جیسے ساری کائنات ساکن ہو گئی ہے۔ یہ دیکھ کر حضور اکرمؐ کا چہرہ مبارک خوشی سے چمکنے لگا اور بے اختیار قاری کی شان میں یہ الفاظ نکلے۔

''ساری تعریف اس رب کی جس نے میری امت میں تم جیسے شخص کو پیدا کیا۔''

یہ قاری جس پر فخر موجودات نے فخر و ناز کا اظہار کیا حضرت ابوعبداللہ سالم مولیٰ ابوحذیفہ تھے۔

مکہ میں مصائب اور دشواریوں کی گھاٹیاں عبور کر کے قافلہ حق مدینہ پہنچا تو قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی۔

''اصل دشوار گزار گھاٹی تو وہ ہے جس پر سے گزرنا ہے۔''

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد حق کے علمبرداروں نے قیامت کی گھاٹی کی مشکلات کو کم کرنے کے لیے بے دریغ غلاموں اور کنیزوں کو آزاد کرنا شروع کیا۔ حضرت ثبیتہ بن یعار نے بھی حضرت سالمؓ کو اپنی غلامی سے آزاد کر دیا۔

حضرت سالمؓ آزاد ہوئے تو حضرت ابوحذیفہؓ نے آگے بڑھ کر اُن کو اپنے گلے سے لگا لیا اور اپنا لے پالک بیٹا بنا لیا۔

حضرت سالمؓ اپنے منہ بولے باپ کے گھر آزادانہ جاتے تھے لیکن جب وہ جوان ہو گئے اور قرآن کا حکم نازل ہوا (ان کو ان کے باپ کی نسبت سے بلایا کرو)

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

تو حضرت ابوحذیفہ کو خدشہ محسوس ہوا کہ سالم کی آزادانہ آمدورفت کہیں حکم الٰہی کے خلاف نہ ہو چنانچہ انہوں نے اس خدشہ کا اظہار اپنی اہلیہ سہیلہ بنت سہل کے سامنے کیا۔

حضرت سہیلہ حضور اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! سالم کو ہم اپنا بیٹا سمجھتے ہیں اور وہ ہمیشہ ہمارے گھر میں آتا ہے لیکن اب ابوحذیفہ کو ناگوار گزرتا ہے۔"

حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ اس کو اپنا دودھ پلا دو تو وہ تمہارا محرم ہو جائے گا چنانچہ حضرت سہیلہ نے انہیں اپنا دودھ پلا دیا اور اس طرح حضرت سالمؓ حضرت ابوحذیفہؓ کے رضاعی فرزند بن گئے۔

اُم المومنین حضرت اُم سلمہؓ فرماتی ہیں کہ یہ اجازت حضرت سالمؓ کے لیے مخصوص تھی ورنہ جوانی میں رضاعت ثابت نہیں ہوتی۔

اب ایرانی النسل حضرت سالم خاندان ابوحذیفہ کے رکن بن چکے تھے۔

حضرت حذیفہؓ حضرت سالمؓ سے بہت محبت کرتے تھے چنانچہ انہوں نے اپنی بھتیجی فاطمہ بنت ولید کا نکاح حضرت سالمؓ سے کر دیا اور یوں حضرت سالمؓ خاندان قریش کے رکن بن گئے اور انہیں دامادی کا شرف حاصل ہو گیا۔

حضرت حذیفہؓ نے اپنی بے پناہ شفقت و محبت کے باعث انہیں اپنا متبنّیٰ بھی قرار دیا تھا لہٰذا لوگوں میں سالمؓ بن حذیفہ کے نام سے مشہور ہو گئے تھے۔

جب بارگاہ الٰہی سے حکم آیا کہ منہ بولے بیٹے حقیقی بیٹے نہیں ہوتے اور انہیں اصلی ناموں سے منسوب کیا کرو تو لوگ انہیں سالم بن حذیفہ کے بجائے سالم مولیٰ ابوحذیفہ کہنے لگا۔

ہجرت کے بعد مدینہ منورہ حضور اکرمؐ نے حضرت معاذ بن عفراء انصاری کو حضرت سالم کا مواخاتی بھائی بنایا تھا۔

حضرت سالمؓ کے لیے حضرت معاذؓ اپنے مال و دولت گھربار سب ہی میں ہر قسم کے ایثار کے لیے آمادہ تھے لیکن حضرت سالمؓ کے استغنا کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے کبھی کسی معاملہ میں بھی حضرت معاذؓ کو کوئی تکلیف نہیں دی بلکہ جو کچھ کماتے تھے اسے راہ خدا میں خرچ کر دیتے تھے اور خود فکر و فاقہ کی زندگی بسر کرتے۔

حضرت سالمؓ علم و فضل کے میدان کے ہی شہسوار نہ تھے بلکہ میدان جہاد کے بھی اولوالعزم سپاہی تھے وہ بدر، احد، احزاب اور دوسرے تمام بڑے غزوات میں آپؐ کے ساتھ ساتھ تھے اور شجاعت و بہادری کے ساتھ رسول اکرمؐ کی رفاقت کا حق ادا کرنے والے تھے۔

حضرت صدیق اکبرؓ کے دور میں مسلیمہ کذاب نے بڑی تیاری کے ساتھ ایک کثیر فوج اکٹھی کر لی اور اسلامی حکومت کے خلاف کارروائیوں کا آغاز کیا۔

اس سے پہلے رسول اکرمؐ کے دور میں بھی وہ نبوت کا دعویٰ کر چکا تھا۔ ساتھ ساتھ وہ رسول اکرمؐ کی رسالت کا اقرار بھی کرتا تھا یعنی وہ رسالت میں شرکت کا دعوے دار تھا۔

اب جب کہ رسول اللہؐ کی رحلت ہو چکی تھی تو اس نے موقع دیکھ کر علم جنگ بلند کیا۔ جنگ یمامہ میں حضرت سالمؓ اپنے منہ بولے باپ ابوحذیفہؓ کے ساتھ شریک ہوئے بعض مورخین کے مطابق مسلمانوں کو اب تک جتنی لڑائیاں پیش آئی تھیں ان میں جنگ یمامہ سخت ترین لڑائی تھی۔

اس میں ایک طرف عرب مسلمان تھے جو اللہ اور اللہ کے رسولؐ کے لیے صف آرا تھے اور دوسری طرف کثیر تعداد میں عرب مرتدین تھے جو اپنے قبائلی

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

عصبیت کی بناء پر متحد ہوکر مسلیمہ کذاب کے جھنڈے تلے لڑ رہے تھے۔ یہ وہ عرب قبائل تھے جب انہوں نے دوبارہ اسلام قبول کرلیا تو اولین مسلمانوں کے ساتھ مل کر قوت ایمانی سے لیس ہوکر قیصر و کسریٰ کے تخت و تاج کو الٹ دینے والے تھے۔

جنگ یمامہ میں مہاجرین کا علم حضرت سالمؓ کے پاس تھا۔

ایک موقع پر جب کہ مرتدین کا دباؤ حد سے زیادہ بھا تو مسلمانوں کے قدم اکھڑ اکھڑ گئے۔ اس موقع پر حضرت سالمؓ ایک گڑھا کھود کراس میں پاؤں جما کر کھڑے ہوگئے اور للکارے مسلمانو! افسوس رسول اللہ ﷺ کی رفاقت میں تو ہم اس طرح میدان نہ چھوڑا کرتے تھے۔

ان کی للکار سن کر مسلمانوں کے قدم پھر جم گئے۔ ایک مجاہد نے کسی غلط فہمی کی بناء پر یہ کہہ دیا کہ ہم کو تمہاری طرف سے اندیشہ ہے تم یہ علم کسی اور کو نہ دے دو۔

یہ سن کر جوش میں فرمایا۔

''اگر میں اپنے آپ کو مسلمانوں کی علمبرداری کا اہل ثابت نہ کروں تو مجھ سے بڑھ کر بد بخت حامل قرآن اور کوئی نہیں۔

ابھی یہ الفاظ کہے ہی تھے کہ مرتدوں کا زبردست حملہ ہوا۔ حضرت سالمؓ ایسے جوش سے لڑے کہ سروں کی فصل کی فصل کاٹ کر رکھ دی لیکن مرتدین اتنی بڑی تعداد میں تھے کہ ہجوم کم ہونے میں نہ آتا تھا۔

ایک بد بخت نے داہنے ہاتھ پر تلوار کا بھرپور وار کیا وہ کٹ کر دور جا گرا۔

انہوں نے علم اسلام بائیں ہاتھ میں تھام لیا وہ بھی کٹ گیا تو دونوں کٹے ہوئے ہاتھوں کا حلقہ بنا کر علم اسلام کو سینے سے چمٹا لیا اور بے اختیار زبان پر یہ الفاظ جاری ہوگئے۔

''اور محمدؐ صرف ایک رسول ہیں اور کتنے ہی نبی ایسے ہیں جن کی معیت میں بہت سے اللہ والوں نے جہاد کیا ہے۔'' (آل عمران 15)

بالآخر مرتدین نے بار بار آپ پر حملے کیے اور آخر کار زخموں سے چھلنی ہوکر گر پڑے۔ آخری وقت میں لوگوں سے پوچھا۔

''ابو حذیفہؓ کا کیا حال ہے؟''

جواب ملا:''

وہ شہادت کا جام نوش کر چکے۔''

پھر پوچھا:

''میرا وہ مسلمان بھائی کہاں ہے جس نے مجھ پر اعتراض کیا تھا؟''

لوگوں نے کہا وہ بھی شہادت کا مرتبہ پا چکا۔

حضرت سالمؓ نے کہا مجھے ان دونوں کے درمیان میں دفن کرنا اتنا کہہ کر رب حقیقی کے حضور حاضری کے لیے چل پڑے۔

علامہ ابن اثیر اور ابن سعد کا بیان ہے کہ جب وہ شہید ہوئے تو ان کا سر اپنے منہ بولے باپ حضرت حذیفہؓ کے قدموں پر تھا۔

حضرت سالم کا معمول تھا کہ جو کچھ کماتے تھے اللہ کی راہ میں صرف کر دیتے تھے۔ لہٰذا انہوں نے اپنے ترکے میں ایک گھوڑا اور معمولی اسباب کے سوا کچھ نہ چھوڑا۔

ان کی کوئی اولاد نہ تھی۔ لہٰذا حضرت عمرؓ نے ان کا ترکہ بیت المال میں داخل کر دیا۔

نوٹ: غلام جو بنے سردار کے سلسلے کی یہ آخری کڑی تھی اگلے ماہ سے ایک نئے سلسلے کے ساتھ حاضر ہوں گے۔

☆☆......☆☆

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

کراچی سے ارسال کردہ خوبصورت تحریر

پھندا

ایک ایسی تحریر جو آپ برسوں یاد رکھیں گے......

مصنف کی عرق ریزی کی بہترین مثال......

سید علی ارسلان

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

ابھی ابھی ملک احسان میرے پاس سے اٹھ کر گیا ہے۔ مجھ پر پڑنے والے سانحے نے میرے جسم و جان کا عرق نہ نچوڑ لیا ہوتا تو بلا مبالغہ میں ملک احسان کی بوٹیاں توڑ کر کتوں کو کھلانے میں تامل نہ کرتا۔ میرے سان و گمان میں بھی کبھی نہ آیا تھا کہ ملک احسان اتنا بے رحم، شاطر اور کائیاں ثابت ہوگا اور میرے کان ایسے کاٹے گا کہ نہ تو میں کسی کو شکل دکھانے کے قابل رہوں گا اور نہ ہی کسی کے آگے دکھڑا رو سکوں گا۔ اپنے بپھرے ہوئے خونخوار جذبات کے باوجود اپنی بے بسی کا مجھے کلی طور پر احساس ہے میں کچھ بھی تو نہیں کرسکتا جو کچھ میں کرسکتا تھا وہ میں کر چکا یعنی ملک احسان کے اشارۂ انگشت پر رقص......

عدالتی سمن آیا تو مجھے اتنی تشویش نہیں ہوئی جتنی کہ عام طور پر ہوا کرتی ہے سمن مجھے بہت خوبصورت لگا نہ بہت بدصورت، بس وہ قبول صورت تھا۔

اب احساس ہوتا ہے کہ وہ سمن نہ تھا ایک ڈراؤنا عفریت تھا جس کے دانتوں میں پھنسی ہوئی میری بوٹیاں مجھے دکھائی نہ دیں۔ میں یہی سمجھتا رہا کہ وہ سمن مجھے دیکھ کر مسکرا رہا ہے اور مستقبل میں نصیب ہونے والی کامیابی کی پیشگی مبارکباد دے رہا ہے اور اپنی حمایت کا یقین دلا رہا ہے حالانکہ وہ سمن میرا منہ چڑا رہا تھا۔ خاموشی سے عرض کر رہا تھا کہ وہ میری تباہی و بربادی کا پروانہ ہے، نشاندہی کر رہا تھا کہ آنے والا مستقبل ذہنی، مالی اور سماجی اعتبار سے میری تار و پور بکھیرنے کے لیے بے چین ہے۔ اس سمن میں نوشتہ تقدیر لکھا تھا مگر میں اسے نہ پڑھ سکا۔

مقدمہ شروع ہونے سے قبل ہی میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ فیصلہ کیا ہوگا۔ اور مطمئن تھا آسودہ تھا۔ امتحان سے پہلے ہی کامیابی کا یقین ہو جائے تو ایسا ہی ہوتا ہے۔ میرے خیال کے بموجب پلڑا میری سمت جھکا ہوا تھا۔ کیا خبر تھی کہ میری حیثیت دو کوڑی کی بھی نہیں رہے گی۔ مالی دھچکہ تو خیر پہنچے گا ہی عزت...... عزت کی دھجیاں ایسی اڑیں گی کہ دوبارہ انہیں سمیٹنا مشکل ہی نہیں ناممکن ہوگا۔

ملک احسان پر دانت کچکچانے کے ساتھ ساتھ

مجھے خود اپنے آپ پر بھی رہ رہ کر غصہ آ رہا ہے کہ...... میں نے ایسی غلطی کی ہی کیوں تھی کاش یہ غصہ غلطی کرنے سے پیشتر آ جاتا تو مجھے ان حالات سے آنکھیں چار نہ کرنا پڑتیں۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ غلطی کا احساس جبھی ہوتا ہے جب اس کی تلافی کا لمحہ گردن میں طوق ڈال چکا ہوتا ہے اور ویسے بھی جذبہ انتقام کچھ کرنے سے پہلے آنے والے نتائج سے باخبر نہیں کرتا۔

ملک احسان سے میری ملاقات ایک نیم ادبی تقریب میں ہوئی تھی۔ ادب کے ٹھیکیداروں کی نگاہ میں اسے نیم ادبی کہنا بھی بڑا جرم ہے کیونکہ ہم ڈائجسٹوں کے مالکان اور ڈائجسٹوں کے مصنفین ادبی جغادریوں کی نظر میں قابلِ گردن زنی ہیں۔ ملک احسان سے مل کر مجھے حیرت ہوئی۔ مجھے امید نہ تھی کہ وہ اس قدر نوجوان ہوگا۔ اس کی عمر بمشکل چھبیس اور ستائیس کے درمیان تھی۔ جبکہ اس کی شہرت نے اس کی عمر کو بہت پیچھے چھوڑ دیا تھا۔ چھ سات برسوں میں ہی اس کی تحریروں نے اپنے آپ کو منوا لیا تھا۔ نئی نسل اس کی تصانیف کی دیوانی تھی اور ہزار دشمنی سہی پھر بھی مجھے اعتراف ہے کہ ملک احسان کے موضوعات میں جتنا تنوع اور الفاظ میں جتنی چبھن اور طنز پایا جاتا تھا وہ اچھوتا تھا۔

یہ تقریب بھی اسی کے اعزاز میں منعقد کی گئی تھی۔ اور یوں اس میں شریک ہونے سے میری دیرینہ خواہش پوری ہوگئی تھی کہ ملک احسان سے ملوں اور اپنے پرچے میں لکھنے کے لیے رضا مند کرسکوں۔ تقریب کے اختتام پر میں نے اُسے جالیا۔

''یقین کیجیے میں آپ کی تحریروں کا مداح ہوں۔'' میں نے تمہید باندھی۔

ملک احسان کے چہرے پر کسی قسم کے تاثرات نہیں ابھرے شاید اس لیے کہ پوری تقریب کے دوران وہ مسلسل اسی قسم کے جملے سنتا رہا تھا۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

"نوازش ہے آپ کی۔" اس نے سرسری طور پر کہہ کر آگے بڑھنے کی کوشش کی۔ میں فوراً بولا۔

"مجھے آپ سے بہت ضروری گفتگو کرنی ہے۔"

"تو کہیے۔" وہ شاید مجھ سے پیچھا چھڑانا چاہ رہا تھا۔ ویسے یہ میری اس سے پہلی ملاقات تھی اور وہ مجھ سے واقف نہ تھا۔

"میرا نام علی اکمل ہے۔" میں نے تعارف کروایا۔ اس کی بھنویں غور کرنے کے انداز میں سکڑ گئیں۔

"معاف کیجیے گا میں نے آپ کو نہیں پہچانا۔"

"میں ماہنامہ ترانہ کا چیف ایڈیٹر ہوں۔" اپنے رسالے کو ماہنامہ کہتے ہوئے میرے منہ سے حسرت بھری سانس نکل گئی۔ ہزار کاوش کے بعد بھی میرا پرچہ پابندی سے ہر ماہ مارکیٹ میں آنے سے قاصر رہتا تھا اور دو شماروں کی درمیانی مدت کم از کم ڈھائی تین ماہ ہوتی تھی۔ میری حیثیت معلوم ہونے پر بھی وہ خاموش رہا۔

"میں آپ کی تحریریں پڑھتا رہا ہوں اور یہی سوچتا رہا کہ کس طرح آپ سے رابطہ قائم کروں کسی رسالے کے ایڈیٹر سے پوچھنا بے سود تھا کاروباری جلن آڑے آجاتی ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ اس تقریب کی بدولت آپ سے ملاقات کا شرف حاصل ہوگیا۔" میں اچھی طرح روغنِ قاز مل رہا تھا اور کامیاب رہا تھا۔

ملک احسان کے خدوخال میں اب وہ پہلی سی بے اعتنائی اور بے زاری نہیں رہی تھی۔ اپنی تعریف کسے پسند نہیں ہوتی رب العزت بھی چاہتا ہے کہ بندہ دن میں پانچ مرتبہ اُس کے سامنے جھکے اور سربسجود ہو۔ وہ تو پھر گوشت پوست کا بنا ہوا انسان تھا۔

"آپ مجھے شرمندہ کر رہے ہیں۔" اس نے انکساری سے کہا۔

"جی نہیں...... حقیقت بیان کر رہا ہوں، آپ کی نثر نے بہت تیزی سے نکتۂ عروج کو چھولیا ہے۔" میں گرم لوہے پر دھڑا دھڑ چوٹیں لگا رہا تھا۔

کافی دیر اس کی شان میں زمین آسمان کے قلابے ملانے کے بعد میں مطلب کی طرف آیا۔

"میری آرزو پوری ہو جائے گی اگر آپ کی تحریر ماہنامہ ترانہ میں شائع ہو۔" اس نے تھوڑا سا توقف کیا بولا۔

"مجھے کیا اعتراض ہوسکتا ہے۔ ہمارا تو کام ہی لکھنا ہے۔ کسی وقت بھی دفتر میں تشریف لے آئیں تفصیلی بات چیت ہو جائے گی۔"

"میرے لیے آپ کے دفتر آنا ممکن نہ ہوگا۔ آپ کو پتہ ہے کہ میں سکھر میں رہتا ہوں اور دو چار روز کے لیے ہی کراچی آیا تھا۔ کل رات کی گاڑی سے واپس جا رہا ہوں۔ اپنے رشتہ داروں کے ہاں ٹھہرا ہوا ہوں اور مصروفیت اتنی ہے کہ ان کے ساتھ چند گھنٹے گزارنا بھی نصیب نہیں ہوا ہے۔ کل میں سارا دن گھر پر رہنا چاہتا ہوں۔ آپ آجائیں تو اچھا ہے۔"

"ضرور...... ضرور......" میں نے خوشدلی سے کہا۔

"آپ مجھے پتہ دے دیجیے۔"

اس نے ایک کاغذ پر اپنا پتہ لکھ کر مجھے دیا۔ گرم جوشی سے ہاتھ ملایا۔

"میں کل آپ کا منتظر رہوں گا۔"

"بے فکر رہیے میں زیادہ انتظار نہیں کرواؤں گا آپ کو۔"

وہ رخصت ہو کر جانے کے لیے مڑا لیکن فوراً ہی کوئی خیال آیا اور دوبارہ میری طرف پلٹ کر اس نے دریافت کیا۔

"آپ کے رسالے کی اشاعت کتنی ہے۔"

یہ وہ سوال ہے جو ہر رسالہ کے ایڈیٹر کو چکرا کر

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

رکھ دیتا ہے اور سفید جھوٹ بولنے پر مجبور بھی کرتا ہے۔ اگر میں سچ بول دیتا تو یہی ہوتا کہ ملک احسان میرے ہاتھ سے وہ کاغذ چھین کر پھاڑ دیتا جس پر اس نے اپنا پتہ لکھا تھا۔ پھر وہ مجھے اپنے گھر بلانے کی دعوت تختی سے منسوخ کرتا' میرا مذاق اڑاتا' میرے پرچے کی شان میں گستاخیاں کرتا مجھے شرمندہ کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیتا اور با آواز بلند وہاں پر موجود دیگر لوگوں کو بتاتا کہ میں ماہنامہ ترانہ کا چیف ایڈیٹر ہوں اور میرے رسالے کی سرکولیشن کتنی ہے۔ یہ انکشاف ہونے کے بعد میرا وہاں کھڑا ہونا دوبھر ہو جاتا میں شرم سے پانی پانی ہو کر وہاں سے چل دیتا اور میرے پیچھے لاتعداد قہقہے میرا تمسخر اڑاتے رہتے۔

لہٰذا ان سب سے بچنے کا آسان طریقہ ایک سفید جھوٹ تھا جو میں نے ایسے بولا کہ کوئی سچ بھی کیا بولے گا۔ اپنے رسالے کی سرکولیشن حقیقت سے دس گناہ زیادہ بتائی۔ خود بھی ایک طرح کی تسکین محسوس کی اور ملک احسان کو بھی مسرور کر دیا۔ جھوٹ بولنے میں میرا کوئی قصور نہ تھا۔ ایسے سچ سے جو تباہی پھیلا دے وہ جھوٹ بہتر ہے جس سے طمانیت قلب حاصل ہو اپنے لیے بھی دوسروں کے لیے بھی...... رسالے کی سرکولیشن کے بارے میں ایسا جھوٹ بولنا ویسے بھی قصور نہیں دستور ہے۔

دوسرے روز صبح سے میری بیوی کو دردِ زہ شروع ہو گیا اور مجھ پر ایسی پریشانی طاری ہوئی کہ میں ملک احسان تو کیا اپنے آپ کو بھی فراموش کر بیٹھا۔ شام کو صاحبزادے کی ولادت ہوئی۔ اس طرف سے اطمینان ہوا تو مجھے اپنی اور ملک احسان کی مجوزہ ملاقات یاد آئی۔

رات نو بجے کے قریب میں ملک احسان کے دیے ہوئے پتے پر پہنچا تو معلوم ہوا کہ وہ ساڑھے آٹھ بجے کی گاڑی سے سکھر روانہ ہو چکا ہے۔ مجھے بے حد مایوسی ہوئی لیکن اب ہو بھی کیا سکتا تھا۔ ملک احسان کو اپنے جادو بھرے الفاظ اور تعریف و تحسین سے مرصع جملوں میں اُلجھاتے وقت میں ایسا مدہوش ہو گیا تھا کہ اس کا سکھر کا ایڈریس لینا بھی بھول گیا اور اس کی ضرورت بھی کیا تھی اگلے دن کی ملاقات تو طے ہی ہو گئی تھی۔ میں بے بسی سے ہاتھ مل کر رہ گیا۔

خیالوں ہی خیالوں میں ملک احسان کے نام اور تحریروں کی بدولت میرے پرچے کی اشاعت و فروخت میں جو ہزار دو ہزار کا اضافہ ہو گیا تھا وہ واپس اپنی اوقات پر آ گیا۔ سارے پروگرام جھاگ کی مانند بیٹھ گئے جو میں نے آئندہ کے لیے بنائے تھے۔ میرا ارادہ تھا کہ ملک احسان سے معاہدہ کرنے اور اس کی تخلیقات شائع کرنے کے دوران میں اس کی خوب پبلسٹی کروں گا اور اپنے پرچے کے ٹائٹل پر اس کا نام دوں گا تاکہ اس کے پرستار میرا یہ مریل اور پھیکا رسالہ خریدنے پر مجبور ہو جائیں۔

اس کے نام میں اتنی طاقت بہر حال تھی وہ ہر چند بہت کم لکھتا تھا لیکن معرکتہ آلارا لکھتا تھا اور اس کی تحریر ذہن پر نقش ہو کر رہ جاتی تھی۔ جن رسائل میں وہ لکھتا تھا اُن کی دن بدن بڑھتی ہوئی مانگ میں بہر طور ملک احسان کا بھی گہرا دخل تھا۔ ڈائجسٹوں میں لکھنے والوں کے انبوہ کثیر میں ملک احسان جیسے لکھنے والے معدودے چند تھے جن کی ہر کہانی پہلے سے بہتر اور اثر آفریں ہوتی تھی۔ ہر بار نیا موضوع زیر بحث ہوتا تھا اور جو اپنے قلم کا رخ مستقل مختلف اطراف میں موڑتے رہتے تھے۔ اس کا انداز بھی جداگانہ تھا اور تحریر پڑھ کر بوجھ لینا دشوار نہیں ہوتا تھا کہ اس کا خالق ملک احسان ہے اس کے قلم میں وہ فسوں اور الفاظ میں وہ نشہ ہوتا تھا کہ قاری بار بار اسی نشے کی طلب کرتا تھا۔ حیرت کا پہلو یہ تھا کہ اس کی کہانیاں کسی خاص حلقے تک محدود نہیں تھیں ہر قسم کے

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

لوگ اسے پسندیدگی کی سند بخش چکے تھے۔ کیا بچہ کیا بوڑھا کیا جوان کیا عورت کیا مرد اس کے موضوعات اور حروف کا چناؤ ایسا ہوتا تھا کہ ہر پڑھنے والا کسی نہ کسی رویے سے اس میں دلچسپی لیتا تھا۔

ایسے فریبی قلمکار چیدہ چیدہ ہوتے ہیں اور ملک احسان بھی ان میں شامل تھا۔ مجھے اپنے دام میں اس کے آنے اور نکل جانے کا بے حد افسوس ہوا اور میں اپنی بے چارگی پر کُڑھ کر رہ گیا۔ چند مہینے گزر گئے تھے کہ اچانک ایک دن مجھے اس کا خط ملا لکھا تھا کہ حال ہی میں اس نے دس اقساط پر مشتمل ایک ناول مکمل کیا ہے اور اس کی خواہش ہے کہ اس کا ناول ماہنامہ ترانہ ڈائجسٹ میں چھپے۔ پہلے تو مجھے اپنی آنکھوں پر اعتبار نہیں آیا اور میں نے دوبارہ اس کے خط کو بغور پڑھا۔ دوبارہ پڑھنے پر بھی وہی مضمون میری سمجھ میں آیا گویا وہ واقعی سنجیدہ تھا۔ میں نے ایک منٹ ضائع کیے بغیر اس کے خط کا جواب لکھا کہ اس کا ناول قسط وار شائع کرنا میری اور ترانہ ڈائجسٹ کی خوش قسمتی ہے نیز یہ کہ وہ اپنا ناول فوراً مجھے بھجوا دے۔ خط پوسٹ کرنے کے بعد میں بے تابی سے اس کے ناول کا انتظار کرنے لگا۔ پلٹی ہوئی بساط ایک مرتبہ پھر میرے حق میں ہو گئی تھی اور یہ طے تھا کہ ملک احسان کے ناول کی اقساط چھاپنے تک میرے ترانہ ڈائجسٹ کی اشاعت میں خاصی ترقی ہو جائے گی کم از کم دس شمارے تو ہر صورت میں ہاتھوں ہاتھ بکیں گے۔ اس کے آگے کی مجھے کوئی فکر نہیں تھی۔ ایک دفعہ رسالے کی کھپت بڑھ جائے تو ساری کسر پوری ہو جاتی ہے اور پھر سے مائل بہ زوال ہونے میں وقت لگتا ہے۔

جوابی خط لکھے آٹھ دن ہوئے ہوں گے کہ ملک احسان کی بھیجی ہوئی رجسٹری آ گئی میں اسے دیکھ کر باغ باغ ہو گیا۔ اب میں پورے وثوق سے کہہ سکتا تھا کہ ملک احسان نے مجھ پر مکمل بھروسہ کر لیا ہے اور میرے ساتھ تعاون کرنے پر آمادہ ہو گیا ہے۔

رجسٹری کھولی تو مجھے ملک احسان کی ذہانت کا قائل ہونا پڑا۔ اس نے پورا مسودہ نہیں بھیجا تھا صرف پانچ قسطیں روانہ کی تھیں اور خط لکھا تھا کہ میں ادھورا ناول پڑھ کر اسے اپنے فیصلے سے مطلع کروں اور معاوضے کا تعین بھی کر دوں۔ پانچ قسطیں میں نے ایک ہی نشست میں پڑھ ڈالی تھیں لیکن فوری جواب دینے سے دانستہ گریز کر رہا تھا در اصل میں یہ اظہار نہیں کرنا چاہتا تھا کہ میں بہت زیادہ ضرورت مند ہوں اور اس کی تحریر کے بغیر میرا گزارہ محال ہے دوسرے یہ کہ گیند میرے کورٹ میں آ چکی تھی۔ ہر چند کہ اس کا آدھا ناول میرے پاس بیکار تھا مگر بقیہ نصف جو اس کے پاس تھا وہ اس کے لیے فضول تھا۔ میرا پلہ ہر لحاظ سے بھاری تھا اس لیے تشویش کا شکار ملک احسان تھا اور میں اسے مزید مبتلائے کوفت رکھنا چاہتا تھا تاکہ اسے اپنی بے ثباتی پر یقین ہو جائے اور وہ آئندہ میرے لیے کارآمد ثابت ہوتا رہے۔ چونکہ وہ میلوں دور بیٹھا تھا اور مقامی مصنفین کی طرح وقت بے وقت میرے سر پر مسلط نہیں ہو سکتا تھا اس لیے اب یہ میرے اختیار میں تھا کہ اسے کب جواب دوں۔ خط و کتابت کس نہج پر کروں اور سودا کس بھاؤ طے کروں۔

اس قسم کے دور پار رہنے والے مصنفین مجھے دل و جان سے پیارے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ ان کی باگ دوڑ میرے ہاتھوں میں رہتی ہے اور ان کے کل پرزوں کو اپنی مرضی کے مطابق چلا سکتا ہوں اور ان کی طعن و تشنیع کا نشانہ بننے سے بھی محفوظ رہتا ہوں جبکہ مقامی مصنفین بوقت ضرورت مجھ پر دھاوا بولتے رہتے ہیں اور کوئی بات خلاف طبیعت ہونے پر دل کی بھڑاس بھی مجھ پر ہی نکالتے ہیں مگر ایسا بہت کم ہوتا ہے اس لیے کہ میں ایک ذہین اور مردم شناس آدمی ہوں، موقع محل سمجھتا ہوں اور ہر شخص سے اس

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

کی اوقات و استطاعت کے حساب سے سلوک کرتا ہوں۔

میں نے تقریباً ایک مہینہ خاموشی سے گزار دیا اس اثناء میں ملک احسان کے چار خطوط آچکے تھے میری خاموشی نے اسے کافی فکر مند کر دیا تھا اس کا پانچواں خط از حد غیض آلود تھا۔ اس نے صاف صاف لکھ دیا تھا کہ میں اس کا ناول واپس کردوں۔ اب کے میں نے چپ رہنا مناسب نہ سمجھا اور بڑے پیار محبت سے اسے سمجھایا کہ ادارے کے دوسرے ارکان یکے بعد دیگرے اس کا ناول پڑھ رہے ہیں اور سب کی متفقہ رائے پر ہی فیصلہ ہوگا اور اس میں زیادہ دیر نہیں لگے گی۔ وہ قطعاً تردد نہ کرے۔ اس کو اپنی 'مٹھی' میں رکھنے کی غرض سے میں نے یہ بھی لکھ دیا کہ ہم وہی معاوضہ اس کی خدمت میں پیش کریں گے جو کہ دوسرے رسائل اسے دے رہے ہیں لیکن ہمیں یہ خبر نہیں ہے کہ وہ کتنی رقم دے رہے ہیں لہٰذا وہ فوراً ہمیں معاوضے کی بابت تحریر کرے تاکہ اس کا معاوضہ روانہ کیا جاسکے۔

میرے خط کا خاطر خواہ اثر ہوا۔ ملک احسان نے اپنے گزشتہ تلخ رویے کی معافی مانگی اور معذرت کی کہ وہ مجھے غلط سمجھا تھا۔ دوسرے رسالے اسے ہزار روپے فی افسانہ کے حساب سے معاوضہ دے رہے تھے۔ اپنے بیان کے ثبوت میں اس نے ایک رسالے کی جانب سے روانہ کردہ منی آرڈر کا کاغذ بھی بھیجا تھا۔

اس کے اوپر اپنا بہترین تاثر جمانے کے لیے میں نے پندرہ سو روپے کا چیک اسے بھیج دیا ساتھ ہی یہ بھی احسان جتایا کہ ہمارا یہ طریقہ نہیں ہے کہ اشاعت سے قبل معاوضہ دیا جائے مگر ملک احسان کے ساتھ خاص رعایت برتی جارہی ہے اور یہ کہ اس کا ناول اگلے مہینے سے اشاعت پذیر ہونا شروع ہوگا اس لیے وہ بقیہ نصف مسودہ بھی ہمیں جلد ارسال کر دے۔ چیک ملنے کی رسید آگئی اور ملک احسان کا شکریہ بھی مگر پورے خط میں بقیہ نصف مسودے کا کوئی ذکر نہ تھا۔ مجھے بہت غصہ آیا۔ شاید وہ یہ ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ وہ ایک زیرک آدمی ہے اور ترپ کا پتہ آخر تک اپنے ہاتھ میں رکھنے کا ارادہ کیے ہوئے ہے۔ پھر مجھے خیال آیا کہ ہوسکتا ہے ایک قسط چھپنے کے بعد اسے یہ اطمینان ہوجائے کہ اس کا ناول اسی کے نام سے چھپ رہا ہے اور کسی قسم کا کوئی دھوکہ اس کے ساتھ روا نہیں رکھا جارہا تو پھر وہ بقایا مسودہ مجھے بھیج دے۔

ایسا نہ ہوا...... اس کے ناول کی پہلی قسط شائع ہوگئی اور ہاتھوں ہاتھ لی گئی میں نے پھر تقاضہ کیا کہ جتنی جلد ممکن ہوسکے مسودہ رجسٹری کردو لیکن کوئی جواب نہ آیا سیدھی انگلیوں گھی نہ نکلے تو انگلیاں ٹیڑھی کرنی پڑتی ہے مگر انگلیاں ٹیڑھی کرنے سے کہیں بہتر ہے کہ چمچہ استعمال کرلیا جائے۔

اس طریقے سے بہت سارا گھی بغیر کسی تکلیف کے نکل آتا ہے نہ انگلیاں زخمی ہوتی ہیں نہ گھی خراب ہونے کا احتمال رہتا ہے اور...... زبان سے بڑھ کر خوبصورت اور پُرفریب چمچہ آج تک دنیا کا کوئی سائنس دان ایجاد نہ کرسکا گوکہ یہ چمچہ سب کے پاس ہوتا ہے لیکن اس سے کام لینا ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔ میں نے تہیہ کرلیا کہ اسی چمچہ سے گھی نکالوں گا۔

سکھر کا تکلیف دہ سفر تو اختیار کرنا پڑا لیکن گھی نکل آیا۔ ملک احسان سے اس کے گھر پر ملتے ہوئے مجھے بہانہ کرنا پڑا کہ سکھر میں میرے چند عزیز رہتے ہیں اور ان ہی میں سے ایک کی وفات مجھے یہاں کھینچ لائی ہے۔ عجلت میں ہونے کے باعث میری واپسی فوری ہونا ہے اور میں بدقت تمام تھوڑا سا وقت

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

نکال کر بطورِ خاص ملک احسان سے ملنے چلا آیا ہوں۔ یہ بات کسی حد تک درست بھی تھی۔ سکھر میں میرے رشتے دار تو نہ تھے نہ ہی کسی کی موت ہوئی تھی۔ البتہ میرا دورہ سکھر خالصتاً کاروباری نوعیت کا تھا۔ چند کتب فروشوں سے ملنا تھا کسی کو کمیشن دینا تھا تو کسی سے وصولی کرنی تھی۔

ملک احسان پر میری چرب زبانی کا حسب توقع اثر ہوا۔ وہ میری پذیرائی میں بچھ گیا اور ایسا ہونا بھی چاہیے تھا' کسی مصنف کے گھر رسالے کے چیف ایڈیٹر کا بنفسِ نفیس جانا بڑی اہمیت رکھتا ہے خصوصاً جب مصنف کوسوں دور کا باشندہ ہو...... ملک احسان کی باچھیں کھلی پڑ رہی تھیں اس کی پوری کوشش تھی کہ کھانے پینے سے متعلق ہر الم غلم چیز میرے پیٹ میں گھسیڑ دے۔ گنجائش تو باقی نہ بچی تھی لیکن مجھے اس کے بے حد اصرار پر رات کا کھانا اس کے ساتھ کھانا پڑا۔ میری دو دھاری زبان سرعت سے اپنے فرائض کی ادائیگی میں مشغول تھی۔ کھانے سے فارغ ہو کر میں نے سرسری طور پر ذکر کیا کہ یہ اچھا موقع ہے اگر ملک احسان اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے ناول کا بقیہ نصف مسودہ بھی میرے حوالے کر دے تو سپردِ ڈاک کرنے کی زحمت سے بچ جائے گا۔ مسودہ بھی محفوظ کا محفوظ اپنے صحیح ٹھکانے پر پہنچ جائے گا۔ ڈاک کے مرحلوں سے گزرنے کے دوران رجسٹری کھو جانے کا امکان بھی میں نے لاپرواہی سے اس کے گوش گزار کر دیا اور اس اندیشے سے بھی آگاہ کر دیا کہ اگر خدانخواستہ ایسا ہو گیا اور بقایا مسودہ ڈاک کی نذر ہو گیا تو نہ صرف قارئین کو مایوسی ہوگی بلکہ ملک احسان کی ساکھ اور شہرت کو ناقابل تلافی گزند پہنچے گی۔ نتیجہ میری مرضی کے عین مطابق نکلا اور اس نے بلا کسی پس و پیش کے باقی آدھا ناول بھی مجھے سونپ دیا۔ وہ مہمان نوازی میں اتنا غرق تھا کہ اس نے نہ تو معاوضے کا مطالبہ کیا نہ یہ پوچھا کہ میں اُسے چیک کب تک بھیج دوں گا نہ ہی اور کوئی استفسار کیا جو ایسے مواقع پر کیے جاتے ہیں۔ وہ پوری طرح مجھ پر ایمان لا چکا تھا اور اس کے دل پر میرے حسنِ سلوک کا نقش اتنا گہرا ہو چکا تھا کہ اسے مٹانا جوئے شیر لانے کے مترادف تھا۔ میں دل ہی دل میں خوش ہو رہا تھا اور اپنی زبان کا معترف بھی جس کا خاطر خواہ استعمال میرے لاتعداد مسائل چٹکی بجاتے حل کر دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اپنے پورے ڈھانچے میں مجھے سب سے زیادہ پیار اپنی زبان سے ہے اور میں اس کا احترام بھی کرتا ہوں۔

☆......☆......☆

ماہنامہ ترانہ ڈائجسٹ شائع ہوتا رہا۔ اب اس کی سرکولیشن پہلے سے بڑھ گئی تھی۔ ملک احسان کا سلسلہ وار ناول بہت پسند کیا جا رہا تھا۔

پانچ قسطیں پوری ہو گئیں تو اس کا خط آیا جس کا لب لباب یہ تھا کہ پہلی قسط کا معاوضہ چیک کی شکل میں بھیجا گیا تھا وہ پورے ہو گئے ہیں۔ اب آئندہ آنے والی اقساط کا معاوضہ اسے روانہ کر دیا جائے۔ میں نے خط پڑھا اور بے شمار دوسرے فضول خطوں کے ساتھ ردی کی ٹوکری میں ڈال دیا۔ پھر تو ملک احسان نے ڈاک بٹھا دی خطوط کا تانتا بندھا ہوا تھا۔ میں نے اس کے تقاضوں کو قابل اعتنا نہ سمجھا مجھے خبر تھی کہ وہ اپنی تعلیمی اور کاروباری اُلجھنوں سے اتنی فرصت نہیں پاتا کہ صرف اس مقصد کے لیے کراچی آئے اور اگر آ بھی گیا تو مجھے اپنی زبان پر پورا اعتماد تھا جس کی فنی بلندیوں کی بنا پر آئے دن ملک احسان جیسا معاملہ رکھنے والے مصنفین کو جھانسے دیتا رہتا تھا اور وہ لوگ ناراض بھی نہیں ہونے پاتے تھے۔

ہاں میں نے اتنا ضرور کیا تھا کہ ملک احسان کے ہر چار پانچ مکتوبات کے جواب میں ایک انتہائی

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

پُر درد اور قابل رحم مضمون پر مشتمل خط اسے لکھ دیتا تھا جس میں ادارے کے محدود وسائل کا رونا ہوتا تھا اور اپنی تنگ دستی کا گلہ ہوتا تھا اور قسمت سے شکوہ ہوتا تھا مگر وعدہ بھی ہوتا تھا کہ ہم بہت جلد آپ کا قرض اتار دیں گے بس ہمارے ناگفتہ بہ حالات درست ہونے کی دیر ہے۔ یہ وہ راگ ہے جو رسالے کا مالک مروجہ اصولوں کے تحت الاپتا رہتا ہے اور لکھنے والوں پر اُلو کی لکڑی پھیر پھیر کر اپنا اُلو سیدھا کرتا رہتا ہے میں یہ کر رہا تھا تو کیا برا کر رہا تھا۔ زمانے کا ساتھ دے رہا تھا اور ان ہی راستوں پر چل رہا تھا جو میرے ہم پیشہ حضرات نے اپنائے ہوئے ہیں۔

ملک احسان کے خطوں کی یلغار میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔ غالباً وہ سب کچھ بھانپ گیا تھا۔ رفتہ رفتہ اس کے خط کا مضمون تلخ سے تلخ تر ہوتا گیا آنے والا ہر ملفوف پہلے سے زیادہ تیز و تند لہجہ رکھتا تھا۔ نوبت یہاں تک آ گئی تھی کہ اس کے مکتوب ناقابل برداشت ہو چکے تھے۔ عام حالات میں شاید کبھی میں ایسا مضمون برداشت نہ کرتا لیکن مجبوری تھی صبر کرنا ہی تھا۔ دودھ دینے والی بکری کی لاتیں بھی کھانا پڑتی ہیں۔

میں خون کے گھونٹ پی کر دل پر صبر کی ٹھنڈی سل رکھ کر پورے خلوص سے اسے جواب لکھ دیتا اور ہر مرتبہ کوئی نہ کوئی نیا دُکھڑا سنا دیتا۔ کبھی کاغذ کی بلیک مارکیٹنگ کا افسانہ گھڑ بھیجتا۔ کبھی سنسر شپ پر اپنی تباہ حالی کا الزام ڈال دیتا اور کبھی کتب فروشوں کے بڑھتے ہوئے کمیشن کا سہارا لیتا۔

وہ مجھ پر ذرا بھی رحم کھانے پر تیار نہ تھا۔ اب تو اس نے صاف صاف لکھنا شروع کر دیا تھا کہ میں جھوٹ پر جھوٹ بولے جا رہا ہوں اور میرے بہانے بے اثر ہو چلے ہیں اور وہ میری کسی بات پر یقین نہیں کر سکتا نیز یہ کہ اس نے مجھ پر بھروسہ کر کے غلطی کی ہے اور وہ مجھے اس قدر نیچ، گھٹیا اور بدنیت آدمی نہیں سمجھتا تھا۔

آنے والا ہر خط میرے غم و غصے کی آگ کو مزید بھڑکا دیتا۔ مجھے امید نہ تھی کہ وہ اتنا غصیلا اور بدتہذیب ہو جائے گا۔

اس کا لفافہ کھولتے ہی مغلظات کا ایک بدبودار چشمہ خط میں سے ابل پڑتا تھا۔ ابھی تک میں پُرامید تھا کہ اسے رام کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔ ویسے بھی اس کا مکمل ناول میرے پاس موجود تھا اور ایسی صورت حال میں مصنفین ذرا احتیاط سے کام لیتے ہیں اور ایڈیٹر سے ناراضگی کا خطرہ مول نہیں لیتے مگر ملک احسان تو عجب اوندھی کھوپڑی کا آدمی تھا اسے کسی قسم کی کوئی پرواہ کوئی فکر نہ تھی مجھے بے نقط لکھے چلا جا رہا تھا۔

مصیبت یہ تھی کہ میں اس کا مطالبہ پورا بھی نہیں کر سکتا تھا۔ مجھے تو اپنے رسالے میں بلا معاوضہ لکھوانے کی عادت تھی کوئی بہت زیادہ پیچھے پڑتا تو چند سو روپے پکڑا کر جان چھڑا لیتا تھا۔ اگر ملک احسان کو اتنی بھاری رقم کی فراہمی میری جانب سے ہو جاتی تو اول تو یہ کہ میں اس خسارے کو نہیں سہہ سکتا تھا دوئم یہ کہ ادائیگی کی شہرت ہو جانے کا بھی خطرہ تھا جو اس پر منتج ہوتا اور بالآخر مجھے یہ پیشہ ترک کرنا پڑتا جو مجھے منظور نہیں تھا۔ پیشہ وہ ترک کیا جاتا ہے جس میں نقصان ہو۔ فی الحال تو یہ تھا کہ ہم بھاری معاوضے کے طلب گار کو یہ کہہ کر ٹال دیتے تھے کہ ہمارے ہاں کسی کو اتنا کثیر سرمایہ نہیں دیا جاتا اور یہ سچ بھی تھا۔ پورے کاروبار میں محض یہ ایک اکلوتا سچ موجود تھا۔

ملک احسان کے بے ہودہ رویے نے مجھے اتنا زچ کیا کہ میں نے تنگ آ کر اُسے پھوٹی کوڑی بھی نہ دینے کا فیصلہ کر لیا۔ میرے اندر کا ضدی چیف

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

ایڈیٹر زوردار انگڑائی لے کر بیدار ہو چکا تھا۔ ملک احسان نے اب تک میری شرافت کو کمزوری پر محمول کرتے ہوئے تمام اخلاق و ادب بالائے طاق رکھ دیے تھے اور سمجھ رہا تھا کہ تلخ و ترش خط لکھ کر مجھ پر فتح حاصل کر لے گا۔ اپنے گھمنڈ میں اسے یہ خیال بھی نہ آیا کہ کوئی فنکار کتنا ہی بلند و قوی ہو جائے رسالے کے ایڈیٹر سے ٹکرانے کی طاقت پھر بھی نہیں رکھتا۔ یہ تجربے کی باتیں تھیں اور ملک احسان کا تجربہ ابھی مختصر تھا اس نے صرف تحسین و آفرین کے نعرے سنے تھے پھبتیوں سے آشنا نہیں ہوا تھا۔ اب تو اس نے کھلے بندوں کہنا شروع کر دیا تھا کہ میں اس کا ناول اُسے واپس کر دوں۔ پاگل نے یہ غور نہیں کیا کہ اگر واپسی ہی مقصود ہوتی تو ناول اس سے لیتا ہی کیوں۔

☆......☆......☆

میں اپنے دفتر میں بیٹھا چائے کی چسکیاں لے رہا تھا کہ زمین ہلنے لگی۔ ملک احسان طوفان بادوباراں کے مثل اندر داخل ہو رہا تھا پہلی نظر میں اسے دیکھ کر اس کے اشتعال کی پیمائش کی جا سکتی تھی۔ اچانک اسے اپنے سامنے طیش میں بھرا دیکھ کر میرے حواس مختل ہو گئے مگر میں نے پلک جھپکتے میں ان پر قابو پالیا اور اپنے چہرے پر وہ تاثرات طاری کر لیے جو کسی یارِ غار سے دفعتاً ملاقات پر بے ساختہ طاری ہو جاتے ہیں۔

''میں کہتا ہوں......''

ان تین الفاظ سے زیادہ میں نے ملک احسان کی زبان سے کچھ نہ نکلنے دیا اور جھپٹ کر والہانہ بغلگیر ہو گیا میری یکلخت گرم جوشی اور وہ بھی اتنی بڑی ہوئی اسے بوکھلا گئی۔ پے در پے چار پانچ بوسے لینے کے بعد میں نے اس سے پوچھا۔

''چندا...... آنے کی اطلاع تو دی ہوتی میں اسٹیشن پر آ جاتا۔'' میں نے اسے زبردستی کرسی پر بٹھا دیا اور چپڑاسی کو ٹھنڈی بوتل لانے کے لیے روانہ کر دیا۔

''بس ایک دم ہی پروگرام بن گیا تھا۔'' اس کے تنے ہوئے اعصاب آہستہ آہستہ ڈھیلے پڑ رہے تھے۔ میرے اظہارِ محبت و اخوت نے مثبت اثر ڈالا تھا۔

''کہو کب آئے؟'' میں نے ایسے پوچھا جیسے میں شدتِ فراق میں اس کی راہ تکتے تکتے اندھا ہونے کے قریب تھا۔

''کل ہی آیا ہوں اور کل صبح جا رہا ہوں۔'' اس کے لہجے میں سرد مہری کا عنصر غالب تھا۔

''صبح سے فون کر رہا ہوں آپ کے دفتر سے کوئی اٹھاتا ہی نہیں، یہ کیا ہو رہا ہے؟''

''ٹیلی فون کی گھنٹی بجے تو کوئی اٹھائے بھی۔''

میں نے افسوس سے ٹیلی فون کے آلے کو دیکھا۔

''ہائیں گھنٹی ہی نہیں بجی۔'' اس نے بے یقینی سے کہا۔

''نہیں......'' میں نے مایوسی سے سر ہلایا۔

''کیوں؟''

''اس لیے کہ ٹیلی فون بل کی ادائیگی نہ ہونے کی پاداش میں کٹ چکا ہے۔''

''اوہ......''

''بہت ممکن ہے آئندہ جب آپ تشریف لائیں تو اس دفتر میں آپ کو کوئی اور براجمان ملے۔'' میں آنے والے مرحلے سے نمٹنے کے لیے، ابھی سے راہ ہموار کر رہا تھا۔

''کیا مطلب؟''

میں نے کئی گز لمبی ٹھنڈی یخ سانس لی اور بولا۔

''دفتر کا کرایہ مجھ پر اتنا چڑھ چکا ہے کہ مالکِ دفتر کی برداشت کسی بھی دن جواب دے سکتی ہے اور

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

وہ ہمارا سامان اُٹھا کر باہر سڑک پر پھینک سکتا ہے۔"
اس نے کچھ نہ کہا اور خاموشی سے دفتر کا جائزہ لیتا رہا۔ اسی اثنا میں چپڑاسی مشروب کی بوتل لے آیا اور ملک احسان اس سے شغل کرنے لگا۔
میں مسلسل اپنی زبان کا کثرت سے استعمال کررہا تھا اور الفاظ کے شکنجے اس کے گرد کسنے میں لگا ہوا تھا۔ اچھی بھلی بک بک کا بھی کوئی خاطر خواہ نتیجہ برآمد ہوتا نظر نہیں آرہا تھا۔ ملک احسان کا چہرہ ہر قسم کے احساسات سے عاری تھا اور آنکھوں میں اجنبیت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ میں حتیٰ الامکان اسے اپنے آگے بولنے کا موقع فراہم کرنے سے احتراز کررہا تھا لیکن آخر کب تک...... بولتے بولتے میرے جبڑے دکھنے لگے اور میں ستانے کے لیے ذرا کی ذرا رکا تو وہ بول پڑا۔
"اکمل صاحب براہ کرم میرا ناول آپ مجھے لوٹا دیں۔"
وہی ہوا جس کا اندیشہ تھا۔ میری تمام زبانی محنت اکارت ہوتی دکھائی دی۔ ملک احسان نے بے مروتی سے وہی کہہ دیا تھا جس کا مجھے خطرہ تھا۔ میں نے حوصلہ نہیں ہارا اور ریشہ خطمی ہوتے ہوئے پوچھا۔
"ملک صاحب...... اگر ہم غریبوں سے کوئی شکایت ہے تو حکم دیجیے ہم ہر قسم کی خدمت کو تیار ہیں۔"
"آپ نرے فراڈ ہیں۔" وہ یک بیک آپے سے باہر ہوگیا۔
"ناول حاصل کرنے سے پہلے آپ نے مجھے خوب بے وقوف بنایا اور مطلب نکلتے ہی طوطا چشم بن گئے۔ میں کتنے ہی خط لکھ چکا ہوں۔ نہ آپ کوئی مدلل جواب دیتے ہیں نہ ناول واپس کرتے ہیں اور نہ معاوضہ ادا کرتے ہیں۔ مجھے آپ سے یہ توقع نہ تھی۔"
"بس اتنی سی بات۔" میں نے بمشکل تمام خود پر قابو پاتے ہوئے ایسے کہا جیسے اس نے مجھ سے چٹکی بجانے کی فرمائش کی ہو۔
"کمال ہے ملک صاحب اتنی سی بات پر اتنا غصہ...... چچ چچ...... اب آپ خود ہی دیکھیے ہر خط کا جواب پابندی سے دینا بوجہ مصروفیت ممکن نہیں۔ ناول آپ نے ہمیں دیا۔ آپ کی نوازش ہے۔ اسے ہم شائع بھی کررہے ہیں یہ تو ہمارے لیے ایک اعزاز ہے کہ آپ جیسے بلند پایہ مصنف کی تحریر ہمارے ترانہ ڈائجسٹ کی شان میں اضافہ کرے' رہا سوال معاوضے کا تو بہت جلد آپ کی خدمت میں پیش کردیا جائے گا۔"
"یہی تو میں پوچھتا ہوں کہ وہ بہت جلد کب آئے گی۔" اس نے تنتنا کر کہا۔
"آپ مجھے ابھی معاوضے کا چیک دے دیجیے۔"
نئی صورت حال نے مجھے گڑبڑا دیا۔ میں نے اسے سمجھایا۔
"دیکھیں فی الوقت ہمارے مالی حالات دگرگوں ہیں۔ فون کٹ چکا ہے کرائے کی ادائیگی کرنے کے قابل بھی ہم نہیں ہیں کچھ نہ پوچھیے کہ کیسی کیسی مشکلات میں ترانہ ڈائجسٹ نکل رہا ہے۔"
"گویا آپ مستقل نقصان اٹھا رہے ہیں۔" اس نے آہستہ سے کہا شاید اُسے ترس آ گیا تھا۔
"بالکل......!"
"رسالے کے علاوہ آپ کیا کام کرتے ہیں۔"
"کچھ بھی نہیں۔ اتنی فرصت ہی نہیں ملتی کہ کچھ اور کیا جائے رسالے کے جھمیلے کم تو نہیں ہوتے۔"
"آپ مصلحتاً جھوٹ بولتے ہیں یا عادتاً؟"
"کیا فرمایا آپ نے...... میں سمجھا نہیں۔" میں

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

اُلجھ گیا تھا۔

''خسارے کا کاروبار احمق سے احمق آدمی بھی نہیں کرتا۔ اگر آپ کو ترانہ ڈائجسٹ سے نقصان کے سوا کچھ حاصل نہیں ہو رہا تو خدارا اسے بند کر دیجیے کل بند کرنے کا ارادہ ہو تو آج بند کر دیجیے۔ چار پیسے بچ رہے ہیں تو بچا لیجیے۔'' اس کی زبان طنز کے زہریلے تیر اُگل رہی تھی۔

عجیب مشورہ ہے آپ کا ہمیں تسلی دینے کے بجائے ترانہ ڈائجسٹ کو بند کرنے کے لیے کہہ رہے ہیں۔'' میں نے دفاع کرتے ہوئے کہا۔

''اکمل صاحب...... آخر آپ مجھے عقل و ہوش سے خارج کیوں سمجھتے ہیں۔ ترانہ ڈائجسٹ ہی آپ کا کُل وقتی ذریعہ معاش ہے اور اتنا میں بھی جانتا ہوں کہ کراچی جیسے شہر میں بود و باش رکھنے کے لیے کم از کم ہزاروں روپے ماہوار خرچ کرنا پڑتا ہے اور آپ تو اچھے بھلے قرینے سے رہتے ہیں۔ رسالہ بند کرنے کے حق میں بھی نہیں تو پھر آپ کے یہ ٹھاٹ باٹ کہاں سے آتے ہیں۔ کیا آپ کے لیے بطور خاص من سلویٰ اترتا ہے آسمان سے۔''

ملک احسان کے درشت لہجے نے میرے تن بدن میں آگ لگا دی لیکن یہ وقت بھڑکنے کا ہرگز نہیں تھا۔

''آپ تو شعلہ بنے ہوئے ہیں ملک صاحب...... ایک اور ٹھنڈی بوتل منگوانی پڑے گی۔'' میں نے چپڑاسی کو پکارا مگر وہ جلدی سے بولا۔

''میں دوسری بوتل نہیں پیوں گا۔''

میں نے اپنے اوسان مجتمع کیے اور کہا۔

''آپ یقین کیجیے آپ کا معاوضہ آپ کو ہر حال میں ملے گا۔ ہم اپنے قلم کاروں کی ناراضگی ہر صورت میں رفع کرتے ہیں۔ بس آپ کو پندرہ بیس دن انتظار کرنا ہوگا۔'' میں اسے ہر قیمت پر ٹالنا چاہ رہا تھا۔

''مجھے آپ کی صداقت پر شبہ ہے سنا ہے آپ اپنے لکھنے والوں کا معاوضہ پی جاتے ہیں' بلکہ اب تو یقین آتا جا رہا ہے۔''

''یہ صریحاً مبالغہ ہے کسی نے آپ کو بہکایا ہے۔'' میں نے ٹھوس عزم سے کہا گو کہ وہ سچ کہہ رہا تھا مگر مجھے کسی طور اس کا سچ نہیں ماننا تھا اور اپنا جھوٹ مسلط کرنا تھا۔

''جی نہیں...... دروغ گوئی آپ کر رہے ہیں۔ نازیہ مشتاق کا ناول عرصے سے آپ کے رسالے میں شائع ہو رہا ہے۔ اس بے چاری کی ناتجربہ کاری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے آپ نے پورا کا پورا ناول ہتھیا لیا اور اس کو ایک ٹیڈی پیسہ بھی نہیں دیا۔''

''نازیہ مشتاق آپ کو کہاں مل گئیں۔ وہ تو پشاور میں مقیم ہیں۔'' میں اس کے پینترا بدل بدل کر حملہ کرنے سے عاجز ہو چکا تھا۔

''میں پچھلے مہینے پشاور گیا تھا وہیں ان سے ملاقات ہوئی ان سے ہماری دور دراز کی عزیز داری ہے۔''

پہلے ہی اس نے میرے نتھنوں میں تیر دے رکھے تھے۔ اس نئے انکشاف نے اور کس بل ڈھیلے کر کے رکھ دیے۔ نازیہ مشتاق سے ملاقات کے سبب میرا کاروباری ہتھکنڈا اس نے پہچان لیا تھا اور یہی وجہ تھی اس کی چراغ پائی کی۔ میرا پول اس پر نازیہ مشتاق نے کھول دیا تھا۔ ایک لمحے کو میں سناٹے میں آ گیا مگر سنبھلنے میں تاخیر نہ کی اور فنِ چاپلوسی کے وہ گُر جو ابھی تک آزمائے نہ جا سکے تھے انہیں بروئے کار لانے کا فیصلہ کر لیا۔

''نازیہ مشتاق کے ناول کی قسطیں آپ پڑھتے ہیں؟'' میں نے اپنی گھبراہٹ ظاہر کیے بغیر پوچھا۔

''ہاں......''

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

''انصاف سے بتایئے کیا نازیہ مشتاق کی تحریر کا مقابلہ آپ کے فن پاروں سے کیا جا سکتا ہے۔''

''کیا...... ذرا وضاحت کریں۔'' وہ کچھ نہ سمجھا تھا۔

''اب آپ خود ہی دیکھیں۔ کہاں آپ کا ناول کہاں نازیہ مشتاق کا' آپ کی شہرت اور نازیہ مشتاق کی مقبولیت میں زمین آسمان کا تفاوت ہے۔ زمانہ گواہ ہے کہ ان خاتون کا قلم آپ کے قلم سے کہیں کم تر اور نو آموز ہے۔ کیا آپ میرے دعوے سے انحراف کر سکتے ہیں؟'' میں نے عیاری سے اس کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔ ہر انسان کی دکھتی رگ اس کی تعریف و توصیف کے طول طویل بیانات میں سے گزرتی ہے۔ اس نے کچھ نہ کہا اور بغور میری جانب متوجہ رہا۔

میں نے پھر کہنا شروع کیا۔

''مجھے یہ اعتراف کرنے میں کوئی عار نہیں کہ آپ زبان و بیان اور لفظوں کا کھیل کھیلنے میں یدطولیٰ رکھتے ہیں۔ لکھنے والوں کی کوئی کمی نہیں ہے لاتعداد لوگ قلم گھستے رہتے ہیں لیکن متاثر کن قلمکار چیدہ چیدہ ہی ہیں اور ان میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔'' وہ کان لگائے سن رہا تھا میں نے لمبی سانس پھیپھڑوں میں بھر کر بیان جاری رکھا۔

''آپ نے نازیہ مشتاق کی مثال دی ہے میں ایسے مصنفین کی مثالیں گنوانا شروع کروں تو جانے کتنے گھنٹے گزر جائیں جن کی تحریروں کو گھنٹوں کی عرق ریزی اور دماغ سوزی کے بعد قابل اشاعت بنایا جاتا ہے۔ اگر جوں کا توں چھاپ دیں تو کوئی ردی کے بھاؤ بھی پرچہ نہ خریدے نام لکھنے والوں کا ہوتا ہے اور اس کے پیچھے محنت ہماری ہوتی ہے۔ کریڈٹ ہمیں ملنا چاہیے کہ ہم بیشتر لکھنے والوں کی بے ربط تحریروں کو معیاری بنانے میں دن رات ایک کر دیتے ہیں۔ بہت سے افسانے تو اول تا آخر دوبارہ لکھنے پڑتے ہیں۔ اب آپ بتایئے کہ ایسے لوگوں کو معاوضہ دینا انصاف سے بعید ہے کہ نہیں۔ ہونا تو یہ چاہیے کہ وہ ہمارے شکر گزار ہوں کیونکہ ان کی شہرت میں ان کی صلاحیتوں سے بڑھ کر ہم جیسے خدمت گار دخیل ہوتے ہیں۔ آپ کا قصہ جدا ہے آپ کی کہانی میں قلم لگانے کی اور قطع برید کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ آپ اس میں کوئی گنجائش' کوئی جھول ہی نہیں چھوڑتے۔ رہا سوال معیار کا تو میں کچھ عرض کرنے کی جسارت کر ہی نہیں سکتا۔ قارئین نے آپ کو قبول عام کی سند بخشی ہے۔ آپ کی معیاری تحریریں ہر پہلو سے اس عزت افزائی کی مستحق بھی ہیں۔''

میری تقریر کے اختتام تک ملک احسان موم ہو چکا تھا تاہم اس نے مزاحمت کی۔

''آپ درست فرما رہے ہیں مگر آپ کا رسالہ کمرشل رسالہ ہے ادبی جریدہ نہیں کہ لوگ معاوضے کو صبر کر لیں۔ آپ جو کچھ چھاپتے ہیں اس کی قیمت دینا چاہیے۔ اگر مصنفین آپ کے معیار کے مطابق مواد نہیں بھیجتے تو آپ اس پر مغز ماری کیوں کرتے ہیں' کیوں قابل اشاعت بناتے ہیں واپس کر دیا کریں اور وہی مواد رکھا کریں جو آپ کی مرضی کے مطابق ہو۔''

''سمجھو میرے بھائی سمجھو۔'' میں نے انکساری برتی اور چاپلوسی کا دامن بھی ہاتھ سے نہ چھوڑا۔

''ایسے قلم کار ہیں کہاں...... آپ جیسے باصلاحیت تو اِکا دُکا ہیں۔ آپ کے کہنے پر عمل کروں تو پرچہ مشکل سے ایک یا دو افسانوں پر مشتمل ہو۔ اور یہ ممکن نہیں' میں ترانہ ڈائجسٹ کو پمفلٹ میں تبدیل نہیں کر سکتا۔''

''بہرحال یہ آپ کے کاروباری معاملات

www.urdusoftbooks.com

ہیں۔" اس نے ہتھیار ڈالتے ہوئے پہلی بار مجھ سے اتفاق کیا۔

"لیکن میرا معاوضہ مجھے ملنا چاہیے۔"

"میں نے کب انکار کیا ہے۔" میں نے کندھے اچکائے۔

"بس مجھے آپ قلیل سی مہلت دیجیے۔"

"تو پھر میں کب تک انتظار کروں۔" وہ جانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔

"حد سے حد پندرہ دن۔" میں نے استحکام سے کہا۔

"پھر سوچ لیجیے اکمل صاحب...... اس مدت میں اضافہ کرنا چاہئیں تو ابھی کر لیں اس کے بعد کیا ہوگا یہ بتانا میں قبل از وقت سمجھتا ہوں۔" اس نے ایسے لہجے میں مجھے متنبہ کیا جیسے متذکرہ مدت گزرتے ہی وہ مجھے پھانسی چڑھوا دے گا۔ میں نے پھر بھی درگزر کی اور اس کے لہجے کا قطعی نوٹس نہیں لیا۔

"آپ اطمینان رکھیں۔" ملک احسان رخصت ہوگیا میں اپنی منافقت پر عش عش پر اٹھ رہا تھا اور بیٹھ رہا تھا اس لیے کہ دوبارہ اٹھنا ہوتا تھا۔ جس باریکی سے میں نے اسے ٹالا تھا وہ میری خداداد صلاحیتوں میں سے ایک تھی۔ میں نے دعا کہ خدا میری زبان کو مزید توفیق و استقلال عطا کرے۔ ملک احسان کو میں نے جس فنکاری سے شیشے میں اتارا تھا یہ میری زبان کا ہی معجزہ تھا۔ اب وہ سکھر جا چکا تھا۔ آنکھ سے اوجھل ہو چکا تھا۔ آنکھ اوجھل پہاڑ اوجھل کا محاورہ تو آپ نے سنا ہی ہوگا۔

☆......☆......☆

میرا ماہنامہ ترانہ ڈائجسٹ شائع ہوتا رہا اور ملک احسان کا ناول بھی تیزی سے تکمیل کے مراحل طے کرتا رہا یہاں تک کہ یہ مراحل پورے ہوگئے۔ ناول اپنے اختتام کو پہنچا۔ آخری قسط بھی چھپ چکی تھی۔ ملک احسان سے میری ملاقات کو آٹھ دس ماہ بیت چکے تھے۔ دریں اثنا اس کا ایک خط بھی آیا تھا جس میں معاوضے کی ادائیگی کرنے کی یاددہانی تھی یہ خط بھی ردی کی ٹوکری نے ہضم کیا۔ میں پُرسکون و مطمئن تھا۔ اب وہ میرا کر ہی کیا سکتا تھا کھیل ختم ہو چکا تھا اور میں نے کامیابی حاصل کر لی تھی۔ لیکن بعض اوقات کھیل کے فیصلہ کن اختتام پر بھی دنگا فساد کھڑا ہو جاتا ہے اور گھمسان کا رن پڑ جاتا ہے۔

ملک احسان کے ناول کی آخری قسط شائع ہوئے ڈیڑھ مہینہ گزرا تھا کہ مجھے اس کے وکیل کی طرف سے نوٹس موصول ہوا۔ فتح مند اور ظفریاب ہونے کے بعد میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ ملک احسان ایسا ہلہ اٹھا دے گا۔ وکیل کے نوٹس نے میرے ہاتھوں کے طوطے اڑا دیے۔ نوٹس میں لکھا تھا کہ میں نے وکیل کے موکل ملک احسان سے معاہدے کی خلاف ورزی کی ہے اور اس کی رقم ادا نہ کرنے کی پاداش میں مجھے عدالتی کارروائی کا سامنا بھی ہوسکتا ہے۔ نوٹس کے ساتھ میرا وہ مکتوب منسلک تھا جس میں واضح طور پر میں نے لکھا تھا کہ ناول کی پہلی قسط کا معاوضہ پندرہ سو روپے کا چیک ارسال ہے اور بقایا رقم کی ادائیگی دیگر اقساط کی وصولی پر کی جائے گی۔

وکیل نے میرے خط کی فوٹو اسٹیٹ کاپی بھیجی تھی اور اصل خط اس کے پاس موجود تھا۔ مجھے توقع نہ تھی کہ ملک احسان نے میرے اتنے پرانے خطوط بھی جگر گوشہ سمجھ کر کلیجے سے لگائے ہوئے ہوں گے نہ ہی مجھے یہ امید تھی کہ وہ اتنا بڑا اور جامع قدم اٹھالے گا صرف چند ہزار روپے کی خاطر یہ نوٹس اس کی ضرم ضدا کا بین ثبوت تھا۔ عدالتی کارروائی میں خرچ

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

ہونے والا روپیہ ہر صورت میں ان چند ہزار روپے سے زائد ہی ہوتا ہے مگر ملک احسان نے اس پہلو پر کوئی توجہ نہیں دی تھی اور اگر دی تھی تو سرسری......
صاف ظاہر تھا کہ اس کے عزائم خطرناک ہیں اور وہ مجھ پر مقدمہ دائر کرنے سے دریغ نہیں کرے گا۔

حالات کی کج ادائیگی نے میری آنکھوں تلے اندھیرا پھیلا دیا۔ میرا دماغ ماؤف ہوگیا۔ یہ پہلا اتفاق تھا کہ ترانہ ڈائجسٹ کے چیف ایڈیٹر پر ایک مصنف نے عدم ادائیگی رقم کو بنیاد بنا کر مقدمہ کرنے کی دھمکی دی تھی۔ بلکہ میرا تو یہ خیال تھا کہ ادبی و صحافی دنیا میں یہ اپنی نوعیت کی پہلی مثال تھی۔ اگر ہر لکھنے والا ملک احسان کے نقش قدم پر چلنا شروع کر دیتا تو میری ساری زندگی پیشیاں بھگتتے ختم ہو جاتی اور مقدمات پھر بھی قائم رہتے۔

یقین کامل تھا کہ میرے لکھے ہوئے تمام خطوط ملک احسان کے پاس محفوظ ہوں گے جن میں نہ جانے کیا کیا لکھ بیٹھا تھا اور خود میرے تحریر کردہ الفاظ کا پھندا میری گردن دبوچنے کو کافی تھا۔

میں نے ہر زاویے سے نوٹس پر غور کیا بار بار پڑھا اپنے قانونی مشیر سے رائے لی لیکن بے سود...... کوئی سقم کوئی گنجائش نہ نکلی' کوئی نکتہ میرے حق میں نہیں جاتا تھا۔

نجات کا واحد راستہ یہی تھا کہ میں بلاتاخیر ملک احسان کو رقم کی ادائیگی کردوں۔ مقدمہ سے پہلو تہی کا خمیازہ بھگتنا ہی تھا۔ اگر پس و پیش کرتا اور مقدمہ بازی ہو جاتی تو نہ صرف میرے بند ہونے کے امکانات روشن تھے بلکہ ترانہ ڈائجسٹ کی رہی سہی مٹھی بھر ساکھ بھی خاک میں مل جاتی اور میں کہیں کا نہ رہتا۔

ملک احسان کو جھولی پھیلا پھیلا کر کوستے ہوئے میں نے فی الفور پندرہ سو روپے کا چیک اُسے بھیج دیا۔ ایسی ہزیمت میں نے کبھی نہ اٹھائی تھی اور نہ ہی تصور کیا تھا۔ میری کیفیت اس بھیڑیے کی سی تھی جسے طاقت ور شیر نے بری طرح زخمی کر دیا ہو اور بھیڑیا اپنی کم حیثیتی و ناتوانی کی وجہ سے مدمقابل کے قوی الجثہ ہونے کی حقیقت کو تسلیم کرتے ہوئے جوابی کارروائی چاہنے کے باوجود نہ کر سکتا ہو دور بے بسی سے اپنے زخم چاٹنے پر مجبور ہو۔

چاٹتے چاٹتے یہ زخم بھی مندمل ہوگیا۔ وقت سب سے اکسیر مرہم ہے اور اس مرہم کی تہیں چڑھتی جا رہی تھیں۔ تاہم بسا اوقات اس گہرے گھاؤ میں شدت کی ٹیسیں اٹھتی تھی۔ شکست خوردگی کی ٹیسیں' لاچارگی کی ہوک انتقام کی کسک' لیکن میں کر ہی کیا سکتا تھا سوائے اپنا سر پیٹنے کے......

☆......☆......☆

ماہنامہ ترانہ ڈائجسٹ مقررہ رفتار سے اپنی راہ پر گامزن تھا۔ ملک احسان کے ہاتھوں اٹھائی ہوئی شرمناک شکست نے مجھے پہلے سے بڑھ کر محتاط بنا دیا تھا۔ اب میں تحریری طور پر کسی بھی مصنف سے وہ بلند و بانگ دعوے کرنے سے گریز کرتا تھا جو کسی بھی لمحے میرے لیے مصیبت بن سکتے ہوں۔ یا آئندہ مجھے جھٹلانے میں معاون ثابت ہو سکتے ہوں۔ البتہ زبانی کار پردازیوں اور فتنہ طرازیوں سے میں باز نہیں آیا تھا اور نہ ہی ایسا کوئی ارادہ رکھتا تھا ورنہ یہی ہوتا تھا کہ اپنے زبانی وعدوں کو نبھانے کے عوض میرے تن کے کپڑے تک سر بازار فروخت ہو جاتے اور پھر ان وعدوں کو پورا کرنے کے لیے میرا کل اثاثہ میرے بدن کی بوٹیاں رہ جاتیں جنہیں کوئی خریدنے پر آمادہ نہ ہوتا اور وعدے بدستور باقی رہتے۔

کامیابی نے ملک احسان کے دماغ میں غالباً اچھی طرح خناس بھر دیا تھا وہ اسی گمان میں تھا کہ اب میں اس کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی ہوں جسے وہ

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

اپنی منشا کے مطابق پھر کا لے گا۔ بصورت دیگر اتنی خوبصورت اور اچھوتی کہانی مجھے بھیجنے کی کوئی تک نہ تھی۔ اس کے ذہن میں یہ خیال جڑیں گہری کر چکا تھا کہ وہ ہارے ہوئے گھوڑے کو اپنے اشاروں پر نچانے میں کامیاب ہو جائے گا۔ اس کی رجسٹری موصول ہوئی تو میں تلملا کر رہ گیا کہانی بھیجنے کے ساتھ اس نے معاوضے کا تعین بھی خود ہی کر لیا تھا اور بے طمطراق سے لکھا تھا کہ وہ اس کہانی کی قیمت چھ گزار روپے سے ایک پیسہ کم نہیں لے گا اور یہ کہ آج کل اس کی کہانیوں کے نرخ یہی ہیں اور اس کا مطالبہ جائز ہے۔ ماضی کے تعلقات کا کنایۃً بھی تذکرہ نہ تھا اور نہ ہی ان واقعات کی جانب کوئی اشارہ تھا جو وقوع پذیر ہو چکے تھے۔

اور میرے ذہن و دل کو تہہ تیغ کر چکے تھے۔ میں شش و پنج میں تھا بلاشبہ ملک احسان کا یہ عمل محیر العقل تھا یا پھر اس کی فاتر العقلی پر مہر تصدیق' اتنی کٹ حجتی اور رسہ کشی ہو چکی تھی کہ ہم میں اور عدالت میں تھوڑا ہی فاصلہ باقی بچا تھا۔ میں اپنی شکست کو بھی فراموش نہیں کر سکتا تھا اور وہ اپنی فتح کو اتنی جلدی بھول گیا تھا۔ انسانی نفسیات یہی ہے ہار عمر بھر کا وبال بن کر گھن لگاتی رہتی ہے اور جیت انبساط کی گنی چنی گھڑیاں عنایت کرتی ہے جن کا دورانیہ مختصر ہوتا ہے۔

گھنٹوں کی مغز پچی نے مجھے یہی باور کرایا کہ ملک احسان میری کم مائیگی اور احتیاط پسندی سے آگاہ ہو چکا ہے اور کامیابی کے نشے میں چور ہے۔ ایک بار مجھے مات دینے سے اس کا یہ یقین راسخ ہو چکا ہے کہ وہ خود ناقابل شکست ہے اور مجھ سے اپنا ہر مطالبہ منوانے پر قادر ہے۔

میں نے اس کی کہانی پڑھی اتنی عمدہ اور متنوع کہانیاں بہت کم تخلیق کی جاتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس نے اس کہانی کی چھ ہزار روپے قیمت بہت کم مقرر کی تھی اگر کسی بڑے کثیر الاشاعت پرچے میں دیتا تو منہ مانگے دام وصول کر سکتا تھا۔

میرے دل میں انتقام کے سانپ بل کھا کھا کر سر اٹھا رہے تھے اور اندر ہی اندر مجھے ڈنک مار رہے تھے۔ ملک احسان کے گھمنڈ اور غرور نے مجھے ایک بہترین سنہری موقع طشتری میں سجا کر پیش کر دیا تھا۔ اپنی شکست کا بدلہ لینے کا انمول موقع ملک احسان نے بذات خود مجھے فراہم کر دیا تھا۔ ہر چند کہ میرا یہ انتقام اس ذلت کا عشر عشیر بھی نہیں تھا جس سے ملک احسان مجھے دوچار کر چکا تھا۔ لیکن پھر بھی میں بھاگتے بھوت کی لنگوٹی سے ہاتھ دھونا نہیں چاہتا تھا۔

ہر پہلو کا بنظر غایت تجزیہ میں انتقام لینے سے پہلے ہی کر چکا تھا۔ جی چاہتا تھا کہ سڑکوں پر دیوانہ وار قہقہے لگاتا پھروں۔ میں اپنا انتقام لے چکا تھا اُسی ملک احسان سے جو احساس برتری میں اس قدر مدہوش ہو گیا تھا کہ اس نے احمقوں کی جنت میں رہائش اختیار کر لی تھی۔

☆......☆......☆

عدالت سے سمن موصول ہوا تو میں بھونچکا رہ گیا۔ مجھ پر یہ الزام تھا کہ میں نے ملک احسان کی کہانی اپنے نام سے ترانہ ڈائجسٹ میں شائع کر دی ہے۔ یہ الزام میری سمجھ سے بالاتر تھا۔ درست ہے کہ میں نے ملک احسان کی کہانی اپنے نام سے شائع کر دی تھی۔ کون سا غضب ہو گیا تھا۔ یہ تو میں اس سے قبل بھی کبھی کبھار کر لیتا تھا منہ کا ذائقہ بدلنے کو' طیش تو مجھے ملک احسان پر آ رہا تھا جو کسی نہ کسی طریقے سے مجھے عدالت کے بکھیڑوں میں اُلجھانا چاہتا تھا خواہ مخواہ کے چکر کٹوانا چاہتا تھا محض مجھے پریشان کرنے کی غرض سے' یقیناً اسے مقدمہ بازی سے دلی لگاؤ تھا

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

اور وہ نتائج سے بے خبر اپنی دھن میں مگن کانٹوں بھرے راستے پر ننگے پاؤں چلنے پر مصر تھا۔ مجھے اچھے بھلے ذہین مصنف سے اس حماقت کی امید نہیں تھی۔ اس بھلے آدمی کے پاس کوئی ٹھوس ثبوت نہ تھا کہ وہ کہانی جو میں نے اپنے نام سے چھاپی تھی اس کی ملکیت تھی۔ ہر مصنف کی تخلیق رسالے کے ایڈیٹر کی تحویل میں آتے ہی لاوارث ہو جاتی ہے اور یہ ایڈیٹر کی صوابدید پر منحصر ہوتا ہے کہ اسے کس طرح چھاپے اور کس کے نام سے چھاپے۔

یہ اعتماد کا سودا ہوتا ہے اور ایڈیٹر صاحبان مصنفین کے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچاتے۔ ایسا بہت کم ہوتا ہے جیسا میں نے ملک احسان کے ساتھ کیا تھا مگر ایسا بھی بہت کم ہوتا ہے جیسا ملک احسان میرے ساتھ کر چکا تھا۔ بلکہ ایسا تو ہوتا ہی نہیں۔

میرا خیال خام ہو گیا کہ ملک احسان میرے اس انتقام پر صبر کر کے بیٹھ جائے گا اور جان لے گا کہ حساب برابر ہو گیا۔ میں ہارا تھا تو میں نے چپ چاپ ہتھیار ڈال دیے تھے۔ اسے میں نے شکست دی تھی اور وہ قبول کرنے پر رضامند نہیں تھا گوریلا جنگ لڑنے پر تُلا ہوا تھا۔

عدالت سے سب ہی گھبراتے ہیں۔ میں بھی گھبرا رہا تھا صرف اس لیے کہ بلاوجہ وقت کا زیاں تھا یہ خوف نہیں تھا کہ فیصلہ میرے خلاف ہو گا لہٰذا بدنامی کا بھی ڈر نہیں تھا۔ میرا حریف کسی بنیاد پر عدالت کو قائل نہیں کر سکتا تھا کہ میں نے اس کی تحریر غصب کر کے جرم کا ارتکاب کیا ہے۔

ملک احسان نے مقدمے میں دس لاکھ روپے کا ہرجانہ بھی دائر کیا تھا میں اس کی یکے بعد دیگرے کی ہوئی بے وقوفیوں پر دل ہی دل میں مذاق اڑا رہا تھا۔ نوجوانوں کا ابلتا ہوا خون دماغ تک نہیں پہنچتا دل تک آ کے رہ جاتا ہے۔

☆......☆......☆

میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ ملک احسان نے بیچ عدالت میں ثبوت پیش کر دیا تھا جو چیخ چیخ کر اس کے حق میں گواہی دے رہا تھا۔ میری ٹانگوں میں سکت نہ رہی تھی۔ میرا وکیل مجھے سہارا نہ دیتا تو میں عدالتی کارروائی کے دوران ہی داغ مفارقت دے جاتا۔ قسمت نے ایسی دغا دی تھی کہ دھاڑیں مار کر رونے کو دل چاہتا تھا میں نڈھال ہو گیا اور بیٹھتا چلا گیا۔ دماغ میں بھانت بھانت کے سوالات کیڑوں کی مانند کلبلا رہے تھے مگر یہ سوالات مجھے مقدمہ ہارنے اور دس لاکھ روپے ہرجانہ ادا کرنے سے نہیں بچا سکتے تھے نہ ہی میری رسوائی و بدنامی کا علاج کر سکتے تھے۔ سارے بدن میں چیونٹیاں سی رینگ رہی تھیں۔

ملک احسان نے بھری عدالت میں ایک بیس برس پرانا ادبی رسالہ ثبوت کے طور پر پیش کیا تھا۔ اس ادبی جریدے میں وہی کہانی جو میں انتقام کے جوش میں اندھا ہو کر اپنے نام سے شائع کر چکا تھا ملک احسان کے نام سے طبع ہو چکی تھی۔ مخالف وکیل نے مجھ پر الزام لگایا کہ میں نے بیس سال پہلے ملک احسان کی شائع شدہ کہانی کو نہ صرف ترانہ ڈائجسٹ میں بلا اجازت شائع کیا بلکہ مستزاد یہ کہ اپنے نام سے چھاپا لہٰذا مجھ پر اخلاقی و ادبی سرقے کا الزام حق بجانب ہے اور مجھے اس کی قرار واقعی سزا ملنا چاہیے۔

ہوش ٹھکانے ہوئے تو میں نے اپنے وکیل سے کہا۔

”یہ ضرور کوئی سازش ہے اب سے بیس سال قبل ملک احسان کی عمر نو یا دس برس ہو گی، ممکن ہے اتنی بھی نہ ہو کیا اتنا کم سن بچہ ایسی اعلیٰ درجے کی تحریر لکھ سکتا ہے؟“

وکیل نے چند سیکنڈ سوچنے کے بعد بے رخی سے

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

جواب دیا۔
''میں بھری عدالت میں یہ سوال کر کے اپنا مضحکہ نہیں اڑواؤں گا۔ ملک احسان ایک پختہ کار مصنف ہے اس نے یہ کہانی بیس سال پہلے لکھ لی ہوگی۔''
''میں کبھی نہیں مان سکتا۔'' میری تسلی نہیں ہوئی تھی۔
''تو مت مانو۔'' وکیل مقدمہ ہارنے پر جھنجلاہٹ کا شکار تھا اور مجھ پر اس کا غصہ اتار رہا تھا۔
''تم کیسے وکیل ہو جو میں کہہ رہا ہوں وہ کرو۔ میں نے تمہیں منہ مانگی فیس ادا کی ہے۔ تم میری بھرپور پیروی کیوں نہیں کرتے۔ ہوسکتا ہے اسی سوال پر ہم جیت جائیں اور مقدمہ کا پانسہ پلٹ جائے ہمارے حق میں۔'' میں نے ترش روئی سے بحث شروع کردی۔
''سمجھنے کی کوشش کرو۔'' میرا وکیل بولا۔
''قانون قیاس آرائیوں کو نہیں مانتا۔ ملک احسان نے جو ادبی پرچہ پیش کیا ہے اس پر کہانی کے آگے جلی حروف میں اس کا نام لکھا ہوا ہے۔''
اسی پرانے سال خوردہ ادبی رسالے کے متعلق تفتیش کی جاسکتی ہے۔'' میں نے امید وبیم کے درمیان کہا۔
دس لاکھ کے صدمے نے تمہارا دماغ اُلٹا دیا ہے۔ یہ ادبی پرچہ سولہ برس پیشتر بند ہو چکا ہے۔ تفتیش کہاں سے ہوگی۔ دوسرے یہ کہ اسی شمارے کی دوسری کاپیاں میں نے مختلف لائبریریوں میں جا کر دیکھ لی ہیں۔ سب میں یہ کہانی موجود ہے ملک احسان کے نام سے' چنانچہ اس پر جعل سازی کا شبہ بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اتنے مکمل ثبوت کے مقابلے میں دنیا کا بڑے سے بڑا وکیل بھی تمہیں شکست سے نہیں بچا سکتا۔ اگر خواہ مخواہ کی پیچیدگیاں پیدا کرنے کی کوشش کی تو نتیجہ بہت برا ہوگا۔ تم ہرجانہ ادا کرو اور آئندہ ایسی حرکت کرنے سے احتراز برتنا۔''
وکیل کا لہجہ مجھے گراں گزر رہا تھا۔ میں نے ضد کی۔
''میں برسوں سے اسی پیشے سے وابستہ ہوں بڑے بڑے کہنہ مشق قلمکار ایسی تحریر نہیں لکھ سکتے کہاں کہ ایک نو دس برس کا بچہ۔''
وکیل نے مجھے گھورا پھر گھمبیر آواز میں بولا۔
''پانچ سات برس کی عمر میں بچے شعر کہنا شروع کرسکتے ہیں تو نو دس برس کی عمر میں نثر کیوں نہیں لکھ سکتے۔ تمہارے سوال کا جامع جواب میں نے تمہیں دے دیا ہے۔ یہ نکتہ اپنے دفاع میں اٹھایا تو یقین کرو ملک احسان کا وکیل بھی یہی جواب دے گا' وہ بھی میرے جیسا وکیل ہے' گھسیارا نہیں' سمجھے۔ تمہاری کوتاہ عقلی معلوم نہیں تمہیں اور کیسے کیسے دن دکھائے گی۔ جو بچکانہ اعتراض تم اٹھانا چاہتے ہو اس کے لیے ضروری نہیں کہ کوئی وکیل ہی جوابدہ ہو۔ یہ نکتہ ہی بے بنیاد اور احمقانہ ہے۔ کوئی بھی ذی ہوش اسے مسترد کرسکتا ہے۔'' وکیل نے میری بچی کچھی ہمت بھی پست کردی اس کی دلیل میں وزن بھی تھا یہ ایسا جواز نہیں تھا جو مقدمے کا رخ میری سمت موڑ دے۔

☆......☆......☆

ہار کے جھک مار کے اور دس لاکھ روپیہ ہرجانہ ادا کر کے میری شریانوں کا لہو سوکھا نہیں تو جم ضرور گیا تھا۔ دنیا کا سامنا کرتے ہوئے تو کتراتا ہی تھا' آئینے میں اپنی شکل دیکھتے ہوئے بھی شرم آتی تھی۔
میرا تجربہ میرے اندر شور مچا مچا کر غل غپاڑہ کر رہا تھا کہ نو یا دس سال کی عمر میں اس معیار کی کہانی کوئی نہیں لکھ سکتا۔ حالانکہ اس کا کوئی منطقی جواز بھی نہ تھا۔ مگر میں بے چینی میں گھرا ہوا تھا۔
ملک احسان کو دس لاکھ روپے کی ادائیگی ہوگئی تو

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

میں اپنے اندر بپا طوفان پر قابو نہ پا سکا۔
''ملک ٹھیک ہے تم نے جب چاہا مجھے ہرایا لیکن میں تمہارا بے حد احسان مند ہوں گا اگر تم میری ایک اُلجھن دور کر دو۔'' میرا طرزِ گفتگو ویسا ہی تھا جیسا سکندرِ اعظم سے ہمکلام ہوتے وقت راجہ پورس کا رہا ہوگا۔
''کونسی اُلجھن...... کیا اب بھی کوئی اُلجھن باقی رہ گئی ہے۔'' ملک احسان کی طنزیہ مسکراہٹ میرے احساسِ شکست کو دو چند کر گئی۔ شاداں و فرحاں ملک احسان مجھے ایک آنکھ نہ بھایا پھر بھی میں نے استفسار کیا۔
''بیس سال پہلے وہ کہانی کس نے لکھی تھی؟''
''ملک احسان نے۔'' وہ میری کیفیت سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔
''وہی تو میں پوچھ رہا ہوں کہ بیس سال قبل تم ایسی کہانی کیسے لکھ سکتے ہو۔ فی الوقت تمہاری عمر بمشکل انتیس یا تیس برس ہوگی۔ ہوسکتا ہے اس سے بھی کم ہو۔ اتنی چھوٹی عمر میں تم تو کیا کوئی بھی اس پائے کی تخلیق نہیں کر سکتا۔''
''جب تمہیں یقین ہے کہ کوئی نہیں لکھ سکتا تو میرا مغز کیوں چاٹ رہے ہو۔'' اس کا پُر اسرار انداز میرے تجسس کی آگ کو اور بھڑکا گیا۔
''پلیز بتادو وہ کس کی لکھی ہوئی ہے؟''
اس نے زور کا قہقہہ لگایا۔
''ملک احسان کی۔''
''وہ کہانی تمہاری لکھی ہوئی نہیں ہوسکتی۔ میں کسی قیمت پر یہ ماننے کو تیار نہیں۔'' میں غصے کی حدود سے تجاوز کر گیا اور میری آواز تیز ہوگئی۔
وہ مسکرایا۔
''میاں مجّو۔'' اس نے اتنا کہہ کر چاروں طرف نظر دوڑائی اور مطمئن ہو کر بولا۔

''میرا پورا نام ملک پرویز احسان ہے سمجھے۔''
''نہیں سمجھا۔'' میں نے گڑبڑا کر کہا۔
''اور میرے والد کا نام ملک نسیم احسان ہے سمجھے؟''
''نہیں سمجھا۔''
''میرے والد نے بھی اپنی جوانی میں چند کہانیاں لکھیں۔ وہ بھی فقط ملک احسان کے نام سے لکھتے تھے سمجھے؟''
''سمجھ گیا۔'' میں نے ٹھنڈی اور سرد آہیں بے اختیار بھرنا شروع کر دیں۔
میرے والد نے چار یا پانچ کہانیاں ہی لکھی تھیں اور یہ بہت پرانی بات ہے سمجھے۔ اب اگر تم میری دشمنی میں اس کا اشتہار بانٹنا چاہو تو کھلی اجازت ہے کیونکہ...... چاند پر تھوکا ہوا اپنے ہی منہ پر آتا ہے سمجھے۔''
''سمجھ گیا۔'' سکتے کے عالم میں بھی میری زبان سے نکلا۔
''میں نے دانستہ یہ سب کیا تھا اکمل صاحب...... میں جانتا تھا کہ آپ اپنی فطرت کا بھرپور مظاہرہ کریں گے۔'' اس کا کٹیلا لہجہ مجھے مسلسل گھائل کر رہا تھا۔
''بہت بہت شکریہ میاں مجّو...... تم نے سب کچھ ویسا ہی کیا جیسا میں نے سوچا تھا۔''
پھر وہ تفصیل سے مجھے سمجھاتا رہا کہ میرے پیش کردہ دس لاکھ روپے وہ کس کس مد میں خرچ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ خاصی دیر تک وہ میرے دماغ کے انجر پنجر ڈھیلے کرنے میں مشغول رہا۔
وہ اٹھ کر گیا تو میری پوری توجہ اپنے نام پر مرکوز تھی۔ میں سنجیدگی سے سوچ رہا تھا کہ اگر میں اپنا نام تبدیل کر کے 'میاں مجّو' رکھ لوں تو اسم بامسمّٰی رہے گا۔

☆☆......☆☆

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

کبیر والا سے ارسال کردہ تحریر

52 چوکھٹ والی حویلی

ماضی اور حال سے جڑی ایک سچی تحریر جو آپ کو بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دے گی

شاہد رفیق سہو

عورت کو ہمیشہ سے قربانی، وفا اور ایثار کی مثال سمجھا جاتا ہے۔ایسی مثال جو ہر دفعہ ایک نئی صورت میں نظر آتی ہے۔امینہ کا شمار بھی انہی عورتوں میں ہوتا تھا۔

یہ ہندوستان کے ایک ایسے شہر کا قصہ ہے جو علم و عمل کا گہوارہ سمجھا جاتا تھا۔جہاں کی مشہور درس گاہ سے تعلیم حاصل کرنے والوں کو آج بھی عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔اس شہر کی ایک حویلی باون چوکھٹ (جس میں باون چوکھٹ تھی) اپنے خاندانی وقار محبت اور مہمان نوازی میں مشہور تھی۔اس میں جو خاندان آباد تھا، وہ آپس میں محبت یگانگت اور اتفاق کی مثال تھا۔

صبح فجر پر سارا خاندان اٹھتا تھا، نماز اور ناشتے کے بعد مرد حضرات کام پر نکل جاتے اور عورتیں گھر کے کاموں میں مشغول ہو جاتیں۔ بچوں کو بڑے بزرگ علم کی دولت سے مالا مال کرتے تھے، اور دین کے متعلق آگہی دیتے۔ مغرب کے بعد گھر کے تمام مرد حضرات کاروبار سے لوٹ آتے تو ایک بڑا سا دسترخوان صحن کے احاطے میں بچھا دیا جاتا۔اور مرد، بزرگ خواتین بیٹھ جاتیں۔ جبکہ بہوئیں اسی وقت گرم گرم روٹیاں پکاتیں دسترخوان پر لاتیں اور اہل خانہ کی دعائیں لیتیں۔

اس حویلی میں عرصہ دراز سے بچوں کی کلکاریاں سنائی نہ دی تھی۔حویلی کے مالک ثناء اللہ کے چاروں بیٹوں میں سے کسی کی بھی اولاد نہ ہوئی تھی۔کسی بہو سے اولاد ہوئی تو کچھ دن جی کر فوت ہو جاتی۔جب ان کے چھوٹے بیٹے عبید اللہ کی شادی ہوئی تو دلہن کے گھر آتے وقت ثناء اللہ دل سے خالق حقیقی کے حضور سجدہ ریز ہوئے اور دعا کی کہ اے رب العالمین اس حویلی کو وارث عطا کرنا۔انکی دعا کو قبولیت کا درجہ عطا کیا گیا۔

عبید اللہ کے ہاں اللہ کے فضل سے چودہ بچے ہوئے جن میں سے صرف چھ زندہ رہ پائے۔

دادا دادی تایا چچا ہر وقت بچوں پر قربان ہوتے۔ان کی اتنے برسوں کی خواہش اب پوری

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

ہوئی تھی۔ ان بچوں کے نصیب سے اللہ تعالیٰ نے کاروبار میں اتنا منافع دیا کہ بوریوں میں نوٹ آنے لگے۔ غرض خوشیوں بھرے یہ بہار کے دن تھے، پلک جھپکتے گزر گئے۔ وقت سدا ایک سا نہیں رہتا۔ کاروبار یکدم بیٹھ گیا۔ ان دنوں عبیداللہ کے بچوں کی شادیاں ہو چکی تھیں۔ ایک بیٹی بیوہ ہو کر گھر آ گئی تھی اور دوسرے بیٹے کریم اللہ کی بیوی ایک پیارے سے بچے کو جنم دے کر فوت ہو گئی۔ ان دنوں گویا مصیبت اور پریشانیوں نے گھر دیکھ لیا تھا۔ تاہم انہوں نے صبر و شکر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔

پیسوں کی تنگی اس حد تک ہو گئی کہ انہیں اپنی خاندانی حویلی گروی رکھنی پڑی۔ اور یوں وہ خاندان ایک کرائے کے گھر میں آباد ہو گیا۔

عبیداللہ کی بیٹی نے اپنے بھائی کے بن ماں کے بچے کو گود لے لیا۔ کیونکہ اس کم سن بیوہ کی اپنی کوئی اولاد نہ تھی اور دوسری شادی کی کوئی راہ نہیں نکل رہی تھی۔ پھوپی کی محبت بھی ماں جیسی ہی ہوتی ہے۔ کچھ عرصے بعد ان کا کاروبار پھر سے چل پڑا۔ رفتہ رفتہ کاروبار میں نکھار آتا گیا۔ اور اس گھر کی خوشیاں دبے پاؤں پھر سے لوٹ آئیں۔ اتنے بڑے خاندان کا ایک ساتھ رہنا اور کبھی کسی کی دل آزاری نہ کرنا، یہ سب بڑوں کا کمال تھا۔ اگر کوئی رنجش ہو جاتی تو بڑے فوراً معاملات

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

کو دیکھ کر بات ختم کروا دیتے۔ ان کی خواہش تھی کہ ہمارے خاندان کا شیرازہ کبھی بکھرنے نہ پائے۔

حالات بہتر ہو گئے تو یہ اپنی حویلی کو واپس لینے گئے۔ مگر جس کو گروی رکھی تھی اس کی نیت میں فتور آ گیا اور اس نے غلط تاریخ رکھ کر حویلی پر قبضہ کر لیا۔ ان لوگوں نے حویلی واپس لینے کی ہزار کوششیں کیں مگر جس آدمی نے دھوکہ دیا تھا اس کی بہت پہنچ تھی اور اس نے ایسے ہی غلط کاموں سے پیسہ بنایا۔ جب کسی طرح بھی حویلی واپس کرنے کی راہ نہ نکلی تو اس خاندان نے تقدیر کا فیصلہ سمجھ کر خاموشی اختیار کر لی۔

کریم اللہ کا بیٹا ثمن اپنی پھوپی کے سائے میں پرورش پا رہا تھا۔ پھوپی نے اسے اولاد سے زیادہ محبت دی مگر ہر چیز کی زیادتی نقصان دہ ہوتی ہے۔ پھوپی کے لاڈ پیار کی وجہ سے وہ ایک ضدی بچہ بن گیا تھا۔ اس کا مزاج غصیلا بنتا چلا گیا۔ سارے خاندان کے بچے اس سے دور رہتے تھے اور اس سے ڈرتے تھے۔ یوں وہ اکیلا ہو گیا تھا۔

ماں باپ کے بغیر بچپن گزارہ تھا۔ احساسِ محرومی اس کی شخصیت کا حصہ بن گئی تھی۔

اسی وقت ہندوستان میں ہندو مسلم فساد پھیلنے لگے تھے اور خاندان اجڑ رہے تھے۔ کوئی بھی ایسا دن نہ گزرتا تھا کہ مسلمانوں کی لاشیں نہ گرائی گئی ہوں۔ سب میں خوف و ہراس پھیلا تھا۔ پاکستان بننے کی نوید سنتے ہی ثمن اللہ کے والد نے سب سے پہلے پاکستان جانے کا فیصلہ کیا تاکہ وہاں جا کر اپنے خاندان کے لیے رہائش کا بندوبست کر سکیں۔

اسی فیصلے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے کریم اللہ سمیت بائیس افراد پر مشتمل خاندان راتوں رات ہندوستان سے نکلا اور ساحل پر پہنچا۔ بحری جہاز جب کراچی کے قریب پہنچا تو لوگ خوشی سے جہاز کے عرشے پر چڑھ گئے اور نعرے لگانے لگے، زیادہ لوگ جہاز کے سرے پر پہنچ کر اپنے ملک کا ساحل دیکھنے لگے مگر تعداد زیادہ ہونے کے باعث جہاز کا ایک کونا جھکنے لگا۔ اس ہجوم میں ثمن اللہ بھی شامل تھا، اس دھکم پیل اور جہاز کے جھکنے کے باعث چند لوگ پانی میں گرنے گئے۔ ایک شور وغل سا مچ گیا۔ کریم اللہ نے ثمن کو آوازیں دیں مگر ہزاروں لوگوں کی تعداد میں وہ کہیں نہیں مل رہا تھا۔ امیر البحر کے بار بار اعلان پر لوگ جہاز کے کونے سے ہٹ گئے۔ کریم اللہ اور ان کے خاندان میں پریشانی کی فضا پھیلی تھی۔ اسی وقت ثمن اللہ نے پانی سے سر نکالا، تیراکی آنے کے باعث وہ بچ گیا تھا۔ اس کو زندہ دیکھ کر سب کی جان میں جان آئی۔

کراچی سے یہ خاندان حیدرآباد میں جا کر آباد ہو گیا۔ وہ اپنا سب کچھ ہندوستان چھوڑ کر آئے تھے، اور یہاں ان کی اولین ترجیح سر چھپانے کی جگہ حاصل کرنا تھا۔ اللہ کے فضل سے بہت جلد انہیں مکان مل گیا۔

ثمن اللہ نے پڑھائی جاری رکھی اور میٹرک کر لیا، اس کے باقی چچازاد وغیرہ بھی اس کے ساتھ آگے پڑھنے لگے۔ اس کی ایک چچازاد بہن تھی امینہ۔ وہ اپنی من موہنی صورت اور معصوم حرکتوں کی وجہ سے سب کو بہت عزیز تھی۔ خاص کر اس کی دادی کو، دادی کے بے جا لاڈ پیار نے اسے پڑھائی سے غافل کر دیا۔ رشتہ داروں، محلے داروں کی چاہ تھی اس لڑکی کو اپنی بہو بنانے کی۔ جوانی کی دہلیز پر قدم رکھتے ہی اس کا رشتہ ایک

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

فارسی ادب سے

عراق کے ایک شہر میں دو بھائی رہتے تھے۔ ان میں سے ہر ایک کا کھجوروں کا ایک باغ تھا۔ ایک شادی شدہ تھا اور ایک غیر شادی شدہ تھا' ہر سال یہ دونوں بھائی خرموں کو منڈی لا کر فروخت کرتے تھے۔ ایک منڈی والا کہتا ہے کہ ایک دفعہ نصف رات کو میں بیدار تھا کہ شادی شدہ بھائی منڈی میں آیا اور اپنے خرموں کے ڈھیر میں سے کچھ مقدار خرمے اُٹھا کر اپنے غیر شادی شدہ بھائی کے ڈھیر کے ساتھ ملا دیا۔ یہ دیکھ کر میں منڈی کے دروازے کی طرف آیا جب وہ وہاں پہنچا تو اسے پوچھا کہ تو نے ایسے کیوں کیا اس نے کہا کہ چونکہ میرا بھائی غیر شادی شدہ ہے اور شادی کے لیے مال نہیں رکھتا' قبول بھی نہیں کرتا کہ میں اس کی مدد کروں' اس لیے میں رات کی تاریکی میں آیا تا کہ اس کے ڈھیر میں کچھ خرما ملا دوں' تا کہ اِسے کچھ زیادہ پیسے ملیں اور اس کی ضرورت پوری ہو جائے۔ یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔ مگر تھوڑی دیر بعد میں نے چھوٹے بھائی کو آتے دیکھا جس نے آ کر اپنے خرموں کے ڈھیر میں سے کچھ اُٹھا کر بڑے بھائی کے ڈھیر کے ساتھ ملا دیئے' میں پھر اس کے پاس چلا گیا اور وجہ پوچھی تو بولا۔ میرا بھائی شادی شدہ ہے اور اس کے بچے بھی ہیں اور میں غیر شادی شدہ ہوں۔ میرے اخراجات کم ہیں اور بڑے بھائی کے اخراجات زیادہ ہیں اور وہ مجھ سے امداد قبول نہیں کرتا اس لیے میں نے ابھی آ کر کچھ خرمے اس کے ڈھیر کے ساتھ ملا دیے۔ تا کہ اس کو کچھ زیادہ رقم ملے تا کہ اس سے اخراجات کے سلسلے میں پریشانی ہو۔ ہمارے استاد کہتے تھے کہ میں ان دونوں بھائیوں کو جانتا تھا۔ مرتے دم تک جس آسائش اور نعمت کی فراوانی میں ان دونوں نے زندگی بسر کی وہ اپنی مثال آپ تھی۔

بڑے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ آج کل ہمارے اسلامی معاشرے میں لوگ صرف یہ نہیں کہ ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے بلکہ ایک دوسرے سے چوری کرنے میں بھی پیچھے نہیں ہٹتے۔

دنیا کی مختلف زبانوں سے ترجمہ...... پسند: آیت اللہ سید حسن شیرازی/سید شاہ ضمیر

رئیس خاندان میں طے ہو گیا۔ منگنی کی رسم بہت دھوم دھام سے ادا ہوئی، مگر رشتہ داروں کو امینہ کا خاندان سے باہر رشتے طے کرنا ایک آنکھ نہ بھایا، خاص کر وہ رشتہ دار جو امینہ کو اپنی بہو بنانے کے ارادے میں تھے۔ نتیجتاً انہوں نے امینہ کے متعلق جھوٹی باتیں پھیلانا شروع کر دی، جو اس کے سسرال پہنچ گئی۔ یوں یہ رشتہ غلط فہمی کی بنیاد پر ٹوٹ گیا۔

دادا دادی اور ماں باپ کے لیے یہ ایک بڑا صدمہ تھا۔ اس زمانے میں لڑکی کی منگنی ٹوٹ جانا انتہائی برا شگن سمجھا جاتا تھا۔ اور اس برے شگن کو لڑکی کی قسمت سے جوڑ دیا جاتا تھا۔ وہ خاندان والے جو امینہ کے لیے بچھے جاتے تھے، اب اسے پوچھتے بھی نہیں تھے۔ اس کے والدین اپنی بیٹی کے ایسے نصیب پر آنسو بہاتے تھے۔ اسی آزردہ ماحول کو زائل کرنے کے لیے دادی نے ایک فیصلہ کیا۔ انہوں نے امینہ کا نکاح ثمن اللہ سے پڑھوانے کا حکم دے دیا۔ اس حکم کا سب سے زیادہ اثر امینہ کو ہوا۔

ثمن اللہ کو سب ہی جانتے تھے۔ کتنا بدمزاج اور غصیلا تھا وہ، اپنے علاوہ کسی کو اہمیت نہیں دیتا تھا۔ امینہ کے دل میں ہزار وسوسے جنم لینے لے رہے تھے، مگر ماں باپ کی پریشانی اور گھر کے ماحول کو دیکھتے ہوئے اس نے اس نکاح پر کوئی اعتراض نہ اٹھایا۔ مگر امینہ کی ماں کو سخت اعتراض تھا۔ انہوں نے مخالفت کی مگر جب کوئی فائدہ نہ ہوا تو انہوں نے فیصلہ کیا کہ وہ اپنے بچوں کو لے کر میکے چلی جائیں گی۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

جواباً سسرال والوں نے بھی ان پر اپنے گھر کے دروازے ہمیشہ کے لیے بند کر دیئے۔ جب ماں نے امینہ کو ساتھ چلنے کا کہا تو اس کے قدم گھر کی دہلیز نے جکڑ لیے کیونکہ دادی پھوپی نے اسے عزت کا واسطہ دے کر سمجھایا تھا کہ ماں کے ہمراہ نہ جانا اور باپ دادا کی لاج رکھنا۔ امینہ نے خاندان کی خوشنودی کے لیے ماں کی ناراضگی مول لی اور اپنے دل کو مار کر خود کو اس فیصلے پر قربان کر دیا۔

امینہ کا ہر لڑکی کی طرح ارمان تھا کہ اس کی شادی دھوم دھام سے ہو مگر اس کی قسمت کہ نہ مایوں نہ مہندی حتیٰ کہ ماں کی دعائیں بھی ساتھ نہ تھیں۔ بس ایک سادہ سے جوڑے میں اس کا نکاح ثمن اللہ سے پڑھوا دیا گیا۔ ثمن اللہ کی کراچی میں ایک پرائیوٹ فرم میں جاب لگ گئی تھی اس لیے گھر والوں نے ان دونوں کو کراچی میں ایک کرائے کا گھر لے کر آباد کر دیا۔ نئی آبادی نیا محلہ۔ حیدر آباد کی بڑی حویلی کے بجائے ایک چھوٹے سے گھر میں، سارے رشتہ داروں سے دور رہنا مشکل ہو رہا تھا۔ اوپر سے ثمن اللہ کا مزاج۔ جس نے امینہ کے لئے مشکلوں کو بڑھا دیا تھا۔ اسے اپنی ہر چیز مقررہ وقت پر چاہیے تھی، بیماری میں بھی وہ امینہ کو کوئی رعایت نہ دیتا تھا۔ امینہ کے اعصاب کبھی کبھی اس زیادتی پر چیخ جاتے۔ مگر پھر وہ اپنی فطرت میں گندھی ایثار اور وفاداری کے جذبہ کی وجہ سے صبر کا دامن واپس پکڑ لیتی۔ جوں توں گزر بسر ہو رہی تھی۔

رفتہ رفتہ کراچی میں زیادہ روزگار ملنے کے باعث ان کے بہت رشتہ دار حیدر آباد سے کراچی آ کر رہنے لگے، جس میں امینہ کا ننھیال اور اس کی ماں بھی شامل تھی۔

ایک دن امینہ کھانا بنا رہی تھی کہ دروازہ بجا، کھولا تو حیرت کی تصویر بن گئی کہ سامنے چھوٹا بھائی کھڑا تھا۔

''بھائی تم یہاں کیسے؟ پتہ کس نے بتایا؟''

''ماں نے پتہ معلوم کیا ہے۔ وہ آپ سے ملنا چاہتی ہیں۔''

دوسرے دن والدہ چوری چھپے امینہ سے ملاقات کرنے آئیں اور تھوڑی دیر کے بعد لوٹ گئیں۔ یہ ماں کی محبت ہی تھی کہ ناراضگی کے باوجود بھی دل کا کہا مان لیا کہ ممتا کا رشتہ ہوتا ہی بے لوث ہے۔ ناراض ماں نے ممتا کے ہاتھوں مجبور ہو کر بیٹی کو معاف کر دیا۔

بیٹی سے ملنے کے بعد اس کی والدہ نے سسرال والوں سے معافی مانگی اور صلح کر لی۔ رفتہ رفتہ ملنا جلنا بھی شروع کر دیا۔ تاہم ساس اور شوہر میں ابھی تک فاصلہ قائم تھا۔

ان دنوں امینہ کے ہاں بیٹی ہوئی، لیکن وہ بہت کمزور تھی اور امینہ بھی بیمار تھی، تو امینہ کی دو چھوٹی بہنیں اس کے گھر رکنے آ گئیں اور امینہ اور بچی کا خیال رکھنے لگیں۔ گھر کا سارا کام انہوں نے اپنے ذمے لے لیا۔

وقت گزرتا گیا۔ اللہ نے امینہ کو تین بیٹیاں عطا کیں۔ لیکن امینہ کی صحت گرتی ہی جا رہی تھی۔ پیسوں کی تنگی، بچوں کی پرورش کی ذمہ داری۔ وہ اس سب کی وجہ سے کافی بیمار رہنے لگی تھی۔ اللہ نے ثمن اللہ کو ہمت دی اور اس نے ملازمت کے ساتھ ساتھ پڑھائی جاری رکھی اور کامیابی کا راستہ اختیار کیا۔ اور وہ دن بھی آیا کہ وہ کلرک کی نوکری سے آفسر بن گیا۔ گاڑی بنگلہ سبھی آ گیا۔ دن پھر گئے تو دل بھی کشادہ ہو گئے۔ امینہ کے ساتھ اور بچوں کے ساتھ رویہ بھی بہت اچھا ہو گیا تھا۔ وہ حیدر آباد سے سارے خاندان والوں کو اپنے پاس

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

کراچی لے آئے اور بنگلے میں ساتھ رہنے لگے۔

اللہ نے امینہ کو چار لڑکیوں کے بعد اولاد نرینہ عطا کی تو سب کی خوشیوں کا ٹھکانہ نہ رہا۔ امینہ کی طبیعت کو بھی سکون آیا۔ ثمن اللہ نے سالیوں اور چچازاد بہنوں کی شادی میں سب کا ہاتھ بٹایا۔ اور نیکیاں اور دعائیں سمیٹیں۔

پانچویں لڑکی کی پیدائش کے بعد امینہ کی صحت خاصی خراب ہوگئی۔ اس کو دورے پڑتے اور وہ اکثر بے ہوش ہو جاتی۔ ثمن رو رو کر اس کی صحت کے لیے دعا کرنے لگے۔

جس نے باپ کی لاج رکھنے کو قربانی دی۔ اس کی بہن بھائی سارا خاندان اس کی عزت کرتا تھا۔

کچھ لوگوں نے یہی خیال ظاہر کیا کہ شاید یہ گھر آسیب زدہ ہے۔ ثمن اللہ ایک بکری اور اس کے دو بچے گھر لے آیا۔ اگلے دن صبح جب سب اٹھے تو بکری اور اس کے بچے مرے پڑے تھے۔ مگر امینہ کی حالت سنبھل چکی تھی۔ البتہ اس کا خوبصورت گورا چٹا رنگ اس عجیب وغریب بیماری سے جل کر راکھ ہوگیا۔

امینہ کی بیٹیاں بڑی ہوئیں تو رشتے آنا شروع ہوئے، انہوں نے ایک مناسب رشتہ دیکھ کر اس کا رشتہ کر دیا مگر وائے قسمت کہ لوگ اچھے نہ تھے۔ کچھ عرصے بعد ہی بیٹی گھر آ کر بیٹھ گئی۔ اس صدمے نے ثمن اللہ کے دل پر بہت برا اثر کیا۔ وہ حج سے واپس آئے تو بیمار ہو گئے۔ اور دو ماہ بعد خالق حقیقی سے جا ملے۔ یہ بہت کڑا وقت تھا امینہ کے لیے اور اس کے بچوں پر۔ بیٹا ابھی پڑھ رہا تھا۔ لیکن قدرت نے اس کا ساتھ دیا اور ثمن اللہ کی چھوڑی گئی جائیداد سے ان کا عزت سے گزارہ ہونے لگا۔ تنہا زندگی کی حقیقتوں کا سامنا کرنے کی فکر نے امینہ کو گھیر لیا، بچی کچھی آمدنی بھی ختم ہونے لگی۔ بیماری ایک بار پھر شدت سے عود کر آئی۔ بیٹے نے ماں کی پریشانیوں کا احساس کرتے ہوئے شام کو پارٹ ٹائم جاب ڈھونڈ لی۔ اور تعلیم سے توجہ ہٹ گئی۔ آخر گھر بھی تو چلانا تھا۔ امینہ کو یہ بھی رنج تھا کہ اکلوتے بیٹے کی پڑھائی چھوٹ گئی۔

ایک دن امینہ کی دوسرے نمبر کی بیٹی کے شوہر کے انتقال کی خبر آ گئی۔ یہ گھڑی اس باہمت عورت کی کمر توڑ گئی۔ جواں سال بیٹی کے دو بچے بھی باپ کے پیار سے محروم ہو گئے۔

عدت کے بعد بیوہ بیٹی دو بچوں کے ساتھ گھر آ گئی۔ اب اس کو بھی سنبھالنا تھا اور نواسوں کی پرورش بھی کرنی تھی۔ خود کو زیادہ ناتواں محسوس کرتے ہوئے اس نے بیٹے کی شادی کر دی تا کہ بہو گھر آ جائے۔ پوتے کی خوشی بھی دیکھی مگر یہ خوشی بھی شاد نہ کر سکی، امینہ کی حالت بد سے بدتر ہوگئی۔ یوں ایک دن وہ ایسی سوئی کہ پھر نہ اٹھ سکی۔ امینہ نے باپ کی خوشی کے لیے اپنا آپ قربان کر دیا، شوہر کی خدمت اور بچوں کی پرورش کے لیے زندہ رہی پھر بیوہ بیٹی اور نواسوں کے لیے جینے کی آرزو کرنے لگی مگر وقت کی لگامیں اس کے ہاتھ میں نہ رہی تھیں۔ اکھڑتی سانسیں بھی اسے پچھلی یاد دلا رہی تھیں۔ باون چوکھٹ کی یادیں، تقسیم برصغیر پھر ہجرت کا واقعہ اس کے بعد افسردہ دلی سے شادی، ماں کے روٹھ جانے کے غم حوا کی اس بیٹی نے کتنے دکھ سہے تھے لیکن کیا اس کا سفر اب ختم ہوگیا تھا۔ قربانیوں کا صلہ اسے اگر اس جہان میں نہ ملا تو اگلے جہان میں مل جائے گا اس سوچ کے ساتھ ہر حوا کی بیٹی اپنی زندگی کے خاتمے پر قبر میں سکون کی نیند سو جاتی ہیں کہ مرنے کے بعد اگلے جہان میں ضرور قربانیوں کا صلہ مل جائے گا۔

☆☆.....☆☆

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

”تعارف“

سچی کہانیاں کی مصنفہ تحسین جونیجو کا تعارف اپنے قارئین کے لیے......

میرا تعلق سندھ کے شہر خیر پور ناتھن شاہ بورڑی سے ہے۔ اصلی نام تحسین گھر میں بھتیجیوں کو میرا نام پکارنے میں دشواری ہوتی ہے' اس لیے وہ 'تے' پھوپو کہتے ہیں۔ مارچ کے پُر بہار مہینے میں مآ بدولت جلوہ گر ہوئی اس دھرتی پر رنگ بھرنے کے لیئے' اپنی سالگرہ کے دن کا انتظار شدت سے رہتا ہے گھر والوں کے ساتھ سلیبریشن ہوتی ہے تھوڑی بہت 4 مارچ کو۔ 2015ء نومبر میں ہمارے بابا سائیں اس دنیا سے رخصت ہوگئے۔ اللہ پاک اُن کے درجات بلند فرمائے آمین ۔امی حیات ہیں الحمدللہ چار بھائی' چار بہنیں ہیں ہم ماشاء اللہ میرا نمبر ساتواں ہے' ساتویں آسمان پر نہیں اس دھرتی پر۔

سب بہن بھائی شادی شدہ بال بچوں والے ہیں ماشاء اللہ علاوہ میرے' چونکہ میں ساتویں آسمان پر نہیں رہتی تو اسی زمین پر ہی کسی نہ کسی سے ٹکر ماردیتی ہے وقت آنے پر انشاء اللہ...... سب بہنوں سے بنتی ہے الحمدللہ سب کلوز ہیں آپس میں اللہ پاک سلامت رکھے آمین۔ پری میڈیکل کالج خیر پور ناتھن شاہ سے انٹر اور گریجویشن سندھ یونیورسٹی سے کیا۔ اسکول کا پہلا دن اچھی طرح یاد ہے میری بہن شائستہ اسکول چھوڑنے گئی' کچھ کچھ ڈرپوک واقع ہوئی تھی' اب تو سب مجھ سے ہی ڈرتے ہیں ہاہاہا......

چونکہ میرا اسٹار (Virgo) سنبلہ ہے تو شرمیلی بھی بہت ہوں بس وہ پہلا دن بھی ایسا رہا پھر تو صبر آ ہی گیا اس بچی کو......

نیچر میں شرارت بالکل نہیں تھی۔ بالکل سیدھی سادھی بچی تھی۔ جب ہی میں اول درجے کی طالبہ رہی ہوں الحمدللہ ہر کلاس میں پوزیشن ہولڈر رہی۔ بچپن گڑیوں اور گڑیوں کے ساتھ کھیل کر گزرا گڑیوں کی شادی بھی کرتی تھی لیکن روتی نہیں تھی میں...... جیسا کہ سبھی کہتے ہیں عام طور پر بچپن بہت اچھا گزرا تو میرا شمار بھی انہی میں ہوتا ہے۔

آج بھی کوئی چیز ایسی خوشبو کا گزرنا ہو تو اسے لازمی حاصل کرنے کی کوشش کرتی ہوں کہ یہ نہیں لینی ہے کھانی ہے وغیرہ وغیرہ...... اسکول کی پڑھائی کے دوران 2006ء میں ماہنامہ سچی کہانیاں گھر میں آیا تو اسی کی ہوکر رہ گئی۔

آہا کیا دلچسپ دور تھا' جنوں عشق ہوگیا اس شمارے سے ہر ماہ دروازے پر کھڑے ہوکر پوسٹ مین کا انتظار ایسے کیا جاتا ہے جیسے......! محبوب پرچہ ہی تو ہا تاں جب ہی بے شمار شمارے ہونے کے باوجود کسی کو لفٹ نہیں کروائی' اور بھی شمارے گھر کی زینت بنتے ہیں لیکن جو بات سچی کہانیاں میں ہے کسی اور میں کہاں بہت کچھ سیکھنے کو ملا بدلتے رویے' انسانیت بہت چھوٹی عمر میں جان لیا زندگی کیا ہے۔

یہاں برے لوگ بھی ملے اور اچھے بھی یہی دستور کائنات ہے' برے لوگ آئے اور ایک سبق دے کر چل دیے۔ ناکامی نام ہے دراصل کامیابی کی کنجی کا [illegible] بدولت

www.urdusoftbooks.com

کوئی فرد اپنے اندر موجود صلاحیتوں کو باہر نکالنے کی کوشش کرتا ہے یہی ایک فائدہ ہوتا ہے برے لوگوں کا ہماری زندگی میں داخل ہونے کا کہ سیکھ لے بیٹا زندگی بار بار موقع نہیں دیتی تجربات سے ہی سیکھتا ہے انسان...... اچھے لوگوں میں سر فہرست نام ہے بہت ہی پُرخلوص رضوانہ کوثر آپی ہمیشہ ان سے کچھ اچھا ہی سیکھنے کو ملتا ہے اللہ پاک انہیں صحت یاب زندگی دے آمین۔ اور بھی کچھ اچھے لوگ ملے ہیں اللہ سلامت رکھے ان اپنوں کو...... مزاج اچھا پایا ہے الحمدللہ شوخ مزاج بھی کہہ سکتے ہیں' ہنس مکھ یعنی میری کمپنی میں کوئی بور نہیں ہوسکتا۔ غصہ آتا ہے اور کبھی زیادہ ہی لیکن جتنی جلدی آمد اتنی جلدی بھاگ بھی جاتا ہے۔ نشانہ وہی بنتا ہے جو حق دار ہو چیزیں نہیں توڑتی بس بک بک کرتے رہنا چاہیے ساری بھڑاس اڑن چھو ہو جاتی ہے۔ خاموشی اختیار کرنے سے تو بندہ خود فنا ہو جائے اندر سے' دل میں نہیں رکھتی صاف گو ہوں۔

زندگی کا خوبصورت دور اسکول لائف اور 2007ء سے 2011ء کے دن یہ بے فکری کے دن تھے۔

2016ء اگست میرے لیے انتہائی برا رہا اس میں میری بچپن کی عزیز ساتھی بیسٹ فرینڈ میری پیاری رینا مجھ سے بچھڑ گئی کوئی دن ایسا نہیں آج تک جو اسے یاد نہ کروں یقین کرنا بہت مشکل ہے کہ اب وہ نہیں رہی یہ دور میں نے بہت مشکل سے کاٹا ہے کئی ماہ تک میں اس صدمے سے نہیں نکلی زندگی کی ساری شادابی رونق چلی گئی' بہت بدل دیا مجھے' وہ تحسین جس کے چہرے پر ہمیشہ مسکراہٹ رہتی جسے دیکھ کر لوگ کھل اٹھتے تھے اب ایسا بالکل نہیں وقت کے ساتھ صبر آ ہی جاتا ہے ناں' یہی تو نظام کائنات ہے کہ ہر کوئی اپنے حصے کی زندگی جیے گا' اللہ پاک رینا کے درجات بلند فرمائے آمین۔

بن تمہارے کوئی مزہ نہیں رہا یار جینے میں

میرے شوق زیادہ نہیں ہیں' گھومنے پھرنے بالکل شوق نہیں بس کپڑوں کا سب سے زیادہ شوق سلیکشن ہے' کیونکہ لباس انسانی شخصیت کو نکھارتا ہے تو وہی آپ کے ذوق کا آئینہ دار بھی ہے' فیشن نہیں ہے لیکن سادگی کے رنگ میں جو اپنی پرسنالٹی پر سوٹ کرے۔ گھر پر رہنا پسند کرتی ہوں گھر ایک ایسی جگہ ہے جہاں انسان کے لیے پیار محبت' پناہ آرام و سکون میسر ہو تو وہ جنت معلوم ہوتا ہے یہ سونے پر سہاگہ والا معاملہ ہو جاتا ہے ناں' ایک مشرقی معاشرے کے افراد ہونے کے ناتے ہمارے ہاں یہ ذمہ داری مکمل طور پر خواتین پر ہی ہوتی ہے اور خاتون خانہ کی سمجھ بوجھ اور عقلمندی اس کے گھر کی سجاوٹ ترتیب سے پتا چل جاتی ہے اسی لحاظ سے اب یہ ساری ذمہ داری اس ننھی سی جان پر آ گئی اس لیے سب ہمیں کہتے ہیں۔ ''بہت سگھڑ ہو......''

پڑھنے لکھنے کا سلسلہ کم ضرور ہوا ہے لیکن ختم نہیں جو بھی فری ٹائم ملتا ہے تو فیس بک' واٹس ایپ نے اچھے خاصوں کا ستیاناس کر ڈالا ہے ناں' بندہ فری ہوتا ہے نہ بور فرینڈز کے ساتھ وقت گزارنا اچھا لگتا ہے اور ساتھ ہی ایک اسکول میگزین (صبح بہار) میں بطور شعبہ انچارج کام کر رہی ہوں گھر بیٹھے یہ سہولت بھی انٹرنیٹ نے میسر کر ڈالی ہے۔ میوزک سننا پسند ہے لیکن موڈ پر ڈپینڈ کرتا ہے پاکستانی ڈرامہ زیادہ پسند ہیں خاص کر جو ہمارے بچپن میں ریپیٹ ٹیلی کاسٹ ہوتے تھے' الفا براوو چارلی' دھواں' دھوپ کنارے' اَن کہی' بندھن' گیسٹ ہاؤس وغیرہ...... گلوکار راحت فتح علی خان' عطاء اللہ عیسیٰ خیلوی' رحیم شاہ' فریحہ پرویز' سونو نگم پسند ہیں۔

پسندیدہ ایکٹرز ریما خان' فواد خان' عمران عباس۔

ناولز طائر لاہوتی' پیر کامل' راجہ گدھ' امر بیل' بن روئے آنسو اور ارشد علی ارشد بھائی کا (عشق سمندر ہے)

مہینہ...... فروری' مارچ

موسم...... تیز بارش کا اور جب اندر کا موسم اچھا ہو تو

رنگ...... بلیو' بلو' مہرون' پنک' گرے۔

ڈش...... بریانی' تکہ' پزا

شاعری سے زیادہ لگاؤ نہیں بس وصی شاہ' پروین شاکر' محسن نقوی کو پڑھا ہے۔

ایک بری عادت جو نقصان کا سبب بنتی ہے' اصول' قول و قاعد کی باتیں سچ منہ پر مارتی ہوں چاہے کسی کو آگ لگے ہاہاہا...... ساتھ ہی جلدی اعتبار کر لیتی ہوں۔

کبھی کبھار مذاق میں بھی سچ کہہ دیتی ہوں اس سے نقصان کم ہونے کا امکان ہوتا ہے ناں' کم بولتی ہوں نہ زیادہ' جو بولتا ہے سنانا تو پڑتا ہے ناں اور کبھی سننا بھی......

ہر فیصلہ سوچ سمجھ کر کرتی ہوں دل سے زیادہ دماغ کی سنتی ہوں' ویسے تو کوئی خاص کمزوری نہیں لیکن سبزہ زار انسان کی کمزوری ہے' جہاں سبزہ زار نظر آئے انسان قدرت کی صناعی پر مبہوت رہ جاتا ہے' پودوں' پھولوں اور درختوں سے انسان کی محبت فطری ہے۔

سچی کہانیاں میں ناصر رضا انکل مرحوم اور کاشی چوہان بھائی نے بہت سپورٹ کیا حوصلہ افزائی کی۔

میں سپاس گزار ہوں اچھی منزہ آپی کی کہ مجھے بھی کچھ اپنے بارے میں کہنے کا موقع فراہم کیا اللہ پاک سچی کہانیاں اور آپ کا ساتھ سلامت رکھے آمین۔

☆☆......☆☆

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

حیدرآباد سے بھیجی گئی ایک سچی کہانی

غلط فہمی

مہرو کاری تھی اسی لیے باپ کا کلہاڑا اُس کی گردن پر چل گیا......

تحسین جونیجو

حسب معمول رب نواز نے فجر کے وقت اٹھتے ہی اپنی بیوی زیب النساء اور بیٹے راشد کو جگایا۔ پھر خود نماز پڑھنے مسجد کی جانب چل دیا۔

زیب النساء اور راشد گھر میں بھینسوں کو چارہ دینے میں مصروف ہوگئے۔ رب نواز کے واپس آنے تک ان کی اکلوتی بیٹی صنم بھی اٹھ چکی تھی۔ اس نے گاؤں میں موجود پرائمری اسکول میں تعلیم حاصل کی اور تعلیم کو خیر باد کہہ کر گھر پر بیٹھ گئی۔ مزید پڑھائی کا شوق تو تھا مگر گھر میں ماں کو اکیلے ہی سارا کام کرنا پڑتا تھا جس کی وجہ سے اسے تعلیم چھوڑنی پڑی، صنم ذہین بھی بہت تھی شعور اتنا تھا کہ یوں لگتا جیسے کوئی ایم اے اردو کی طالبہ ہو۔

صنم نے مٹی کے بنے چولہے پر چائے کی دیگچی رکھ دی جب تک سب کام سے فارغ ہوکر چارپائی پر بیٹھ گئے۔

چائے کے ساتھ صنم پاپے بھی لے آئی، ماں باپ کو مگ تھما کر بھائی کے لیے دوسری چائے لے کر [illegible]

"اہلِ دنیا اسے دیکھ کر رشک کریں گے۔" مگ کی طرف دیکھ کر صنم نے چہرے پر مسکراہٹ سجا کر کہا اور مگ راشد کے ہاتھ میں تھما دیا اس نے راشد پر طنز کیا تھا۔

"اچھا لگتا ہے کہ ساری دنیا کا ٹھیکہ تمہارے ہی کاندھوں پر ہے۔" راشد نے چڑ کر کہا۔

"ہاں وہ تو ہے تم لڑکیوں کو اتنا کمزور کیوں سمجھتے ہو دیکھو جس مگ میں تم چائے پی رہے ہو وہ بھی تو میں نے ہی بنایا ہے۔"

"کیا ہوا اگر یہ تمہاری طرح تھوڑا سا ٹیڑھا بن کے آیا۔" تو صنم مزید راشد کو چڑانے کے درپے تھی۔

"اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس کھنڈرات کے عظیم نمونے میں مجھے چائے پلانے کا مقصد کیا ہے تمہارا بجی؟"

"ارے بجی مت سمجھو صرف کام بچیوں والے ہیں ناں لیکن سوچ بہت اونچی رکھتی ہوں، جہاں تمہارے جیسے بدھو تاور کی طرح بڑھتا قد مگر عقل وہی [illegible]

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

صنم نے باتوں میں لگا کر اس کی چائے ٹھنڈا شربت بنادی۔

"ہاں ہاں عقل عظیم تو بس تم عظیم بچیوں کے خانے میں ڈالی گئی ہے ناں۔" راشد اب تپ رہا تھا۔

"او ٹھہری ہوئی عمارت ذرا اپنی عقل کے ساتھ اپنے قد کی عمارت کو بھی بڑھاؤ ناں پھر اینٹیں بجانا؟"

"تو تمہیں کیا تکلیف ہے جانتے نہیں ٹھہری عمارتیں اکثر زمین بوس ہوجایا کرتی ہیں۔"

صنم اور راشد کی اس لڑائی کے دوران رب نواز اور زیب النساء اپنے اپنے کام میں مصروف ہوگئے۔ ان دونوں کی لڑائی بڑھتی ہی جارہی تھی جوکہ زیب النساء کی سمجھ میں کم ہی آرہی تھی برتن مانجھتے ہوئے خاموشی سے سنتی رہی۔

"اچھا اب یہ ناٹک بند کرو اور میرے لیے دوسری چائے بنا کر لاؤ اور ہاں خبردار اگر پھر اس لوٹے نما مگ میں چائے لائی تو......"

"ناں تو تمہیں چائے سے مطلب ہے کہ مگ سے جو مل رہا ہے صبر شکر سے اپنے مٹکے نما پیٹ میں انڈیل لیا کرو بس۔" صنم بھی باز آنے والی نہیں تھی

"جاتی ہو یا بابا کو بلا کر آؤں؟" راشد اب غصے میں آ گیا۔

"شوق سے بلا کر آؤ کوئی منع کیا ہے میں نے وہ میرے بھی بابا ہیں۔"

"پتہ ہے یہ سب بابا کے لاڈ پیار نے تمہیں بگاڑا ہے۔" راشد نے کہا۔

"تو تمہیں کیوں درد ہورہا ہے۔"

"بہت ہوگیا صنم اب جاؤ یہاں سے ورنہ اچھا نہیں ہوگا صنم۔"

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

"جارہی ہوں۔" یہ کہہ کر صنم چلی گئی تو راشد بھی غصے میں کھیتوں پر چلا گیا۔

کرہ ارض پر مختلف مذاہب کے الگ الگ بولیاں بولے والے مختلف رنگ ونسل کے انسان مختلف قوموں کی صورت میں بستے ہیں ان انسانوں کی مختلف ثقافت تہذیب اور طرز معاشرت ہے یہی انسان سال کے بارہ مہینوں میں ان گنت تہوار مناتے ہیں ان میں سے کچھ مذہبی ہیں تو کچھ ایسے بھی ہیں جن میں براہ راست مذہب سے کوئی تعلق ہی نہیں لیکن گزرتے وقت کے ساتھ پابندی سے مناتے بھی ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ وطن عزیز میں کہیں کہیں چھوٹے قصبوں دیہات میں کچھ کھیل بہت شوق سے کرائے جاتے ہیں۔ کتوں کی ریس لڑائی بہت قدیم سلسلہ ہے کتوں کی لڑائی اور چھڑانے کے نتیجے میں دونوں افراد کی بات چیت لڑائی کی شکل اختیار کر گئی۔ دونوں فریقین نے ایک دوسرے پر خوب غصہ نکالا اس کھیل میں راشد پیش پیش تھا۔

اسے کتوں کی لڑائی کرانے کا جنون تھا جو اکثر کرایا جاتا۔

دوسری طرف حامد اور اس کے کچھ دوست تھے جنہوں نے اپنی شکست پر خوب واویلا مچایا لیکن راشد نے ان کا منہ بند کر دیا زوردار لاتوں سے کتوں کی طرح روندھ ڈالا خون رسنے لگا۔

معاملہ سنگین ہوتا دیکھ کر زخمی حالت میں حامد کے دوست اسے اٹھا کر اسپتال لے کر گئے۔

راشد خطرہ محسوس کرتے ہوئے وہاں سے بھاگ نکلا۔

زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے حامد اسپتال میں زندگی کی بازی ہار گیا جو کتوں کی لڑائی میں بازی جیتنا چاہتا تھا مگر کسے معلوم کہ زندگی کب کسی کے قابو میں آئی ہے یہ خبر رب نواز اور راشد کے لیے کسی دھماکے سے کم نہ تھی۔

اب راشد کو سزا یقینی تھی دن کی روشنی میں راشد کے مختلف ٹھکانے ہوتے لیکن رات کی سیاہی میں اکثر چوری چھپے اپنے گھر آیا کرتا۔

رب نواز نے اپنے بیٹے کی جان بچانے کی خاطر ایک منصوبہ تیار کیا دوسری طرف حامد کے گھر کہرام مچا ہوا تھا جوان بیٹے کی موت کی خبر کسی قیامت سے کم نہ تھی مہرو حامد کی چھوٹی بہن غش پہ غش کھا رہی تھی سوائے باپ کے اسے سنبھالنے والا کوئی نہ تھا ماں اس کے بچپن میں ہی اللہ کو پیاری ہوگئی۔

دن یوں ہی گزرتے رہے کہ ایک دن مہرو بھینسوں کے گوبر کے اپلے بنا کر دیوار پہ تھاپ رہی تھی۔

راشد اور حامد کا گھر ایک ہی محلے میں تھا۔ اکثر مہرو کام سے فارغ ہو کر صنم سے ملنے آتی تھی بہت پیار بھی تھا دونوں میں گھنٹوں گپے مارا کرتی تھیں۔

اسلام نے عورت کو جہاں اتنے حقوق دیے ہیں وہاں ایک حق یہ بھی دیا ہے کہ وہ اپنے نکاح کا پیغام کسی مرد کو دے سکتی ہے اور اپنے آپ کو نکاح کے لیے پیش کر سکتی ہے ہمارے معاشرے میں تو اسے برا خیال کیا جاتا ہے مگر جہاں تک اسلام کی بات کی جائے تو اسلام نے اس کی اجازت دی ہے۔

رب نواز اس بات سے واقف تھا کہ مہرو راشد کو پسند کرتی ہے اور اسے نکاح کا پیغام بھی بھجوایا ہے۔

اب رب نواز نے تہیہ کر لیا کہ اسے کیا کرنا ہے۔ سل پر سرخ مرچیں پیس کر صنم سالن بنانے کی تیاری کر رہی تھی تو رب نواز نے اسے بہانے سے محلے میں لسی لانے کو بھیج دیا۔ زیب النساء اپنی چھوٹی بہن صغریٰ سے کمیٹی کے پیسے لینے گئی ہوئی تھی۔

شام کے سائے ڈھلنے والے تھے راشد اپنے

www.urdusoftbooks.com

کچے مکان کی چھت پر چارپائی پر سویا ہوا تھا۔
ساتھ والی دیوار پر گوبر کے اُپلے لگاتے ہوئے مہرو کی نظر راشد پر پڑ گئی اسی موقع کی تلاش میں تو تھی مہرو کہ کسی طرح راشد ہاتھ لگ جائے وہ اسے اتنا مارے اتنا مارے جب تک اس کی سانس جاتی نہ رہے۔ دبے پاؤں مہرو اس کے گھر میں گھس گئی اندر جاتے ہوئے رب نواز نے اسے دیکھ لیا۔
قرآن پاک میں سب سے پہلے اور سب سے زیادہ تفصیل کے ساتھ جو احکام دیے گئے ہیں وہ خاندانی نظام اور عائلی معاملات ہی سے متعلق ہیں۔ اس لیے کہ انسان کی جڑ اور بنیاد یہی ہے یہاں سے خاندان بنتا ہے اور خاندانوں کے اجتماع کا نام معاشرہ ہے خاندان مستحکم ہوگا تو معاشرہ مستحکم ہو جائے گا۔
اگر خاندان میں فساد' بے چینی' ظلم اور ناانصافی ہوگی' جھگڑے ہو رہے ہوں گے تو پھر وہاں اولاد کی تربیت صحیح نہیں ہوسکتی' ان کی تربیت میں منفی چیزیں شامل ہو جائیں گی تو اس کا عکس پورے معاشرے پر پڑے گا' یہی وجہ ہے کہ راشد اور حامد کی تربیت میں بگاڑ ابھرنے لگا جو کہ دونوں خاندانوں کے لیے تباہی کا مرکز بنا۔
رب نواز نے گاؤں کے کسی بندے کے کان میں یہ بات ڈال دی کہ حامد کی بہن راشد کے ساتھ رنگ رلیاں منا رہی ہے اس کے گھر پر وہ بھی سب کی غیر موجودگی میں...... اتنا سننا ہی کافی تھا۔ یہ دھواں دھار خبر وہ بندہ حامد کے باپ کو سنانے اس کے گھر پہنچ گیا' دروازے پر ہی حامد کا باپ اسے مل گیا اس نے لمحہ ضائع کیے بغیر اس کے کان میں سرگوشی کی کہ مہرو (کاری) ہے راشد کے ساتھ......
جواب دیے بغیر مہرو کے باپ نے گھر میں پڑا کلہاڑا اٹھا کے دوڑتا ہوا راشد کے گھر پہنچ گیا۔

غزل

وہ جو اونچا مقام رکھتے ہیں
دور سے ہی سلام رکھتے ہیں
انہیں کچھ خبر ہی نہیں دنیا کی
جو اپنے کام سے ہی کام رکھتے ہیں
جو تھے ہی شروع سے شرابی
وہ ہر وقت ہاتھوں میں جام رکھتے ہیں
وہ محفل میں ہر طرف دیکھتے ہیں
وہ محبت کو بے نام رکھتے ہیں

یاسر وکی اڈہ۔ اوکاڑہ

راشد موقع پا کر فرار ہو گیا اور بے چاری مہرو موت کے گھاٹ اتر گئی وہ بھی اپنے ہی باپ کے ہاتھوں ...... یہ خبر بھی آگ کی طرح پورے گاؤں میں پھیل گئی کہ مہرو کاری تھی اور اپنے انجام کو پہنچ گئی راب نواز اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا۔ راشد گاؤں چھوڑ کے بھاگ گیا۔
جوان بیٹے اور اب بیٹی کے موت کا صدمہ مہرو کے باپ کے لیے سہنا دشوار تھا اس کی پاگلوں سی حالت ہوگئی۔
برسوں لوگوں نے مہرو کے باپ کو پاگلوں کی طرح گاؤں کی گلیوں میں گھومتے ہوئے دیکھا وہ گھروں کے دروازے کھٹکھٹا کے پوچھتا رہتا۔
''مہرو ہے؟ حامد ہے؟'' اور پھر وہیں زمین پر بیٹھ کر سر میں مٹی ڈالتا اور زار و قطار روتا...... ایک غلط فہمی نے ہنستے بستے گھر کو اُجاڑ دیا...... عدم برداشت نے دوستوں کو قاتل بنا ڈالا یہی المیہ ہے ہمارے معاشرے کا......

☆☆ ☆☆

www.urdusoftbooks.com

راولپنڈی سے ارسال کردہ اثر انگیز تحریر

ایسا بھی ہوتا ہے

مسز بیکر نے اپنے شوہر کے ساتھ ایک خوشگوار ازدواجی زندگی گزاری تھی اور وجہ شوہر سے جڑے ہر رشتے سے محبت تھی......

رفعت محمود

"فرحت......!" ایری کی آواز آئی تو میں نے بالکونی سے نیچے جھانکا۔

"کم ہیئر۔" وہ مجھے نیچے لان میں اشارے سے بلا رہی تھی اور اس کے ساتھ لاجوردی رنگ کی دھنک عموداً کھڑی تھی۔

"یہ کون ہے؟" میں جلدی سے سیڑھیاں اُتر کر ان کے پاس جا پہنچی۔

"یہ مسز بیکر ہیں اور یہ......" ایری نے اُن کا تعارف کراتے ہوئے کہا اور تعارف ادھورا ہی رہ گیا جب اس مسکراتی ہوئی مجسم زندگی نے میرا ہاتھ گرم جوشی سے تھام کر ہلکے سے دبایا اور بولی۔

"فرحت...... میں جانتی ہوں۔" میں ساکت کھڑی اس نیلگوں شاہکار کو ٹک ٹک دیکھے جا رہی تھی۔

اُس کی آنکھیں سمندر کی طرح نیلی، گہری اور چمکدار تھیں۔ اس نے لمبی سی فیروزی مائل فراک پہن رکھی تھی۔ ساتھ ہی ہم رنگ نائیلون کی شفاف جرابیں، پاؤں میں اونچی ایڑھی کے فیروزی سینڈل، اس کے بازوؤں پر ابھری ہوئی نیلی نیلی رگیں قدیم مصری اپسراؤں کی مانند اس کی شخصیت کا احاطہ کیے ہوئے تھیں۔ اور تو اور...... اس کے سفید بالوں میں نیلاہٹ لیے ہوئے ایک طلسم برپا تھا۔

"او گاڈ...... میں نیلے سمندر کے سامنے ہوں یا چرخ نیلی فام کے۔" میں نے حیرت کے عالم میں کہا۔ تو وہ زور سے قہقہہ لگا کر بولی۔

"تم اس وقت مسز بیکر...... نہیں نہیں صرف جوڈی کے سامنے کھڑی ہو۔" اس کے سرخی لیے ہوئے ہونٹ اس کے نیلے سراپے پر یوں حرکت کر رہے تھے۔ جیسے سمندر کے سینے پر ہلکورے لیتے ہوئے رنگین بجرے، وہ بھرپور زندگی کی علامت تھے۔ آؤ اِدھر کرسی پر بیٹھیں۔"

☆......☆......☆

وہ پہلی ہی ملاقات میں برسوں کی بے تکلفی لیے ہوئے تھی۔ اس لیے جلد ہی ہم نے اپنی اپنی پٹاریوں سے یادوں، خوشبوؤں، محبتوں اور سوچوں کی رنگین کترنیں نکالیں اور معصوم بچوں کی طرح ایک دوسرے کو دکھا کر وقت پر کمندیں ڈالنے لگیں اس

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

طلسم ہوشربا کے انجانے درودیوار کھولتے ہوئے ہمیں ذرا بھی وقت نہ ہوئی کیونکہ خلوص کا کھل جا سم سم اس کے رگ و پے میں سمایا ہوا تھا اور انگریزی وہ بہت اچھی بولتی تھی۔

''تم دونوں باتیں کرو...... میں تمہارے لیے کافی اور کچھ کھانے کو لاتی ہوں۔'' ایری یہ کہہ کر اٹھ گئی۔

اور ہم دونوں یوں باتیں کرنے لگیں جیسے بچھڑی سہیلیاں برسوں بعد ملی ہوں۔ اور کہنے کو بہت سی گھڑیاں اپنے آنچلوں کی باندھ لائی ہوں۔ وقفے وقفے سے ہمارے قہقہے اس خوب صورت سہ پہر کی فضاؤں میں ارتعاش پیدا کر دیتے اور ہماری دوست اپنے کچن کی کھڑکی سے سر نکال کر اسے جرمن میں کہتی۔

''میرے لیے یہ قہقہے سنبھال کر رکھنا...... ورنہ میں کافی نہیں پلاؤں گی...... ہاں ...... اور نہیں تو کیا۔''

''آپ اتنی اچھی انگریزی کیسے بول لیتی ہیں؟'' میں نے اس اجنبی دوست سے پوچھا کہ جرمنی اور آسٹریا میں کم ہی ایسے لوگ دیکھے ہیں جو نک سک سے درست اتنی اچھی انگریزی فرفر بولتے ہوں۔

''یہ ایک لمبی کہانی ہے...... کیا تم سنو گی؟'' اس زندہ دل اور خوش مزاج خاتون نے تکلف سے کہا۔

''ہاں ہاں...... کیوں نہیں؟'' میں نے خوشی دلی سے جواب دیا کہ شام میری اپنی تھی۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

"تو......سنو۔" اس نے کرسی کی پشت پر سر رکھتے ہوئے اور اپنے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے کہا۔

"کہاں سے شروع کروں؟"

"جہاں سے مرضی سرا پکڑلو...... میرے لیے وہی آغاز ہوگا۔"

"ہاں...... جنگ عظیم دوم سے شروع کرتی ہوں۔ جب میں زندگی سے بھرپور سولہ سترہ سال کی شوخ وشنگ زندہ دل دوشیزہ ہوا کرتی تھی۔

"خیر وہ تو آپ اب بھی ہیں۔" میں نے اس کی زندہ دلی کی داد دینے میں بخل سے کام نہ لیا۔ وہ آنکھیں موند کر ماضی کے بحر خار سے یادوں کے موتی تلاش کرکے لانے لگی۔

اس کی مسکراہٹ گہری ہوگئی۔ شاید کوئی اس کے خوابوں میں در آیا تھا۔ جبھی تو اس کی بند آنکھوں کے ابھرے ابھرے پپوٹے جو نیلے آئی شیڈ کی چمکدار رضائی اوڑھے ہوئے تھے۔ ہلکے ہلکے لرزنے لگے۔ اس کے گلاب کی پنکھڑیوں جیسے لب ہلکے سے وا ہوئے۔

☆......☆......☆

"جنگ کی وجہ سے تعلیم چھوڑ کر میں نے ٹائپنگ سیکھ لی تھی۔ اور ایک فوجی دفتر میں بطور ٹائپسٹ ملازمت کرنے لگی تھی جب جنگ ختم ہوئی تو ہم ہار چکے تھے اور میں بھی ہار گئی تھی۔ انگریزوں نے آسٹریا اور جرمنی کو فتح کرلیا تھا اور اس لمبے چوڑے بنجر دل کو......"

"تم سن رہی ہو نا؟" اس نے آنکھیں کھول کر مجھ سے پوچھا۔

میں کرسی پر ذرا سا آگے ہو کر بڑے انہماک سے اس کی دیدہ زیب نیلاہٹ' اُس کے پیار کی گرماہٹ اور اس کی محبت کی کہانی کی لطافت کھلی آنکھوں سے محسوس ہو رہی تھی۔

"ہاں...... ہاں...... کیوں نہیں۔" میں نے چونک کر کہا۔

"وہ میجر جس روز میرے دفتر میں داخل ہوا...... تو مجھے افسوس ہوا کہ سارا خلا بھر گیا ہے...... ایک آدمی کے وجود نے سارے دفتر کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ باقی سب کچھ پس منظر میں چلا گیا تھا۔

کچھ اور سوا ہوگئی دھڑکن میرے دل کی
جب بھی وہ مجھے سرو خراماں نظر آیا

میں اس کے ساتھ کئی اہم جگہوں کے معائنے کے لیے جایا کرتی تھی۔ جانے کب اس کی آنکھیں اور ہونٹ سرکاری احکام دیتے دیتے پرائیویٹ پیغامات کی ترسیل بھی کرنے لگے تھے۔ آخر ایک دن سنہرے سے اس نے مجھ سے پوچھا۔

"کیا تم آج شام میرے ساتھ ڈنر کرنا پسند کروگی؟"

میں اس کی براؤن آنکھوں کی مدھم لو اور اس کے سرخ بالوں کے شعلوں سے پہلے ہی جل کر بھسم ہو چکی تھی۔ نہ کیسے کرتی......

میرے جسم کا رواں رواں تو پہلے ہی خوشی سے رقص کر رہا تھا شام تو ابھی دور تھی۔ میں نے اس سہانی شام کو ڈھیر سارا میک اپ کیا اور نیلے رنگ کا لباس پہنا۔

"نیلا کیوں؟ کیا تمہیں نیلا رنگ بہت پسند تھا۔" میں نے وضاحت چاہی...... اچھا تو یہ بات تھی کہ وہ تو بہت پہلے ہی اس کے عشق میں فنا ہو چکی تھی......

"کیا وہ تمہاری آنکھوں کے فیروزی رنگ پر مرمٹا تھا؟" میں پوچھے بغیر نہ رہ سکی۔

"پتہ نہیں۔" اس کے چہرے پر مسرت کی لہریں دوڑنے لگیں۔ اور اس نے اپنی بات جاری

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

رکھی۔

"اُسے نیلا رنگ بچپن ہی سے پسند تھا۔ شاید اسی لیے میری آنکھوں کی رنگت نے اسے میری جانب متوجہ کیا تھا اور ہم نے برسوں کے فاصلے دنوں میں طے کر لیے تھے۔

اس شام وہ سیاہ ڈنر سوٹ پہنے بہت وجیہہ لگ رہا تھا۔ موم بتیوں کی جھلملاتی لوؤں کی مدھم روشنی میں ہم نے بہت ساری باتیں کیں۔

"تمہیں جنگ کیسی لگتی ہے؟" میجر نے دوران گفتگو میری طرف جھکتے ہوئے پوچھا۔

"بری...... بہت بری...... میں نفرت کرتی ہوں جنگ سے۔" میں نے دل کے خیالات لبوں پر لاتے ہوئے کہا۔

"جنگ خواہ کسی قوم کی...... کسی خطے میں کسی جگہ ہو...... یہ تباہی اور بربادی کے سوا کچھ نہیں ہوتی...... اس لیے میں اس سے نفرت کرتی ہوں۔"

"تم سچ کہتی ہو...... میں بھی جنگ سے نفرت کرتا ہوں...... فوج میں شامل ہونے کے باوجود...... اپنی قوم کے لیے فتح حاصل کرنے کے باوجود...... میں اسے ناپسند کرتا ہوں۔ میں اپنی مرضی کے خلاف اس جنگ میں جھونکا گیا ہوں۔ جنگ میں جیتنے والا بھی خالی ہاتھ ہوتا ہے اور ہارنے والا بھی۔ میں جنگ ختم ہوتے ہی وطن واپس جا کر کوئی اور اچھی سی ملازمت تلاش کروں گا...... اور......!" اس نے تھوڑا سا توقف کیا پھر سر کو ہلکا سا خم دے کر بولا۔

"تم چلو گی میرے ساتھ؟"

"ہاں...... میں تمہارے ساتھ دنیا کے آخری کونے تک جانے کو تیار ہوں۔"

"نہیں...... دنیا کے آخری کونے میں انٹارکٹکا ہے۔ وہاں تو منجمد کرنے والی سردی پڑتی ہے۔ میں تمہیں تو وہاں لے جا کر نہیں رہوں گا...... ہم لندن

غزل

تم کوئی سوال مت کرنا
آنسوؤں کا خیال مت کرنا

یاد کر کے پچھلی یادوں کو
اپنا جینا محال مت کرنا

تیرے لفظوں سے کوئی زخمی ہو
ایسی قائم مثال مت کرنا

زندگی کا سفر کوئی بھی ہو
چاہتوں کو نڈھال مت کرنا

کچھ دنوں میں ہی لوٹ آنا تم
جا رہے ہو تو سال مت کرنا

رنج رانا جو پہنچے اس دل کو
ایسا کوئی سوال مت کرنا

قدیر رانا

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

میں ہی گزارہ کرلیں گے.....ٹھیک ہے نا؟''

''ہاں..... ہم لندن میں سمندر کے کنارے ایک چھوٹی سی کاٹیج میں رہیں گے۔''

''تم فی الحال کاٹیج کو بھول جاؤ ہم اپنے چھوٹے سے فلیٹ میں رہیں گے..... اور میں ایک بڑی اہم بات کرنے والا ہوں۔ غور سے سنو..... میرے دو بچے ہیں ایک بیٹا..... ایک بیٹی۔'' اس نے سگریٹ کی راکھ ایش ٹرے میں جھاڑتے ہوئے کہا۔

''ک..... کیا؟'' کافی کے گھونٹ میرے حلق میں پھنسنے لگے۔ کافی ایک دم سے بہت ہی کڑوی ہوگئی۔ میرے لیے اس تلخ حقیقت کا سامنا کرنا بہت دشوار تھا۔ میں نے چمچ سے کافی میں اور چینی ڈالی اور دھیرے دھیرے کافی کو اسی طرح چکر دینے لگی جیسے اس وقت میرا دماغ چکر پھیریاں کھا رہا تھا۔

''تمہاری بیوی؟'' بمشکل میرے منہ سے یہ الفاظ نکلے۔

''وہ مجھے چھوڑ کر چلی گئی..... وہ جنگ ختم ہونے کا انتظار نہیں کرسکتی تھی۔'' اُس نے میری جانب امید و ناامیدی کی درمیانی کیفیت سے جھانکتے ہوئے کہا۔

اس کی براؤن آنکھوں میں امڈتے محبت کے وسیع سمندر نے فیصلہ جلد کروانے میں بڑی مدد کی اور میں نے اس کے میز پر رکھے ہوئے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر مہر محبت کا تصدیق نامہ ثبت کردیا..... میرے اس فیصلے کے بعد ہر طرف سے مخالفت کا طوفان امڈ آیا تھا.....

میرے والدین' بہن بھائی' خاندان' احباب' پڑوسی غرضیکہ سب نے کھلے عام یا دبے لفظوں میں خوب مخالفت کی کہ یہ ناسمجھ دوشیزہ ایک انگریز سے شادی کرکے ہماری ناموس کو بٹہ لگائے گی۔ مگر محبت ان دنیاوی رسوم و قیود سے بہت بالاتر ہوتی ہے.....

بہت عظیم..... جسے عام لوگ سمجھ ہی نہیں سکتے..... سو ہم نے شادی کرلی..... گویا..... عشق نہ پچھے ذات.....

''پھر؟'' میں نے تھوڑی کو ہاتھوں کی کٹوری سے آزاد کرتے ہوئے بڑے بڑے تجسس سے پوچھا۔

''پھر کیا؟ پھر ہم لوگ لندن چلے گئے اور وہاں ہم نے ایک دوسرے کی محبت میں ڈوب کر زندگی یوں بتادی کہ ماہ و سال کا پتہ تک نہ چلا۔

''کیوں؟ کیا وہ اتنی محبت کرتا تھا؟'' میں نے شرارت سے پوچھا۔

''محبت؟ محبت کا لفظ تو شاید چھوٹا ہے..... وہ میری پوجا کرتا تھا..... فرحت! وہ مجھے دیوی بنا کر پوجتا تھا۔''

''ساری عمر؟'' میرے لیے وہ خاصی اچنبھے کی اور افسانوی سی بات تھی۔

''ہاں ساری عمر..... اس نے مجھے پوجا اور میں نے اس کی محبت کو عبادت جانا..... اسے میرے سوا دنیا میں کچھ نظر نہ آتا تھا اور مجھے اس کے بنا.....''

''اور بچے؟'' میں نے اکیسویں صدی کی اس خوش نصیب 'ہیر' کو رانجھے کے حصار سے نکالنا چاہا۔

''بچے؟ میری اپنی اولاد نہ ہوئی..... لیکن اس کے بچے میرے ہی بچے تھے..... میں نے شروع دن ہی اُن معصوم فرشتوں پر اپنی ساری ممتا نچھاور کردی کہ وہ اپنی سگی ماں کو یاد تک نہ کرتے تھے..... میرے شوہر سے تعلق رکھنے والی ہر شے مجھے جان سے بڑھ کر عزیز تھی۔

''ہیر.....'' پھر رانجھے کے حلقے سے نکلنے کو تیار نہ تھی۔

''بچے اب خود بال بچے دار ہوگئے ہیں..... بیٹا اسپین میں ہے اور مجھے کرسمس کارڈ اور مدر ڈے پہ گفٹ ضرور بھیجتا ہے اور بیٹی امریکہ میں ہے۔'' اس

www.urdusoftbooks.com

نے بچوں کا ذکر بڑی محبت اور خوش دلی سے کیا۔

"پھر آپ آسٹریا کیسے آ گئیں؟"

"میں نے چالیس برس سے زیادہ عرصہ انگلینڈ میں گزارا۔ اپنے محبوب کے سنگ...... میں نے ان کی زبان رسم و دوزخ معاشرت ...... غرضیکہ ہر چیز کو اپنایا...... اپنی جند جان بنالیا کہ وہ میرے محبوب کا دیس تھا۔

"آپ کو اس میں دشواری نہیں ہوئی؟"

"نہیں دشواری کیسی؟ محبوب کے لیے تو لوگ جانیں قربان کر دیتے ہیں...... میں نے تو صرف ان سے تعلق رکھنے والی ہر چیز کو اپنایا تھا۔"

"پھر...... پھر؟" میں کہانی کا انجام جاننے کو بے قرار تھی۔

"پھر چند سال قبل وہ بیمار ہو گیا تھا۔ ڈاکٹروں کی ہدایت کے مطابق ہم بہتر آب و ہوا کے لیے آسٹریا چلے آئے یہاں آئے ہوئے اسے ایک سال دو مہینے اور پندرہ دن ہوئے تھے کہ وہ راہی عدم ہو گیا اور میں تنہا رہ گئی۔ زندگی میں پہلی بار ہم جدا ہوئے تھے۔

میں حیران تھی کہ اس کا حساب کتاب کتنا درست تھا کہ اسے سال مہینے اور دن تک یاد تھے۔ وہ آنکھوں میں آنے والے آنسو پی جانے کی کوشش کر رہی تھی۔ جس میں وہ تھوڑی سی تگ و دو کے بعد کامیاب ہو گئی۔ اس نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگا لی تھی۔ تھوڑا سا سنبھل کر وہ پھر گویا ہوئی۔

"ہم نے ایک دوسرے سے عہد لیا تھا کہ مرنے یا ایک دوسرے سے کسی بھی حالت میں جدا ہونے کے بعد اپنے آپ کو روگ نہیں لگائیں گے۔ اپنی صحت کا خیال رکھیں گے اور خوش رہ کر بقیہ زندگی گزاریں گے۔ اس نے شاید اس لیے وعدہ لیا تھا کہ وہ جانتا تھا کہ وہ مجھ سے پہلے...... بہت پہلے رخصت ہو جائے گا۔ اسے میرا بہت خیال تھا' وہ چاہتا تھا کہ میں خوش و خرم رہوں...... چنانچہ وعدے کے مطابق میں...... اپنے آپ کو خوش رکھنے کی کوشش کرتی رہتی ہوں...... اس لیے میں اپنے آپ کو مصروف رکھتی ہوں...... کئی جگہوں کی ممبر ہوں...... تنہا نہیں رہتی...... اپنی کسی دوست کے پاس چلی جاتی ہوں۔"

☆......☆......☆

میں اس اکیسویں صدی کی محبت کی لازوال کہانی پر حیران رہ گئی تھی۔ جس میں جدا ہونے والوں نے ایک دوسرے کی یادیں ہجر اور آنسوؤں کے دیوان مرتب کرنے کے بجائے ایک بھرپور زندگی گزارنے کا عہد کیا تھا۔ اور اس عہد کو صرف لفظی پابندی ہی نہیں عطا کی تھی بلکہ دل و جان سے نباہ بھی رہے تھے۔

"میں آپ کو اس کامیاب اور محبت بھری زندگی پر خراج تحسین پیش کرتی ہوں۔" میں نے اس نیلم پری کو تہہ دل سے مبارکباد پیش کرتے ہوئے کہا۔ جس کی پور پور سے آج بھی وہ نیلی نیلی...... ٹھنڈک اور طمانیت سے بھرپور نور کی شعاعیں پھوٹ رہی تھیں۔ جو روح کو بالیدگی بخش کر محبت کے عظیم ترین ہونے کا احساس دلا رہی تھی۔

"بندی آپ کی شکر گزار ہے مادام......!" اس نے تبسم بکھیرتے ہوئے سینے پر ہاتھ رکھ کر سر کو ذرا خم دیتے ہوئے شرارت سے کہا۔ اور کچھ ہی دیر بعد فضا میں اس کے قہقہے حسب معمول تیرگی کو چیر رہے تھے۔ وہ تیرگی اور ظلمت جو گردش زمین سے نہ جانے کب ہمارے گرد چھائی تھی...... فقط اس کے بالوں میں اٹھنے والی نیلی دھندلاہٹیں اس تاریکی میں سپیدی نور کا مظہر تھیں۔

☆☆......☆☆

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

اوکاڑہ سے ارسال کردہ خوبصورت تحریر

زرباز

بدقسمتی کبھی بھی وارد ہو جاتی ہے ایسا ہی کہانی سنانے والے کے ساتھ ہوا......

جاوید راہی

جون کا مہینہ اور پھر چاروں جانب سنگلاخ پہاڑ، پچاس سے اوپر درجہ حرارت جس نے مجھے دہلا کر رکھ دیا تھا، ہینڈ ٹاول سے بار بار میں چہرہ پر آیا پسینہ صاف کرتے ڈپٹی کے قدم سے قدم ملاتا ان کے آفس کی جانب بڑھ رہا تھا۔

ڈپٹی کے آفس میں داخل ہوتے میری نظر اس قیدی پر پڑی جو دو پولیس وارڈن کے درمیان نظریں جھکائے کھڑا اپنے پیروں کی جانب دیکھ رہا تھا۔ ڈپٹی نے اپنے چیئر پر بیٹھتے مقامی بولی میں دونوں سے کچھ کہا وہ سلوٹ کرتے باہر چلے گئے۔ اب میں اور امتیاز بلوچ آمنے سامنے کھڑے ایک دوسرے کا جائزہ لے رہے تھے۔ ڈبلا پتلا چالیس سے اوپر کا امتیاز بلوچ جس کے چہرے پر جیل کی زندگی کے آثار نمایاں دکھائی دے رہے تھے، بڑی دھیمی آواز میں بولا جناب آپ کی غریب پروری کا تاحیات احسان مند رہوں گا آپ میری گذارش پر لاہور سے بلوچستان اس قیامت کے موسم میں تشریف لائے ہیں میرے پاس کوئی الفاظ نہیں جو میں آپ کی نذر کروں۔ میں نے ڈپٹی صاحب کو مخاطب کرتے اسے بیٹھ جانے کی اجازت طلب کی انہوں نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ شکریہ کہتے کارپٹ پر آلتی پالتی مارتے میرے سامنے بیٹھ گیا۔

کب سے میری کہانیاں یعنی جیل کہانیاں پڑھ رہے ہو؟ جی باقاعدگی سے تو نہیں ایک آدھ بار ملاقاتی حضرات اپنے عزیزوں کی ملاقات کے دوران اخبارات، رسائل بھی جاتے ہوئے چھوڑ جاتے ہیں جو پڑھنے کو مل جاتے ہیں۔ آپ کی تحریر کردہ جیل کہانیاں

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

پڑھنے کے بعد میں نے اپنے ساتھ ہونیوالی ناانصافی بارے اپنی آواز اعلیٰ حکام تک پہنچانے کا فیصلہ کرتے آپ کے چیف صاحب کو لیٹر لکھا تھا۔اس نے پرامید نظروں سے میری جانب دیکھتے بتایا۔ہاں تو شروع کریں میں نے اپنے آگے رکھے پانی کے گلاس کو ایک سائیڈ پر کرتے اسے متوجہ کیا۔

''میری بدقسمتی کا آغاز اس وقت ہوا جب نیو کیمپس ہائی اسکول کے ٹیچر بشارت علی چوہان صاحب سے زیارتوں پر جانے اظہار کیا یہاں میں عرض کرتا چلوں کہ ہم بلوچوں کی آبادی شہر کے وسط میں ایک ہی جگہ آباد تھی ہمارے قبیلہ کے مرد و خواتین مل کر کام دھندا کرتے آرہے ہیں یہ سلسلہ ہماری کئی پشتوں سے چلا آرہا ہے۔میرے رشتہ دار مرد عورتیں زیارتوں کی آڑ میں ایران سے واپسی پر بہت سارا مال اپنے ساتھ لے آتے اور خوب منافع کماتے۔میرا ارادہ بھی یہی تھا جو مجھے چوہان صاحب کے گھر لے گیا۔

بشارت علی چوہان کا مکمل خاندان اہل تشیع

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

تھا اور وہ ضلع بھر کی تنظیم کے عہدیدار بھی تھے ان کے جاری کردہ سفارشی لیٹر پر ایران کا ویزہ آسانی سے لگ جاتا تھا سو ایک دو بار چکر لگانے پر چوہان صاحب نے سفارشی لیٹر دے دیا جو پتوکی امام بارگاہ کی تنظیم کے نام تھا۔ میں پتوکی اسٹیشن کے کواٹروں میں جعفری صاحب سے ملا انہوں نے لیٹر پڑھ کر میرا پاسپورٹ اور شناختی کارڈ آٹھ تصویریں اور پانچ سو روپے لے کر رکھ لیے اور میرا رابطہ نمبر لکھ کر ویزہ لگ جانے کی اطلاع دینے کا وعدہ کرتے مجھے اجازت دے دی۔

تقریباً دس روز بعد مجھے فون آیا کہ تمہیں ٹھوکر نیاز بیگ ونگ جسے سید اعجاز حسین شاہ نقوی کمان کریں گے کے ساتھ شامل کر دیا گیا ہے۔ میں نے دھڑکتے دل سے اس نمبر پر فون کیا دوسری طرف سے بولنے والے خود اعجاز نقوی تھے، بڑی محبت سے پیش آئے اور مجھے ایک ہفتہ بعد آنے کا دن اور ٹائم بتایا، قافلہ چلنے کا اور آنے جانے کا خرچہ مکمل کھانا پینا رہائش ساڑھے آٹھ ہزار روپے فی کس بتا کر فون بند کر دیا۔ میں نے ایران جانے کی تیاری شروع کر دی۔ پاکستان سے الیکٹرونک کا سامان جس میں ٹیپ ریکارڈر اور ایسا ہی چھوٹا موٹا سامان جو ہمارے لوگ لے کر جاتے تھے وہ میں نے بھی تھوڑا سا ساتھ رکھ لیا اور وقت مقررہ پر ریلوے اسٹیشن پر آ گیا۔ زیادہ تلاش نہ کرنا پڑا ہمارا زیارتی قافلہ ایک فرسٹ کلاس کے ڈبہ میں 25 افراد پر مشتمل تھا جس میں سات خواتین اور میرے سمیت اٹھارہ مرد تھے۔

تمام زائرین کے لیے جوس بسکٹ، منرل واٹر اور ایسے ہی خشک خورونوش کا بندوبست تھا، گیس کے سلنڈر اور برتن، مصالحہ جات، دالیں، چاول، آلو پیاز وغیرہ طالب اور حنیف نامی لڑکوں کے کنٹرول میں تھا جو ٹرین کے ڈبہ میں ہی کھانا بنانے کے ماہر تھے۔ میرے سوا تمام زائرین ایک دوسرے کو جانتے تھے۔

ایک دو سٹاپوں کے بعد میں بھی ان میں سے دو چار کا واقف کار ہو چکا تھا۔ اعجاز نقوی واقعہ کربلا اور مجلس بہت خوبصورت انداز میں پیش کرتے آ رہے تھے میرا مسلک سنی تھا مگر میں نے ان پر یہ بات سرے سے ثابت ہی نہیں ہونے دی تھی میں تو ان میں پھیرے کی آڑ میں زائرین کا لبادہ اوڑھے بیٹھا تھا۔ کوئٹہ پہنچ کر رات پلیٹ فارم پر بسر کی اور دوسرے روز تفتان کے لیے ٹرین میں سوار ہو گئے۔ رات بازار جا کر نقوی صاحب نے کھانے پینے کے سامان کے علاوہ فروٹ بھی وافر مقدار میں خرید لیا تھا۔ اگلا سفر خاصا خوشگوار ثابت ہوا، ٹرین میں صرف زائرین تھے یا ایسے مسافر جو راستے میں آنے والے چھوٹے چھوٹے اسٹیشنوں پر اتر چڑھ رہے تھے۔

دوپہر کا کھانا ٹرین میں ہی کھایا تقریباً چار بجے گاڑی تفتان بارڈر پر پہنچ کر رک گئی، نقوی صاحب نے مجھے سب کے پاسپورٹ دے کر لسٹ بنانے کا کہا میں نے ترتیب وار لسٹ بنا کر پاسپورٹ امیگریشن کے سپرد کر دیے۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

رش اتنا بھی زیادہ نہیں تھا کہ دھکم پیل کا سلسلہ چل نکلتا اسی دوران تھوڑے فاصلے پر بنے چھپروں کے بازار کی طرف چل پڑا چاروں جانب دوکانوں پر طرح طرح کا ایرانی سامان اور کھانے پینے کی اشیا موجود تھیں۔ ایک ہوٹل پر تازہ کباب اور قہوہ پیا اور گھوم پھر کر واپس اسٹیشن پر پہنچ گیا ابھی تک بارڈر کراس کرنے کی اجازت نہیں ملی تھی۔ ہمارے گروپ کے لوگ اسٹیشن پر بنے لوہے کے شیڈ کی چھاؤں میں بیٹھے اِدھر اُدھر کی باتوں میں مصروف تھے میں بھی ان کے پاس آ بیٹھا۔

تھوڑی دیر بعد سب کے پاسپورٹ مکمل ہو کر مل گئے ہم بھی دوسرے لوگوں کی طرح ٹرین میں آ بیٹھے آخر کار ٹرین رینگتی ہوئی ایران کی حدود میں داخل ہو گئی۔ یہاں بھی امیگریشن کا معاملہ شروع تھا۔ میرا بیگ جس میں برائے نام الیکٹرونک کا سامان تھا وہ میں نے سب کے سامان میں گھسیڑ رکھا تھا اور بے فکر ہو کر ایران کی سرحد میں اِدھر اُدھر سٹالوں پر چکر کاٹنے میں مصروف تھا۔ ہمارے گروپ میں جتنے بھی لوگ تھے وہ کئی کئی بار ایران آ چکے تھے اس لیے انہیں ساری اونچ نیچ کا پتہ تھا۔ اعجاز نقوی صاحب امیگریشن سے نپٹ کر ہمارے درمیان آ کے اور سب کو اگلے سفر کے بارے میں سمجھانے لگے طالب نوشابہ کے یخ ٹن پیک سب کو بانٹ رہا تھا۔ پینے والے مشروب کو ایران میں نوشابہ کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ چیکنگ مکمل ہونے پر ٹرین زاہدان کی جانب روانہ ہو گئی۔ راستے میں ایک دو بار تھوڑی دیر کے لیے گاڑی رکی اور آخر کار زاہدان کے پر رونق اسٹیشن پر انجن خاموش ہو گیا۔

زائرین کی آمد پر ایران کی فلاحی و اسلامی تنظیمیں ہاتھوں ہاتھ زیارتوں پر آئے لوگوں کو سنبھال رہی تھیں آرام دہ بسوں کی لائنوں میں اپنی تنظیموں کے نشان آویزاں تھے اور وہ لوگ اپنے اپنے گروپ آپس میں تقسیم کر رہے تھے ہمیں جو بس تہران کے لیے ملی وہ وطیانہ بسکٹ فیکٹری کی جانب سے تھی۔ ہمارا گروپ وطیانہ بسکٹ بنانے والی کمپنی کا مہمان تھا۔ بس میں ہمارے سوا میرجاوا سے بھی زائرین تھے۔ تقریباً پچاس لوگوں کو لے کر بس اپنے اگلے سفر پر روانہ ہو چکی تھی بس میں پانی اور قہوہ کا بہترین اہتمام تھا اور پونے دو گھنٹے کی مسافت کے بعد بس ایک خوبصورت مسجد کے دلان میں آ رکی۔

مختلف اقسام کے پکے پکائے تیار کھانے ڈبوں میں بند تھے وہ ایرانی روٹیوں کے ہمراہ تمام لوگوں میں تقسیم کر دیے گئے۔ بند ڈبوں میں مٹن، چکن سبزیاں اور مقامی سالن تھا۔ بھوک برائے نام تھی مگر کھانے کا لطف آیا جہاں بھی ہماری بس رُکتی مقامی لوگ بس کو گھیر لیتے اور کھانے پینے کی چیزوں کے ڈھیر لگا دیتے۔ تمام رات طیار (بس) محوِ سفر تھی صبح فجر سے قبل تہران سٹی میں داخل ہوئی سامنے امام خمینی کا روضہ بقعہ نور کی مثال نظر آیا۔ بس روضے کے اطراف آدھا چکر کاٹتے ایک بڑی شاہراہ کی جانب مڑ گئی۔ کافی سڑکیں بدلتے ایک

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

وسیع میدان نظر آیا جو زائرین سے اَٹا پڑا تھا۔ ہماری بس کا منتظم ہمیں ایک جگہ اکٹھا رہنے کی تلقین کر رہا تھا وہ ایک پاکستانی تھا اور ایران میں تعلیم کے حصول کے لیے رہ رہا تھا۔

احمد نام تھا اس کا دوران سفر اس نے تمام زائرین کی لسٹ مرتب کر لی تھی اور باقاعدہ نام بول کر تعداد پوری کر رہا تھا۔ سب لوگ جو بس میں سے نکل کر ایک سائیڈ پر کھڑے ہو چکے تھے کو مخاطب کرتے اس نے بتایا کہ یہ بس پندرہ روز تک ان کے استعمال میں رہے گی اور رہائش وطیانہ بسکٹ فیکٹری میں ہو گی اور سب کے پاس یہ کارڈ رہے گا اگر بھول بھال ہو جائے تو کارڈ کو دکھانے پر آپ اپنی رہائش پر پہنچ جائیں گے ایسی ہی کئی ضروری باتوں کے بعد ہم سب میں کارڈ تقسیم کیے گئے اور ساتھ ہی کمبل بھی اور چھوٹے چھوٹے قالین بھی جو شائد ہمارے بستر تھے پھر دوبارہ ہمارا قافلہ بس میں سوار ہو کر وطیان چل پڑا۔

بہت بڑی فیکٹری تھی جس کے کئی ایک پورشن تھے ہمیں ایک بہت بڑے ہال میں شفٹ کر دیا گیا مقامی میزبان جن میں خواتین اور اسکاؤٹ لڑکے شامل تھی ہمیں ہر طرح کی سہولت فراہم کر رہے تھے۔ جوس اور آئسکریم سے ہماری خاطر تواضع کی گئی پھر ناشتہ جو خالص ایرانی انداز کا تھا چاول، ٹماٹر اور سیخ کباب فروٹ دہی وغیرہ خوب سیر ہو کر ناشتہ کیا۔ بعدازاں ہمارے میزبان مالکان آ گئے بڑی محبت سے پیش آئے اور ہمارا ہر طرح کا خیال رکھنے کی یقین دہانی کرواتے ہمیں آرام کرنے کا کہہ کر چلے گئے تمام رات کے تھکے ہوئے تھے سب لوگ سو گئے۔

ایرانی خواتین جو تعداد میں سات تھیں کرسیوں پر بیٹھی ہمارے کسی بھی حکم کی منتظر تھیں۔ دو بجے کے بعد بڑا پر تکلف کھانا پیش کیا گیا۔ اس دوران نوشابہ، آئسکریم، قلفیاں، قہوہ، جوس کے پیکٹ، خشک میوہ جات بھی رکھے جا رہے تھے۔ کھانے سے فارغ ہو کر سب کو پہلی زیارت امام خمینی چلنے کا کہتے نقوی صاحب نے نیچے بس میں چلنے کا اعلان کیا۔ یوں ہم سب تیار ہو کر بس میں سوار ہونے کے لیے نیچے آ گئے پھر مقدس زیارات کا آغاز شروع ہو گیا۔

سورج غروب ہونے سے پیشتر واپسی ہوئی فیکٹری پہنچ کر تھوڑی دیر آرام کیا اور دوسرے لوگوں کی طرح طالب زرگر اور حنیف ڈرائیور اور میں بد نصیب ایران کی جگمگاتی شاہراہوں، دوکانوں اور دوسرے مقامات کی طرف مٹرگشت کرنے چل پڑے۔ وہ دونوں خرید و فروخت میں مصروف تھے جبکہ میں اپنے ساتھ لایا تھوڑا سا الیکٹرونک سامان ٹھکانے لگانے کی فکر میں تھا ایک سٹور دکھائی دیا جس میں الیکٹرونک سامان بھی سجا ہوا تھا میں چپکے سے کاؤنٹر پر موجود ایرانی شاپ کے مالک کے پاس پہنچ گیا یہاں اردو مکمل اعتماد سے بولی اور سمجھی جاتی تھی میں نے اپنا مدعا بیان کیا تو وہ جھٹ خریداری پر آمادہ ہو گیا۔

واپس پہنچ کر میں نے اپنے سامان سے وہ دو چار چیزیں جو اس امید پر ساتھ لایا تھا کہ

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

کام آئیں گی بیگ میں ڈالتے اس سٹور پر آ گیا۔سٹور مالک نے ان کی اچھی طرح جانچ پڑتال کی اور اپنا ریٹ لگایا جو خاصا بہتر تھا میں نے فروخت کرنے کی رضا مندی ظاہر کر دی اور اس نے سامان سنبھالتے رقم گن کر میرے ہاتھ میں دے دی، چائے وغیرہ کے دوران میں نے اس سے سوال کیا کہ اِدھر سے کیا لے کر جاؤں جو خرچہ نکل آئے، کچھ دیر وہ سوچتا رہا پھر مجھ سے مخاطب ہوا، بھاری سامان میں تو قالین برتن اور چمڑے کا سامان ہی لوگ لے کر جاتے ہیں مگر میرے خیال میں اگر تم پرندے لے کر جاؤ تو خاصی آمدنی ہوگی۔ کونسے پرندے؟ مجھے تو کچھ سمجھ نہیں۔کینیری برڈ چھوٹی سی خوشنما رنگ چڑیا ہے جو یہاں سے پاکستانی چار پانچ روپے میں مل جاتی ہے پاکستان میں شوقین لوگ یعنی پرندوں سے محبت کرنے والے پانچ ہزار تک خرید لیتے ہیں۔ میں نے پرندوں کی کئی ایک دوکانوں سے اس بارے تحقیق کی تو پتہ چلا کہ وہ سٹور مالک صحیح کہہ رہا تھا ایک معقول دوکان دار سے میں نے اظہار کیا کہ میں واپسی پر یہ سونگ برڈ لے کر جانا چاہتا ہوں کتنی تعداد تک لے جانے میں کوئی دشواری نہیں ہوگی۔ اس نے میری نیت بھانپتے میرے دل کی بات بول دی۔ بہت سارے طریقے ہیں جیسے پاکستان سے گرین پیرٹ یہاں لائے جاتے ہیں شارک جسے پاکستان میں لالی کہتے ہیں یہاں مینا کے طور پر بھاری قیمت میں فروخت کی جاتی ہے۔

پاکستان سے طوطا اور لالی دو سو روپے جوڑا کے حساب سے یہاں لایا جاتا ہے مگر یہاں ہزاروں میں فروخت ہوتا ہے۔ اسی طرح یہاں سے سونگ برڈ، اگن، چکور اور ایسے ہی کئی ایک پرندے اور ایرانی بلیاں اسمگل ہو کر جاتی ہیں جب تمہاری واپسی ہو تو میرے پاس آنا میں تمہیں ایک پیکج بنا دوں گا اور آسانی سے لے جانے کی ترکیب بھی بتا دوں گا۔ میں زیارتوں سے فارغ ہو کر مارکیٹ نکل جاتا اور گھوم پھر کر معلومات حاصل کرتا رہتا کہ کونسی چیز جو میں ادھر سے لے کر جاؤں گا تو آمدنی ہو گی۔ واپسی سے ایک روز قبل میں پرندوں کی مارکیٹ میں پہنچ گیا اس شاپ والے کے پاس جس کا نام احمد حسن تھا۔جس نے ایک چھوٹے سے پنجرے میں 30 کے قریب چھوٹی چھوٹی چڑیاں اور 10 عدد اگن ڈال دیے ایک چھوٹے سے ڈبے میں پچاس کے قریب کاکروچ سے ذرا بڑے رنگین کچھوے ڈال کر اس نے ڈبے میں پانی اور خوراک بھر دی جو پانچ روز تک کے لیے کافی تھی۔اسی طرح پنجرے میں چڑیوں کے لیے خوراک اور پانی ڈال دیا ان سب پرندوں اور کچھوؤں کا تقریباً بیس ہزار بنا جو میں نے ادا کر دیا اس کے علاوہ میں نے ایرانی یاقوت فی عدد ایک سو روپے خریدا جو تعداد میں دو سو تھے باقی ایک قالین کچھ ایسی ہی چھوٹی چھوٹی چیزیں تھیں۔ واپسی ٹرین پر ہی تھی کچھوؤں کا ڈبہ میں نے بیگ میں اس طرح رکھا کہ زیپ سے ہوا جاتی رہے چڑیوں کا

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

پنجرہ میں نے سیٹ کے نیچے رکھ دیا اور آگے اپنا بیگ۔ پانی کے کولر عام تھے ہر زائرین کے پاس دو سے تین کولر بھرے پانی کے تھے گاڑی میں واپسی کے سفر میں کسی بھی دشواری کا سامنا نہ کرنا پڑا اور میں خیریت سے واپس گھر آیا کوئی پرندہ اور کچھوا راستے میں کم نہ ہوا ، کچھوے تو رنگین فش فروخت کرنے والوں میں اچھی قیمت سے بک گئے اور چڑیاں نولٹن مارکیٹ میں ہاتھوں ہاتھ اچھے خاصے داموں سے بک گئیں اس کے بعد ایرانی یاقوت سوہا بازار میں سات سو روپے فی کس کے حساب سے نکل گئے۔ مجموعی طور پر اس پھیرے کا مجھے پونے دو لاکھ بچ گیا۔

اتنی آسانی سے اور ایک ہی پھیرے سے اتنے پیسے بچ جائیں گے اس کا مجھے اندازہ ہی نہیں تھا گھر والوں کو راضی کرتے میں کوئٹہ کے لیے روانہ ہو گیا میں نے ایک بار میں ایران آنے جانے کا آسان راستہ تلاش کر لیا تھا۔ تفتان کے مقامی لوگ کھلے عام آتے جاتے اِدھر اُدھر اور میں نے بھی یہی طریقہ استعمال کرنے کا سوچا تھا۔ جس ہوٹل پر میں نے واقفیت بنائی تھی اس پر آ کر میں نے کھانے کا آرڈر دیا اور باتوں باتوں میں ایران جانے کی خواہش کا اظہار کیا اس نے ایک مقامی ڈرائیور فرمان علی سے میرا تعارف کروایا اور دو ہزار روپے کے عوض اس نے تہران لے جانے کی حامی بھر لی وہ ایران سے لوہا بھر کر پاکستان لاتا تھا۔ رات کے پچھلے پہر اس نے مجھے اپنے ٹرک پر بٹھا لیا دو آدمی اور بھی تھے بارڈر پر رُک کر وہ چوکی کے اندر گیا پھر باہر آ کر انجن سٹارٹ کرتے کراسنگ عبور کر لی۔ صبح فجر کے بعد اس نے مجھے ایک دوسرے آدمی جس کا نام روشن تھا کو ایک سڑک کے کنارے اُتارا اور جاتے ہوئے اپنا نمبر لکھوایا جب واپسی جانا ہو مجھے فون کر لینا۔

روشن کو تمام راستوں کا علم تھا اس نے خالی گزرتی ٹیکسی کو اشارہ کیا اور بھاؤ تاؤ کر کے روضہ مبارک امام رضا عالی مقام چلنے کا کہا۔ میں روضہ مبارک پر حاضری دے کر دربار شریف سے باہر آ کر پیدل ہی ادھر اُدھر گھومتا مارکیٹ پہنچ گیا۔ جس برڈ سینٹر سے میں نے چڑیاں اور کچھوے خریدے تھے اس کا مالک مجھے دیکھ کر خندہ پیشانی سے پیش آیا اور مجھے اندر بنے اپنے آفس میں لے آیا قہوہ کھجور سے میری خاطر مدارت کی اور کاروباری امور پر تبادلہ خیال کرنے لگا اس نے کراچی کے ایک دو دوکانداروں کے بارے میں مجھے بتایا جو بہت بڑے تاجر تھے جانوروں اور پرندوں کے اور اپنا کارڈ بھی دیا کہ اس بار تم مال ان کے پاس لے کر جانا اچھے دام ملیں گے۔ دو چار روز تک میں ایران میں رُکا رہا پھر احمد حسن کے پاس آیا اور واپسی کا اظہار کیا کیونکہ میں نے ڈرائیور فرمان علی سے رابطہ کر کے واپسی کا بندوبست کر لیا تھا۔ جس نے رات مجھے ٹرک ٹرمینل پہنچ جانے کا کہا تھا حسب سابق احمد حسن نے مجھے اس بار بہت عمدہ کنیری چڑیاں، اگن اور کچھوے دوگنی تعداد میں دیے اور دو ایرانی بلیوں کے بچے بھی

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

ٹوکری میں ڈال دیے اس بار میرا بل اسی ہزار پاکستانی کرنسی میں بنا۔ مختصر سامان بنا جو میں اٹھا کر ہوٹل آ گیا اور رات مقررہ وقت سے قبل میں نے ہوٹل چھوڑ دیا اور ٹرک ٹرمینل پہنچ گیا، فرمان علی سے رابطہ ہو گیا۔ جس نے مجھے فردوسی گڈز پر پہنچے کا کہا فردوسی گڈز قریب ہی تھا ایک دو بار گزرتے راہگیروں سے پوچھتا ہوا وہاں پہنچ گیا۔ فرمان علی میرے ہاتھ میں چھوٹی سی ٹوکری اور پنجرہ، ڈبہ دیکھ کر بولا بس یہی کیرج ہے؟ ہاں فرمان بھائی، اس نے پنجرے کا کپڑا ہٹا کر چڑیوں کو دیکھا پھر کچھوے، اگن اور بلیوں کا جائزہ لیا۔ پانچ ہزار، پھر خود ہی چار ہزار روپے پر بات پکی کر لی۔ اس بار مجھے اوپر ٹول بکس میں میرے کیرج سمیت ایڈجسٹ کر دیا۔ نیچے ایک اور مقامی آدمی تھا فرمان علی کے ہمراہ رات کو سفر شروع ہو گیا۔ راستے میں ایک ہوٹل پر رکتے کھانا کھانے کے درمیان ڈرائیور فرمان علی سے میں نے کراچی تک کسی ٹرک والے کے ساتھ جانے کی بات کی تو اس نے حامی بھر لی کہ بھیج دے گا۔ خیریت سے واپس تفتان پہنچ کر میں بے فکر تھا کیونکہ اپنے ملک میں تھا اور میرے پاس جو کچھ تھا وہ سمگلنگ شدہ ہونے کے باوجود دیکھنے والے کو میرا شوق ہی نظر آتا۔ ٹرک ڈرائیور اور دوسرے دو لوگ بہت اچھے انسان تھے۔ نمازی پرہیزگار جہاں وہ رکتے مجھے اپنے ساتھ کھانے پینے میں بطور مہمان شامل کرتے بغیر کسی پریشانی کے میں اپنے مال کے ہمراہ کراچی پہنچ گیا۔ ان لوگوں کا شکریہ ادا کرتے میں اپنا سامان سنبھالتا ٹرک سے نیچے اُتر آیا خالی گزرتی ٹیکسی رکوا کر صدر کا بتایا اور پنجرہ، ڈبہ، ٹوکری پچھلی سیٹ پر رکھتے ڈرائیور کے ہمراہ اگلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ مختلف سڑکوں کے چکر کاٹتے ٹیکسی والا بندر روڈ کے کارنر پر واقع پرندوں کی بڑی مارکیٹ کے آگے آ رکا۔ احمد حسن کی بتائی شاپ تلاش کرنے میں دقت پیش نہ آئی ملازم نے بتایا کہ سیٹھ صاحب گھنٹہ بھر بعد آئیں گے آپ انتظار کر لیں میرے پاس پنجرہ وغیرہ دیکھتے اس نے پوچھا ایرانی مال ہے میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ زیادہ دیر انتظار نہ کرنا پڑا ایک دراز قد سندھی شاپ میں داخل ہوا ملازم نے سلام کرتے میرا بتایا وہ مجھے لے کر پیچھے کی طرف آ گیا۔ میں نے احمد حسن کے بارے میں بتایا تو وہ ہنس کر بولا اس کے تمام کسٹمر میرے پاس ہی آتے ہیں انشاء اللہ مارکیٹ سے اچھا دام ملے گا پھر اس نے کیری اگن، بلیاں ننھے منے کچھوے دیکھے اور بولا بالکل برابر ہے پھر کلکولیٹر پر اس کا حساب بنانے میں مصروف ہو گیا۔ اتنے میں ملازم ناشتہ رکھ کر واپس چلا گیا خرید سے بھی ڈبل منافع اس نے لگایا تھا اور ساتھ میں یہ بھی شرط بیان کر دی کہ پوری مارکیٹ میں مال چیک کروا لو ایک روپیہ زیادہ ملے میں ڈبل دونگا اور ہاں مال کی پانچ ہزار روپے محکمہ شکاریات اہلکاروں کی کٹوتی جائے گی میں نے سر ہلاتے ہاں کر دی اس نے ملازم کو آواز دے کر میرا لایا مال اس کے سپرد کر دیا جس نے فوراً وہ سارا مال الگ الگ

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

بڑے پنجروں میں منتقل کر دیا اور بچھوؤں کا ڈبہ جس کی میں بڑی حفاظت کرتا آیا تھا بار بار پانی خوراک کا خیال رکھتا آرہا تھا۔ پانچ ہزار کاٹ کر اس نے رقم میرے سپرد کرتے ایک چھوٹے سے قریبی ہوٹل میں میری رہائش کا بندوبست کر دیا۔ کمرے میں جاتے ہی میں بے سدھ ہو کر بستر پر دراز ہو گیا پتہ نہیں کب تک سوتا رہا خود ہی میری آنکھ کھلی تھی نہا کر کپڑے بدلے اور لاک لگا کر ہوٹل سے باہر نکل آیا۔ یونہی گھومتا ہوا ایمپریس مارکیٹ نکل آیا یہاں بھی پرندوں کی بہت بڑی مارکیٹ تھی ۔ایک شاپ کے باہر پوسٹر آویزاں تھا جس پر کالے بچھو کی تصویر تھی اور اس کا وزن ایک سو دس گرام درج تھا اور قیمت چالیس لاکھ۔ میں نے بار بار پڑھا اور شاپ کے اندر داخل ہو گیا۔ شاپ کے اندر پنجروں میں ہر نسل کے بڑے چھوٹے طوطے موجود تھے کسی کی قیمت لاکھوں میں تھی میں نے وائٹ میکاؤ کا ریٹ پوچھا گھریلو جوڑے کا ساٹھ ہزار اور جنگلی کا پچیس ہزار میں نے دوکان دار کو اپنے بارے میں بتایا تو اس نے بڑی محبت سے مجھے بٹھاتے ملازم کو چائے لانے کا اشارہ کیا اس نے ایک میکاؤ جس کی ٹانگ میں سٹیل کی ہلکی سی زنجیر پڑی ہوئی تھی کو اپنے کندھے پر بٹھاتے کرسی چھوڑ دی۔ میں نے مال جو لایا تھا اس کی بابت بتایا اس نے دینے کا ریٹ پوچھا اور نہ ہی میں نے بتایا اور بات آگے چل پڑی ۔اس نے مشورہ دیا کہ دو جوڑی جنگلی میکاؤ کی جاتے ہوئے لیتے جانا خرچہ نکل آئیگا۔ میں تمہیں لینے والے کا ایڈریس بتا دونگا دو جوڑی تیس ہزار میں دے دونگا تمہیں۔ میں نے اس کی بات پر سر ہلاتے کالے بچھو جس کی قیمت اس نے چالیس لاکھ لکھ رکھی تھی کی بابت پوچھا تو اس نے بتایا کہ بچھو کینسر کے علاج میں کام آتا ہے اور بڑا نایاب ہے اس وزن تک جاتے اس کی عمر پچاس سال سے بھی اوپر ہو جاتی ہے۔ آپ کے پاس ہے؟ میں نے سوال کیا۔ جی ،جبھی تو باہر بورڈ لگا رکھا ہے۔ ہمارے پنجاب میں تو ایسے بچھو عام ہوتے ہیں۔ بچھو تو عام ہوتے ہونگے مگر اس وزن کا اتنا نہیں ہو سکتا بڑی محنت اور تلاش کے بعد شکاری اس کو پکڑ پائے ہیں۔ کیا میں دیکھ سکتا ہوں آپ کا بچھو ہو سکتا ہے مجھے اپنے گاؤں سے ایسا کوئی بچھو مل جائے۔ میں شاپ بند کر کے گھر جاؤں گا تو میرے ساتھ چلنا۔ میری بے چینی بڑھ رہی تھی اور وہ مجھے میکاؤ خریدنے پر آمادہ کرنے میں لگا ہوا تھا۔ جب اس نے شاپ بند کر دی تو مجھے اپنی گاڑی میں بٹھا کر لالوکھیت کی طرف چل پڑا۔

گھر پہنچ کر اس نے گاڑی روکی اور مجھے لے کر ڈرائینگ روم میں آ گیا۔ چاروں جانب پرندوں کی تصویریں آویزاں تھیں جس میں وہ ان کے ساتھ موجود تھا۔ ملازم چائے اور دیگر لوازمات رکھ کر ایک جانب جا بیٹھا میں بے چینی سے انتظار کر رہا تھا کہ پردہ ہلا اور وہ ایک خوبصورت جالی کا بکس تھامے اندر داخل ہوا شیشے کی ٹیبل پر رکھتے میرے ساتھ بیٹھ گیا۔ میری آنکھوں کے سامنے گھروں میں

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

رہنے والی چڑیا کے برابر گہرا سیاہ بچھو اس جالی کے بکس میں رکھے چھوٹے چھوٹے پتھروں کے اوپر ادھر اُدھر رینگ رہا تھا۔ اسے دیکھ کر میرے جسم میں سرد لہر دوڑ گئی۔ اس سے پہلے کبھی دیکھا ہے ایسا بچھو؟ میں نے نفی میں سر ہلا دیا۔ 37 لاکھ اس کے لگ چکے ہیں بس آج کل میں جانے والا ہے حیدر آباد کی پارٹی ہے جو ملک سے باہر سمگلنگ کرتی ہے ایسے بچھو یہ کروڑوں کا دھندہ ہے اس نے بتاتے وہ بکس اپنے ملازم کے سپرد کر دیا اور خود چائے بنانے لگا ساتھ میں پھر میکاؤ طوطے کے بارے میں مجھے بتانے لگا۔ کچھ دیر بعد مجھے وہ اپنی گاڑی میں بٹھا کر اپنی رہائش سے باہر لایا اور خالی گزرتے رکشہ میں مجھے بٹھا کر واپس پلٹ گیا۔ میرے ذہن میں کالا بچھو رینگ رہا تھا۔

میں نے دوسرے روز اللہ وسایا کے پاس جا کر اس بات کا تذکرہ کیا جو میری لائی کنیری چڑیاں الگ الگ پنجروں میں جوڑا جوڑا کر کے شاپ کے باہر لگے ڈیلے میں لٹکا رہا تھا۔ جب اس کام سے فارغ ہوا تو اس نے وہ سب کچھ سچ پر مبنی بتایا اور کالے بچھو کی بابت کھوج لگانے کی بھی بات کی اور جنگلی میکاؤ دس ہزار میں جوڑا دینے کا کہا میں نے جھٹ دو جوڑے کی بات پکی کر لی۔

میکاؤ لیکر جانے کی کوئی پابندی نہیں تھی مگر اکٹھے چار عدد پر محکمہ ریلوے کو اعتراض تھا مگر میری یہ مشکل ایک قلی نے حل کروا دی ڈائنگ کار کے ایک بیرے نے دو ہزار میں صحیح سلامت آخری منزل تک پہنچانے کا سودا کر لیا۔ اللہ وسایا نے چاروں میکاؤ جوڑا جوڑا کر کے مضبوط ٹوکریوں میں مکئی اور چنے کے دانوں سمیت پیک کر دیے اور گتے کے خالی ڈبوں کے اندر ٹوکریاں رکھ دیں ٹوکریوں کے اندر پانی کے لیے لوہے کے ڈبے باندھے ہوئے تھے۔ مقررہ وقت پر قلی نے وہ دونوں گتے کے ڈبے بمعہ دو ہزار دیتے بیرے کے سپرد کرتے اسے پانی کا خیال رکھنے کی تاکید کی اس نے جواباً کہا کہ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے آپ بے فکر ہو جاؤ۔ میرا ٹکٹ فرسٹ کلاس کا تھا جہاں بھی ٹرین رکتی اس بیرے جس کا نام لطیف تھا کو اشارہ کر کے پوچھتا وہ انگوٹھا اور انگلی ہلا کر اوکے کی رپورٹ دے دیتا۔

بڑی ذمہ داری سے اس نے وہ دونوں ڈبے اسٹیشن کی عمارت سے باہر لا کر میرے سپرد کیے اور میں نے مزید دو سو روپے اس کے ہاتھ پر رکھ دیے وہ شکریہ کہتے پھر خدمت کرنے کا کہہ کر پلیٹ فارم کی طرف بڑھ گیا۔ میں ڈبے سنبھالتا ٹیکسی کے انتظار میں آ کھڑا ہوا جلد ٹیکسی مل گئی میں گھر کا بتا کر بے فکر ہو گیا۔ دوسرے روز مارکیٹ میں گیا اور ایک پیرٹ شاپ والے کو دو جوڑے میکاؤ فروخت کرنے کی بات کی وہ فوراً میرے ساتھ چلنے کے لیے تیار ہو گیا میں اسے موٹر سائیکل پر بٹھا کر گھر لے آیا اس نے تیس ہزار سے بات شروع کی اور پینتیس ہزار روپے میں سودا طے ہو گیا۔ قیمت ادا کر کے اس نے دونوں ٹوکریاں اٹھائیں اور میرے گھر سے باہر نکل گیا۔ میرے لیے بشارت چوہان کی مہربانی

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

رنگ لائی اور میں تھوڑے عرصہ میں اپنے پاؤں پر کھڑا ہو گیا۔ مجھے بچھو کی تلاش تھی جس کے لیے میں نے بہت سے پرندے پکڑنے والوں سے رابطہ کیا۔ پہلی بار معلوم ہوا کہ جانوروں، پرندوں کے علاوہ جنات بھی برائے فروخت تھے مگر بچھوؤں کے شکاری سامنے نہ آئے۔ اس دوران میں ایران کے دو چکر اور لگا بیٹھا تھا اور میں نے پرندے امپورٹ ایکسپورٹ کرنے کا لائسنس بھی حاصل کر لیا تھا اور پاکستان سے باہر جانے والے پرندوں اور جانوروں جس میں چمگادڑ، کتے، سانپ وغیرہ ٹیکس ادا کر کے ایران لے جاسکتا تھا مگر میرا ذہن کالے سوگرام کے بچھو میں اٹکا ہوا تھا۔

ایک روز میں داتا صاحب حاضری دیکر پیدل ہی یادگار پاکستان کی طرف جارہا تھا کہ لیڈی ولنگٹن ہسپتال کے کارنر پر ایک نیم حکیم کو مختلف قسم کے کیڑے مکوڑوں، سانپ، بچھو، سانڈے کا تیل فروخت کرتے دیکھا۔ جس نے سانڈے، سانپ، بچھو زندہ ہی پبلک کے یقین کے لیے سب کے سامنے رکھ چھوڑے تھے۔ میری نظر مٹی کے برتن میں رینگتے سیاہ بچھوں پر پڑی جو جسامت میں عام بچھوؤں سے ذرا بڑے تھے۔ میں اس انتظار میں تھا کہ وہ اپنا کام پورا کرے اور میں اس سے سوال جواب کروں اس نیم حکیم کا نام رانا وارث تھا جب وہ فارغ ہو گیا تو میں نے اپنا تعارف کروایا اور اس کے پاس جو بچھو تھے ان کے بارے میں دریافت کیا کہ یہ وہ کہاں سے لایا تھا اس نے بتایا کہ یہ پہاڑی بچھو ہیں جو سوات میں ان شکاریوں سے مل جاتے ہیں جو جانور وغیرہ پکڑ کر انہیں فروخت کرتے ہیں میں نے دوسرا سوال کیا کہ اس سے بڑے سائز کے بھی ہوتے ہیں ان کے پاس؟ جس پر وہ فٹ پاتھیا قدرے مسکرایا اور بولا جناب جس بچھو کے بارے میں آپ پوچھ رہے ہو وہ ہمارے ہی علاقہ میں پایا جاتا ہے جس کے زہر سے بڑی بڑی کمپنیاں میڈیسن وغیرہ بناتی ہیں خاص کر کینسر کی میڈیسن۔ یہ بچھو اگر کسی کو ڈنک مار بھی دے تو پیلے بھونڈ جتنا اثر ہے۔ وارث سے خاصی معلومات ملی مجھے بچھوؤں کے بارے میں۔ اسی طرح کام کرتے کرتے پرندوں جانوروں کا ماہر ہو گیا اب میں دوبئی کے لیے باز، شاہین، شکرے، بحری، لگڑ کی خرید و فروخت کا کام بھی کرنے لگا تھا۔ یہ کام بھی لاکھوں کا تھا جو چوری چھپے ہی کیا جاتا تھا کیونکہ محکمہ وائلڈ لائف اس پر کڑی نظر رکھتا۔

ایک روز گجرات سے مجھے سرور کا فون آیا یہ بھی میری طرح جانور پرندے وغیرہ لیتا دیتا تھا۔ اس نے بتایا کہ ایک ستر اسی گرام کا سیاہ بچھو برائے فروخت ہے اِدھر کسی کے پاس کیونکہ میں نے سرور سے ایک دو بار شکرے لیے تھے اور اسے اپنے علاقے کے بڑے بچھوؤں کی بابت کہا تھا۔ فون پر اس نے بتایا کہ یہ بچھو کسی زمیندار کے پاس تھا جو اس کی خاندانی پرانی حویلی کی دیوار مسمار ہونے پر اسے ملا تھا جسے اس نے قابو کر کے مٹی کی ہنڈیا میں ریت ڈال کر ہنڈیا میں چھوٹے چھوٹے

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

سوراخ کر کے ہنڈیا کا ڈھکن لگا دیا تھا۔ ایک دو شکاری آئے تھے اسے دیکھنے اور تیس ہزار تک لگا گئے تھے مگر زمیندار فروخت کرنے کو تیار نہیں تھا۔ سرور کے فون کے بعد میں نے کراچی فون کر کے اللہ وسایا کو بتایا کہ مجھے ستر گرام کا ایک مقامی سیاہ بچھو کا پتہ چلا ہے جس کے مالک کو تیس ہزار لگے ہیں اس کے مگر وہ لاکھ سے اوپر مانگتا ہے ادھر سے جواباً اس نے کہا کہ اگر واقعی ستر گرام کا مقامی بچھو یعنی دیسی ہے تو پچاس ساٹھ ہزار کا خرید لو یہاں یہ لاکھ سے اوپر جائیگا۔ میں فون رکھ کر گجرات جانے کی تیاری کرنے لگا۔

صبح گجرات کی بس میں سوار ہو کر تقریباً دو بجے سرور کے پاس پہنچ گیا ہم دونوں موٹر سائیکل پر اس گاؤں کی طرف چل پڑے جہاں کے زمیندار کے پاس بچھو تھا۔ وہ اپنی حویلی پر ہی مل گیا ہم نے اپنے آنے کا مقصد بتایا تو اس نے اپنے ملازم سے بچھو والی ہنڈیا منگوائی میں چونکہ کراچی والا بچھو اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا تھا اس لیے مجھے اس کا سائز اس سے ذرا چھوٹا لگا اور جسامت بھی کمزور تھی مگر تھا پھرتیلا۔ میں نے کراچی فون کر کے پھر رابطہ کیا اور اس کا سائز رنگ اور جسامت بتائی دوسری طرف سے وہی جواب ملا جو گھر سے چلتے وقت فون پر ملا تھا۔ میرے استفسار پر وہی سوا لاکھ مانگا زمیندار نے، کافی مغز کھپائی کے بعد 55 ہزار روپے میں بات پکی ہوگئی ہم نے رقم دے کر بچھو خرید لیا۔ سرور موٹر سائیکل کے پیچھے ہنڈیا لے کر بیٹھ گیا اور شہر جانے کے لیے چل پڑا۔ رات سرور کے پاس گزاری، دوسرے روز واپس جانے کے لیے چل پڑا ہنڈیا ہینڈ باسکٹ میں رکھی اور ویگن میں سوار ہو گیا۔ گھر آ کر میں نے اللہ وسایا کو بتایا کہ میں نے بچھو 75 ہزار میں خرید لیا ہے اور ایک آدھ دن میں لے کر آ رہا ہوں اس کو فروخت کرنے کا بندوبست کرو۔ جواباً اس نے کہا کہ کراچی میں ریسرچ سنٹر اور کئی ایک میڈیسن کی فیکٹریاں ہیں ان سے رابطہ کرتا ہوں میرا 10 پرسنٹ ہوگا اللہ وسایا نے کہہ کر فون بند کر دیا میں رات کی ٹرین میں کراچی کی طرف چل پڑا دوسرے دن تقریباً دوپہر تک کراچی پہنچ گیا۔

اسٹیشن سے سیدھا اللہ وسایا کے پاس پہنچا۔ اس نے بچھو کا بغور جائزہ لیا اور سر ہلاتے اس کی کوالٹی کی تائید کر دی پھر اس نے فون پر کسی سے بات کی اور آنے کا کہا۔ دن ڈھلنے سے قبل وہ لوگ آئے اور میرے بچھو کو بغور دیکھنے کے بعد ایک لاکھ دس ہزار قیمت لگائی مگر اللہ وسایا نے انکار کر دیا جاتے جاتے ایک پندرہ کہتے اپنی گاڑی میں سوار ہو گئے۔ میں نے اللہ وسایا سے مشورہ مانگا کہ کیوں نہ ایمپریس مارکیٹ والے کو بھی دکھایا جائے اس نے کہا چلو چلتے ہیں۔ ہم دونوں پیدل ہی بچھو والی ٹوکری اٹھا کر ایمپریس مارکیٹ طرف چل پڑے۔ یہاں افضل بھائی کے علاوہ اور بھی لوگ کام کرتے ہیں مگر افضل بھائی چھوٹا موٹا کام نہیں کرتے ان کا رابطہ چاروں صوبوں میں شکاریوں سے ہے اس لیے ان کے پاس

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

بچھو آتے رہتے ہیں۔ ہم باتیں کرتے افضل بھائی کی شاپ پر پہنچ گئے وہ پوسٹر ابھی تک ان کی شاپ پر آویزاں تھی وہ بڑی محبت سے ملے اللہ وسایا سے مارکیٹ کے بارے میں گفتگو کرتے مجھ سے مخاطب ہوتے سناؤ کوئی دانہ ہاتھ لگا، میں نے ٹوکری سے ہنڈیا نکال کر اس کے آگے رکھ دی اس نے ڈھکن ہٹا کر میرا لایا بچھو دیکھا اور بولا مہران لیبارٹری والوں کو ضرورت ہے تم نے دکھایا ہے انکو؟ نہیں ایک باہر کی پارٹی نے ایک پندرہ لگایا ہے اللہ وسایا نے افضل بھائی کی بات کا جواب دیا۔ میں فون کروں افضل بھائی نے اللہ وسایا سے پوچھا۔ ہاں کرلو اگر دام صحیح لگائیں تو، کوشش ہے آگے اللہ مالک۔ افضل بھائی نے نمبر ڈائل کرتے جواب دیا۔ پھر وہ دوسری جانب کسی خالد صاحب سے میرے بچھو کے بارے میں بات کرنے لگا پھر فون بند کرتے ان کے آنے کا بتایا ان کا آفس بندر روڈ پر تھا اور وہ دیکھنے آرہے تھے۔

چائے کے دوران خالد صاحب اور ان کے ہمراہ دو اور ساتھی تھے آ گئے اور افضل بھائی نے میرے بچھو کو ہنڈیا سے نکال کر شیشے کے جار میں چھوڑ دیا جسے وہ چاروں جانب سے پرکھ رہے تھے پھر وہ افضل بھائی سے مخاطب ہوئے کیا ڈیمانڈ ہے؟ پانچ لاکھ، ارے نہیں چوتھے نمبر کا ہے۔ نہیں سیٹھ تیسرے نمبر پر آرہا ہے، افضل بھائی نے کاروباری پلٹا مارا اور ابھی تک پورا ہے اس نے دراز سے شیشہ نکال کر خالد صاحب کے ہاتھ میں دیتے گارنٹی دی خالد صاحب نے جار گھما کر بچھو کی دم کو قریب کرکے دیکھا اور شیشہ واپس دیتے جھٹ دو لاکھ کی آواز لگائی تو اللہ وسایا کود پڑا سیٹھ وہ جو آپ نے تین لاکھ میں لیا تھا اس سے کہیں نیچے تھا اور دو بار اس کو خالی بھی کیا ہوا تھا مگر اس کی تھیلی سیل بند ہے سوا دو کہہ کر وہ اٹھ گئے میں پریشانی میں الجھا ہوا تھا کہ دیکھیں اب کیا ہوتا ہے مگر دونوں نے انہیں نہیں روکا میں دل ہی دل میں خوش تھا کہ میرے لائے بچھو کی قیمت بڑھ رہی تھی۔ ایک دو جگہ پر انہوں نے فون کیے ایک طرف سے جو بات ہوئی وہ قلات میں قائم ایسے ہی ادارے کے مالک کی تھی جو اس وزن اور سائز کے پونے تین لاکھ دینے کو تیار تھا دونوں نے مجھے قلات جا کر بچھو فروخت کرنے کا مشورہ دیا تو میں نے ان کی کمیشن کی بابت پوچھا تو انہوں نے کہا جو آدمی تمہیں اسٹیشن پر لینے آئے گا وہی سب کچھ کرے گا تم فرسٹ کلاس ویٹنگ روم میں چلے جانا، امین خان تمہیں وہیں بیٹھا ملے گا وہ باقی سب کام سنبھال لے گا۔ میں رات کو کوئٹہ ایکسپریس میں فرسٹ کلاس کا ٹکٹ لے کر بیٹھ گیا تمام رات سفر جاری رہا دوسرے دن میں کوئٹہ پہنچ گیا۔ بیگ اور ٹوکری سنبھالے میں فرسٹ کلاس ویٹنگ روم میں آ گیا اِدھر اُدھر نظریں دوڑائیں تو ایک درمیانے قد کا مقامی آدمی میرے قریب آیا اور بولا امتیاز بلوچ؟ میں نے بتایا ہاں۔ مجھے افضل بھائی نے آپ کے لیے بھیجا ہے اس نے میرا بیگ پکڑتے کہا اور ہم دونوں

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

باہر آگئے۔

بچھو والی ٹوکری میرے ہاتھ میں تھی اس نے رکشہ رکوا کر طوغی روڈ چلنے کا کہا۔ گوشت مارکیٹ کے قریب رکشہ رکواتے اس نے کرایہ دیا اور مجھے ساتھ لیکر مارکیٹ کے عقب میں بستی کی طرف چل پڑا۔ زیادہ چلنا نہ پڑا وہ ایک درمیانے درجہ کا چھوٹا سا مکان تھا جو لوہے کی چادروں کو جوڑ کر بنایا گیا تھا اس نے باہر لگا تالا کھولا اور اندر آنے کا کہا۔ ایک طرف دو کمرے اور دوسری طرف دلان نما برآمدہ تھا جس میں خالی پنجرے اوپر نیچے رکھے تھے۔ بستر زمین پر ہی لگا ہوا تھا اس نے میرا بیگ ایک طرف رکھتے بتایا کہ بچے گاؤں گئے ہوئے ہیں۔

وہ رات میں نے امین خان کے گھر گزاری وہ بھی پرندوں اور جانوروں کا کاروبار کرتا تھا پاکستانی پرندے جانور ایران بھجواتا اور ادھر کے جانور پرندے ادھر سمگل کرتا تھا۔ صبح اٹھ کر میں نے خوارک پانی چیک کیا اپنے بچھو کا جو مجھے لاکھوں کا فائدہ پہنچانے والا تھا مطمئن ہو کر میں امین خان کا باہر سے لایا ناشتہ کرنے میں مصروف ہو گیا پھر ہم تیار کر دونوں بس اسٹینڈ پر آئے اور قلات جانے کے لیے سوار ہو گئے۔

بچھو والی ٹوکری جس میں کچی ہنڈیا میں میرا دو لاکھ کا فائدہ رینگ رہا تھا اسے احتیاط سے سیٹ کے نیچے رکھا اور باہر کے مناظر میں گم ہو گیا۔ قلات پہنچ کر رکشہ لیا اور فیکٹری کا بتاتے ہم بیٹھ گئے۔ فیکٹری آبادی سے کافی باہر تھی خاصا رقبہ تھا فیکٹری کا۔ زیادہ انتظار نہ کرنا پڑا اور ہمیں فیکٹری منیجر نے اندر بلوا لیا۔ جتنی دیر خاطر مدارات میں مصروف رہے اسی دوران فیکٹری کے ڈائریکٹر اور لیبارٹری انچارج آگئے۔

مجھے بچھو دکھانے کا کہا میں نے امین خان کی طرف دیکھا جس نے فوراً ٹوکری میں سے ہنڈیا نکالی اور میز پر رکھتے اس کا ڈھکن اٹھایا، بچھو ڈھکن کی اندرونی سطح پر چمٹا ہوا تھا ڈھکن اٹھتے ہی وہ امین خان کی گود میں آن گرا اس سے پہلے کہ وہ سنبھلتا بچھو اپنا کام کر گیا۔ شائد وہ اس کا پہلا ڈنک تھا جو لگتے ہی امین خان کا کام تمام کر گیا۔ فیکٹری میں موجود ڈاکٹر اور لیبارٹری انچارج نے بڑی کوشش کی امین خان کو بچانے کی مگر وہ تڑپ تڑپ کر ٹھنڈا ہو چکا تھا۔

بچھو کو دوبارہ ہنڈیا میں ڈال کر فیکٹری مالکان نے مقامی پولیس کو خبر کر دی اور مجھے میرے بچھو سمیت گرفتار کر لیا گیا میرا مقدمہ چلا اور مجھے خطرناک بچھو رکھنے کے جرم میں عمر قید کی سزا ہو گئی حالانکہ میرے پاس لائسنس تھا پرندوں جانوروں کی خرید و فروخت کا مگر کوئی حربہ بھی کام نہ آسکا۔ میں نے بچھو جان بوجھ کو تو نہیں پھینکا تھا امین خان پر، وہ تو اس کی بے احتیاطی اور اس کی تقدیر تھی۔ ورنہ میں بھی تو کئی دنوں سے خوفناک موت کو دن رات ساتھ لیے پھرتا آرہا تھا۔ آپ تک یہ رسائی شائد میرے کچھ کام آسکے بتا کر امتیاز بلوچ خاموش ہو گیا۔"

☆☆......☆☆

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

سچی کہانی بذریعہ ای میل

پچھتاوہ

ذیان اب ہانیہ کی اداسی دور کرنے کے لیے ایسے کام کرتا جس سے وہ خوش ہوتی اور اس کی خوشی دیکھ کر ذیان کو لگتا کہ اس کا باپ بھی خوش ہو رہا ہوگا۔ ذیان اب آگے بڑھنے کی کوشش کرنے لگا تھا، پہلے جس نے کبھی اللہ کے آگے دوسروں کے ڈر کے علاوہ کبھی سجدہ نہیں کیا تھا وہ آج......

انوشا راشد

سردیوں کی ٹھنڈی دوپہر تھی۔ احمد مینشن کے باہر گاڑیوں کا اژدھام تھا۔ وہ گھر کے باہر ٹیکسی سے اترا اور گھر کے باہر اتنا رش اور قنات لگی دیکھ کر گھبرا گیا۔ فوری طور پر وہ اندازہ نہیں لگا پا رہا تھا کہ اسے اچانک کراچی بلوانے اور گھر کے باہر اتنا رش ہونے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔ وہ گھر کے دروازے سے اندر داخل ہوا اور سامنے سفید کفن میں لپٹی میت دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اس کے گھر میں تو ایسا کوئی نہ تھا جس کی اتنی طبیعت خراب ہو۔ اگلے ہی لمحے ہانیہ آ کر اس کے گلے لگ کر رونے لگی۔ ہانیہ کو روتا دیکھ کر اس کی پریشانی میں اور اضافہ ہو گیا۔ بہن کو پیچھے کر کے وہ میت کی طرف بڑھا۔ میت کا چہرہ دیکھ کر اس کے پیروں کے نیچے سے زمین نکل گئی اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا اور وہ روتے روتے بولا۔

''بابا آپ مجھے چھوڑ کر کیوں چلے گئے، بابا آپ مجھ سے ناراض ہیں نا پلیز مجھے معاف کر دیں''۔ وہ روئے جا رہا تھا اور باپ کی نعش سے معافی مانگے جا رہا تھا' اُسے ایسی ٹھوکر لگی تھی جس نے اس کے وجود کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔

تدفین کے بعد قبرستان سے واپسی کے بعد کب شام اور رات ہوئی اُسے پتا ہی نہیں چلا تھا' رات گئے اُس نے پہلی منزل پر واقع اپنے کمرے میں جانے کے لیے سیڑھیوں کی جانب بڑھا تو تایا کے بڑے بیٹے دانیال بھائی نے پیچھے سے آواز دی۔ وہ پیچھے مڑا۔

''چاچو کو بزنس کی طرف سے بہت پریشانی تھی' ڈاکٹر کا کہنا ہے کہ موت دل کا دورہ پڑنے کی وجہ سے ہوئی اور ہمارا یہی خیال ہے کہ بزنس میں پریشانی ہی دل کے دورے کی وجہ بنی ہوگی''۔ دانیال بھائی اُس کو بتاتے جا رہے تھے اور وہ ان کو بغور سن رہا تھا۔

''ارحم اور ہانیہ تم سے چھوٹے ہیں تمہیں ہی ان کا خیال رکھنا ہوگا۔ تمہارے اب کتنے سمسٹر رہ گئے ہیں؟''۔ دانیال بھائی ارحم اور ہانیہ کے لیے فکرمند ہوتے ہوئے پوچھ رہے تھے۔

www.urdusoftbooks.com

''میرا یہ آخری سیمسٹر تھا' امتحان ختم ہو چکے ہیں بس اسائمنٹس جمع کرانے رہ گئے ہیں پھر میں مستقل طور پر یہیں رہوں گا۔ ارحم اور ہانیہ کی آپ فکر نہ کریں وہ دونوں سمجھدار ہیں اور میں بھی ان کا خیال رکھوں گا''۔

یہ کہہ کر وہ اپنے کمرے میں چلا گیا۔ کمرے میں اندھیرا تھا اس نے لائٹ جلائے بغیر کرسی گھسیٹ کر کھڑکی کے پاس رکھی اور اس پر بیٹھ گیا۔ کھڑکی کے باہر بھی تاریکی تھی صرف چاند چمک رہا تھا۔

اورنگزیب احمد کے گھر ذیان احمد کی پیدائش ہوئی۔ اورنگزیب احمد متوسط طبقے کے نوکری کرنے والے آدمی تھے۔ گھر کا خرچ تو چل ہی جاتا تھا لیکن بچوں کو سرکاری اسکول کے علاوہ کہیں پڑھا نہ سکتے تھے۔ پڑھائی کی طرف کچھ خاص رجحان نہ تھا۔ گھر سے دفتر اور دفتر سے واپس آ کر کھا پی کر دوستوں کے ساتھ بیٹھنا ان کا معمول تھا۔ ان کی بیگم ثروت بھی متوسط طبقے سے تعلق رکھتی تھیں۔ ان کے نو بہن بھائی تھے جن میں یہ صرف دو بہنوں سے بڑی تھیں۔ ثروت کی پڑھائی کافی کم تھی البتہ گھر داری ہی ماں نے سکھائی تھی۔ شادی کے بعد سسرال کو اچھے سے سنبھالا۔ شادی کے ایک سال بعد ذیان احمد پیدا ہوا۔ دادا، دادی، تایا، تائی اور ان کے تینوں بچے ذیان پر جان چھڑکتے تھے۔ ذیان کے تایا قاسم احمد ایک اصول پسند انسان تھے۔ پیشے سے میڈیکل ٹیکنالوجسٹ تھے۔ پڑھائی تو ان کی بھی زیادہ نہ تھی لیکن اپنی محنت اور حالات بدلنے کی لگن کی وجہ سے آج اس مقام پر تھے۔ اسکول ختم ہونے کے بعد کارخانے پہ بیٹھنے کے بجائے

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

انہوں نے اپنے ماموں سے صلاح لے کر میڈیکل کے ڈپلوماز کیے اور لیبارٹری میں نوکری شروع کردی۔ شادی کے پانچ چھ سال بعد تبلیغ میں آگئے تھے۔ سر پہ ٹوپی رہنے لگی تھی اور داڑھی بھی بڑھالی تھی اور ہمیشہ کرتا شلوار میں ملبوس رہتے تھے۔ اپنے بچوں کو بھی اولیول اسکول میں پڑھا رہے تھے۔ ان کی زوجہ فاطمہ قاسم احمد ایک با وقار خاتون تھیں۔ پڑھائی تو ان کی بھی زیادہ نہ تھی لیکن شروع سے ہی اسپتالوں میں نوکری کر کے کافی تجربہ اور اعتماد آگیا تھا۔ فاطمہ کافی ماڈرن اور کھلے خیالات کی مالک تھیں۔ لیکن شادی کے بعد جب شوہر تبلیغ میں آئے تو انہوں نے بھی آہستہ آہستہ خود کو اسی ماحول کے مطابق ڈھال لیا تھا۔ شادی کے بعد نوکری اور سسرال دونوں کو بہت اچھے سے سنبھالا۔ ساس ذرا لڑاکا تھیں لیکن فاطمہ نے ان کو بھی میٹھا بولنا سکھا دیا۔ مزاج کی شوخ و چنچل تھی خاندان کے سب بڑے بوڑھوں کی آنکھ کا تارا تھی۔ سسرال کا نقشہ سدھارا سب کو رہنے کا طور طریقہ سکھایا، نند کی بھی اچھی جگہ شادی کرائی۔ ان کے تین بچے تھے دو بڑی بیٹیاں حیا اور مائرہ اور ایک بیٹا دانیال۔ بچے ذہین تھے اور اولیول اسکول میں زیر تعلیم تھے۔ بچوں کی ایسی تربیت کی تھی کہ خاندان کا ہر فرد داد دیتا تھا اور ان کے تمیز دار بچوں پہ رشک کرتا تھا۔

جس علاقے میں یہ لوگ رہتے تھے وہ پہلے تو بہت اچھا تھا لیکن آبادی بڑھنے کے ساتھ ساتھ کچھ عجیب سا ہو گیا تھا۔ گلی میں لڑکے گالم گلوچ کرتے پھرتے تھے۔ فاطمہ کو اپنے بچوں کو ایسے ماحول میں پالنا گوارہ نہ تھا لیکن گھر بدلنے کی بات پہ ساس سسر کا بگڑ جانا کچھ کرنے نہ دیتا تھا۔ ساس کہتیں۔

''جب ہم مر جائیں گے نا تب ہی جائیں گے اس گھر سے۔'' فاطمہ اپنے بچوں کو اسکول کے علاوہ گھر سے باہر نکلنے نہیں دیتی تھی۔ بچے تھوڑا اور بڑے ہوئے تو فاطمہ اور قاسم کو بچوں کے اچھے ماحول کی خاطر گھر الگ کرنا پڑا۔ ذیان تین سال کا ہوا تو اس کا چھوٹا بھائی ارحم پیدا ہوا۔ ذیان کی ماں ثروت ہر وقت گھر کے کاموں میں لگی رہتی بچوں کی تربیت پر زیادہ توجہ نہ دیتی۔ بچے دن بھر چپس پاپڑ کھاتے رہتے، پھل سبزیوں سے تو جیسے ان کا دور دور تک کوئی تعلق نہ تھا۔ ذیان کو سب سے زیادہ لاڈ اس کے باپ نے کیا تھا۔ باپ روز رات کو کام سے واپس آنے کے بعد ذیان اور ارحم کو باہر ٹہلانے لے کہ جاتا۔ آہستہ آہستہ بچوں کو باہر جانے کی عادت ہو گئی اور جس دن اورنگزیب تھکا ہوا آتا اور باہر جانے کی ہمت نہ ہوتی تب بھی بچوں کے ضد کرنے کی وجہ سے ان کو لے جانا پڑتا۔ ثروت کے بچے فاطمہ کے بچوں سے بالکل مختلف تھے، ذیان اور ارحم پورا دن چبوترے پہ بیٹھے رہتے اور ماں سے بات بات پہ ضد کرتے رہتے اور ثروت ان کو دن بھر ڈانٹتی مارتی رہتی جس کی وجہ سے بچے اور ڈھیٹ ہو گئے تھے۔ ایک قاری صاحب بھی ذیان کو قرآن پاک پڑھانے آتے تھے لیکن ان کے جانے کے بعد کوئی اس سے نہ پوچھتا کہ قاری صاحب کیا پڑھا کر گئے ہیں۔ ذیان اسکول اور ٹیوشن بھی جاتا تھا لیکن اس کے ماں باپ کو کچھ خبر نہ تھی کہ وہ کیا پڑھتا ہے اور کیسا پڑھتا ہے۔ ذیان کی اسکول سے بھی شکایتیں آتیں لیکن ثروت ان کو سنجیدگی سے نہ لیتی۔ ایک سال بعد ذیان اور ارحم کی بہن ہانیہ پیدا ہوئی۔ ذیان، ارحم اور دادا دادی کو کھیلنے کے لیے ایک گڑیا مل گئی تھی اور ثروت اب اور بھی مصروف رہنے لگی تھی۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

ان کو ذیان کے معاملے میں سنجیدگی کا احساس تب ہوا جب ذیان کا دوسری جماعت کا نتیجہ آیا اور اس میں وہ بری طرح فیل ہوا تھا۔ ماں باپ اور دادا دادی خوب پریشان ہوئے۔ ذیان تباہ کاریوں اور مار پیٹ والے کارٹون دیکھنے کا بہت شوقین تھا جس کی وجہ سے اس کا دماغ پڑھائی کے لیے بند ہو چکا تھا۔ ان دنوں اورنگزیب کے معاشی حالات کچھ ٹھیک نہ تھے۔ ان کو فیکٹری کے بہت سے ورکر کے ساتھ نکالا گیا تھا اور انہوں نے اپنے دوست کے ساتھ مل کر نیا کاروبار شروع کیا تھا۔ اورنگزیب نے ذیان کا معاملہ قاسم کو بتایا۔ قاسم غصے کے ذرا تیز تھے اور ان کے غصے سے ذیان سمیت سب ڈرتے تھے۔ قاسم نے اس مسئلے پر مشورہ دیا کہ میں ذیان کو اپنے گھر لے جاؤں گا اور جب تک یہ تمیز نہ سیکھ لے، پڑھائی نہ کرنے لگے، قرآن نہ مکمل نہ کرلے تب تک وہ میرے گھر پر ہی رہے گا۔ ایسا کرنے کے لیے اورنگزیب کو دل پر پتھر رکھنا پڑتا اور ذیان کے لیے بھی یہ آسان نہ تھا لیکن اس کے علاوہ اور کوئی دوسرا حل نہ تھا۔ قاسم ذیان کو اپنے گھر لے آیا ، ایک اسلامک اسکول میں اس کا داخلہ کروایا، جس مدرسہ سے دانیال حفظ کر رہا تھا اس میں ذیان کو ناظرہ کے لیے لگا دیا۔ حیا، مائرہ اور فاطمہ دن بھر اسے پڑھاتے رہتے لیکن مجال ہے جو وہ کچھ پڑھ لیتا۔ پھر کچھ دن گزرنے کے بعد اس میں کچھ سدھار نظر آنے لگا۔ وہ تایا کے گھر تو ان کے گھر کے اصولوں کے مطابق رہتا لیکن جب چھٹیوں میں اپنے گھر رکنے جاتا تو پھر وہی حرکتیں شروع کر دیتا اور پھر اس کی ماں تایا کو فون کر کے کہتیں کہ یہ بہت تنگ کر رہا ہے اس کو واپس لے جائیں اور ماں کا یہ رویہ دیکھ کر وہ ماں سے بدگمان

ساون

ساون میرے پیار کا موسم
پیار میں قول قرار کا موسم

محبت، الفت اور وفائیں
چاہتوں کے اظہار کا موسم

بادل، بارش، قوس قزاح
رنگوں بھری بہار کا موسم

ہریالی چھائی پھل پھولوں پہ
ہر شے کے نکھار کا موسم

ہر سو چھائی ہے رقص بہاراں
موسموں میں سردار کا موسم

پیڑوں نے ہے تازگی پائی
ملن میں جی دار کا موسم

مدتوں بعد جو ہوئے مقابل
سبھی کے کردار کا موسم

دکھ میں بیتے لمحے جو بھی
یہ ہے سکھ تہوار کا موسم

پرچہ پڑھنے والو مبارک
حسن جیسے غم خوار کا موسم

شاعر: ایم حسن نظامی

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

ہونے لگا تھا۔

اب ذیان تیرہ سال کا ہوگیا تھا تائی کا اس سے بھی پردہ تھا۔ پڑھائی بھی کرنے لگا تھا اور قرآن پاک بھی مکمل کرلیا تھا تو تایا نے سوچا کہ اب اسے واپس اس کے گھر بھیج دیا جائے۔ ذیان اپنے گھر واپس چلا گیا وہیں کے اسکول سے باقی پڑھائی مکمل کی۔ اتنے عرصے تایا کے ہاں رہنے کے باوجود اپنے گھر واپس آنے کے بعد وہ پھر وہی بدتمیزی کرنے لگا تھا، رات دیر تک گھر سے باہر رہتا، ہر بات پر ضد کرتا۔ اورنگزیب اس کی حرکتوں اور غیر ذمہ داری کی وجہ سے اور پریشان رہنے لگے تھے۔ جیسے تیسے کالج ختم ہوا تو اس کا داخلہ کراچی کے بجائے اسلام آباد کی یونیورسٹی کے ایم۔ بی۔ اے میں کرادیا تاکہ گھر سے دور رہے اور گھر میں سکون ہو۔ اورنگزیب کو بزنس میں ہاتھ بٹانے کے لیے کسی کی ضرورت تھی لیکن ذیان کی غیر ذمہ داری کی وجہ سے اس سے کوئی امید نہ تھی۔ ذیان کو ہمیشہ اپنے باپ اور چھوٹی بہن کی یاد آتی تھی، یونیورسٹی میں بھی سوچتا تھا کہ اب پڑھائی ختم ہونے کے بعد آخر کار گھر والوں کے ساتھ رہے گا۔ لیکن اس کو کیا پتہ تھا کہ قسمت اس کو یہ موقع نہیں دیگی۔

ذیان کے ماں باپ، دادا اور دادی کا انتقال ہو چکا تھا۔ ذیان اپنی پھوپھی کی بیٹی فریحہ کو پسند کرتا تھا۔ ان کا گھر کافی مذہبی تھا۔ فریحہ ایک سیدھی سادھی لڑکی تھی اور اس کے ماں باپ کے خیالات سے بھی ذیان اچھی طرح واقف تھا اسے پتہ تھا کہ اس کی پسندیدگی کا آگے کوئی مستقبل نہیں ہے کیونکہ آج تک جس طرح ذیان رہا ہے اس کی پھوپھی آنکھوں دیکھی مکھی نہیں نگلیں گی اور اسی وجہ سے یہ بات کسی کو نہیں بتائی تھی سوائے اپنی بہن ہانیہ کے۔

''ذیان بھائی آپ اس قابل بن جائیں تو کوئی بھی آپ کو اپنی بیٹی دے دے گا اور پھوپو پھوپا تو ویسے بھی آپ سے اتنی محبت کرتے ہیں وہ کیوں آپ کو منع کریں گے۔'' یہ ہانیہ نے اس سے تب کہا تھا جب ذیان نے پہلی بار اسے اپنی فریحہ میں دلچسپی کے بارے میں بتایا تھا اور ذیان کو پہلی بار لگا تھا کہ اس دنیا میں کوئی ہے جو اس سے اچھی امید بھی رکھتا ہے جو اس پر بھروسہ کرتا ہے۔ لیکن ذیان کو خود پر بھروسہ نہیں تھا اور اپنے دل کی اس خواہش کو دبانے کی کوشش کرتا تھا۔

آخری سیمسٹر کے امتحان ہو چکے تھے جب ایک دن اچانک ذیان کو یونیورسٹی میں قاسم احمد کا فون آیا جس پر وہ اسے فوری طور پر کراچی آنے کا کہہ رہے تھے۔ اسے اس وقت تو اس فون کال کی وجہ سمجھ نہ آئی لیکن وہاں پہنچ کر اس کے سامنے جو وجہ آئی وہ اس کی زندگی کی سب سے بڑی تاریکی تھی۔ لیکن کون جانتا تھا کہ تاریکی ہی انسان کو روشنی ڈھونڈنے پر مجبور کرتی ہے۔ ذیان نے اپنی اب تک کی زندگی کا حاصل وصول سوچا اور پھر جب آگے کچھ نہ بچا تو اپنی آنکھیں پونچھیں۔ اس نے کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ اس کا باپ اسے یوں چھوڑ کر چلا جائے گا بغیر کوئی شکوہ کیے بغیر کوئی دعا دیے۔

ذیان اب ہانیہ کی اداسی دور کرنے کے لیے ایسے کام کرتا جس سے وہ خوش ہوتی اور اس کی خوشی دیکھ کر ذیان کو لگتا کہ اس کا باپ بھی خوش ہو رہا ہوگا۔ ذیان اب آگے بڑھنے کی کوشش کرنے لگا تھا، پہلے جس نے کبھی اللہ کے آگے دوسروں کے ڈر کے علاوہ کبھی سجدہ نہیں کیا تھا وہ آج گھنٹوں جائے نماز پہ گزار دیتا تھا اور اس کی وجہ وہ سکون تھا جو اسے اللہ کی قربت میں حاصل ہوتا تھا۔ باپ کا بزنس بھی تایا اور دانیال بھائی کی مدد سے ذیان اور ارحم نے سنبھال لیا

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

تھا۔ باپ کی موت کو آٹھ مہینے گزر چکے تھے۔ شام کا وقت تھا جب شازیہ پھوپو امجد پھوپا کے ساتھ گھر آئیں ہوئی تھیں۔

حال احوال کے بعد شازیہ ارحم سے مخاطب ہوئی۔

''چلو بھئی ارحم جا کر ذیان کو بلا لاؤ آج ہم یہاں بہت ضروری کام سے آئیں ہیں۔'' یہ سن کر ہانیہ کے چہرے پہ ایک معنی خیز مسکراہٹ آئی۔

''بیٹا ذیان ہم تمہیں ایک بڑی ذمہ داری سونپنے والے ہیں تو سوچا تمہیں چند دن پہلے اطلاع کردیں۔'' پھوپو کے ان الفاظ سے ذیان کے چہرے پہ کچھ پریشانی ابھری۔

''جی کیا مطلب؟'' ذیان نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

''بھئی تم اب ماشاءاللہ کافی بڑے ہوگئے ہو، پڑھائی بھی مکمل کرلی ہے اور کام دھندا بھی کرنے لگے ہو تو شادی بھی تو کرنی ہے نا۔'' پھوپو کے اس جواب پر ذیان کے تاثرات سے مزید پریشانی جھلکنے لگی۔

''پھوپو شادی کس سے؟۔۔! مطلب ابھی کیوں ۔۔۔؟'' اس کی گھبراہٹ سوالات کی شکل میں نکلنے لگی۔

''ابھی کیوں کا کیا مطلب ہے۔۔ چھبیس سال کے ہوگئے ہو اب کیا بڑھاپے میں شادی کروگے اور جہاں تک کس سے کرنی ہے کا سوال ہے تو یہ پہلی بار ہوگا کہ لڑکی کے ماں باپ لڑکے کو ڈائریکٹ اطلاع دینے آئیں ہیں۔'' پھوپو نے مسکرا کر جواب دیا۔

''جی میں کچھ سمجھا نہیں۔۔۔؟'' ذیان اب بھی پریشان تھا۔

''بیٹا تمہارے والدین تو اب اس دنیا میں نہیں رہے، ان کے جانے کے بعد یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم تمہاری خوشیوں کے بارے میں سوچیں، ہم تم سے فریحہ کی بات کررہے ہیں۔'' پھوپو نے سنجیدگی سے کہا۔ ذیان کی تو اب خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی آج اسے وہ ملنے جارہا تھا جس کی اس نے صرف خواہش ہی کی تھی کبھی اللہ سے مانگا بھی نہ تھا۔ وہ تو خود کو فریحہ جیسی نیک اور پاک صفت لڑکی سے شادی کرنے کے قابل بھی نہیں سمجھتا تھا۔ لیکن آج اسے احساس ہوا تھا کہ اللہ واقعی دلوں کے حال سے واقف ہے۔ دوسرے دن ہانیہ اس کے بستر پر مزے سے آکر بیٹھ گئی اور کہنے لگی۔

''چلیں بھائی اب مجھے ٹریٹ دیں میں نے آپ کا اتنا بڑا کام کروادیا ہے۔''

''میرا کون سا کام کروایا ہے تم نے۔۔؟'' ذیان ہانیہ کی بات نہیں سمجھ پایا۔

''ارے۔۔۔! فریحہ باجی کا رشتہ کیا خود چل آیا ہے آپ کے پاس؟۔۔ میں نے ہی تو پھوپو کو آئیڈیا دیا تھا اس رشتے کا۔'' ہانیہ نے جواب دیا۔

''اوہ......! تو پھوپو کو تم نے بتایا تھا...... میں یہی سوچ رہا تھا کہ اچانک ان کے دماغ میں یہ خیال کیسے آگیا۔ میں تمہیں ٹریٹ دے دوں گا اب تم جاؤ میں ذرا کام کررہا ہوں۔'' ذیان نے اس کو بھیج دیا۔

آج وہ بہت خوش تھا اب اس کے پاس سب کچھ تھا اپنا بزنس، پسند کی شادی، پیسہ، پیار کرنے والے بہن بھائی۔ لیکن آج بھی اسے اپنے باپ کی بہت یاد آتی تھی اور وہ سوچتا کہ کاش ہم بچے ماں باپ کی زندگی میں ہی اُن کی قدر کرنا سیکھ لیں۔ ورنہ بعد میں سوائے پچھتاوے کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

☆☆......☆☆

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

اب CSS ایک حقیقت

1) والدین کی خواہش ہوتی ہے کہ اُن کی اولاد اُن کا نام روشن کرے مگر فی زمانہ اکثر والدین اپنی خواہش کو بس اپنے دل میں ہی دبا کر رکھ لیتے ہیں۔

2) مشہور تعلیمی اداروں اور ان سے جڑے اساتذہ کی بھاری بھرکم فیس عام والدین کی پہنچ سے بہت دور ہوتی ہیں۔

3) ایسے میں ہم آپ کی رہنمائی کریں گے ہم آپ کی اولاد کو آپ کے لیے باعث فخر بنائیں گے۔

4) علم کی دنیا میں CSS ایک خواب۔

5) اس خواب کی حقیقی تعبیر کے لیے ہم آپ کے ساتھ ہیں۔

6) انتہائی قابل ٹیچرز سے گھر بیٹھے اپنی لاڈلی بیٹی یا ہونہار سپوت کو CSS کی تیاری کرائیں۔

7) CSS میں آپ کی کامیابی کو ہم یقینی بنائیں گے۔

رابطہ کیجیے

www.facebook.com/srasheedkhan

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

بوبی والا سے ایک ہلکی پھلکی تحریر

اتنی سی بات

”باؤجی! ذرا خود سوچیے، معاملہ اگر تھانے کچہری تک چلا جاتا تو کیا انا اور عزتِ نفس خاک میں نہ ملتی؟ کیا تھانے میں شریف لوگوں کی عزتِ نفس کو تار تار نہیں کیا جاتا۔ میں نے چند لمحوں کے لیے اپنے جذبات کو دبا دیا اور ایک لمبی پریشانی سے خود کو اور میرے خیال میں دوسرے لوگوں کو بھی......

رانا محمد شاہد

ہماری بس ٹھوکر نیاز بیگ سے ریلوے اسٹیشن کی جانب رواں دواں تھی۔ مجھے ابو کی پنشن بک میں ترمیم کروانی تھی۔ ابو محکمہ ریلوے سے ریٹائرڈ تھے۔ میں چاہتا تھا کہ ابو کی پنشن میں اضافہ ہوجائے تاکہ گھر کے اخراجات باآسانی ادا ہوسکیں۔

اور وہاں ابو کے ایک دوست بھی رہائش پذیر تھے جن سے مجھے جاب کے سلسلے میں ملنا تھا۔

تین بہنوں کے بعد میں اپنے ماں باپ کا اکلوتا بیٹا تھا۔ چھوٹا ہونے کے باوجود بھی مجھ پر گھر کی ذمہ داریوں کا بوجھ تھا۔ ابو کی آمدنی میں سفید پوشی سے گزارا ہورہا تھا۔ اسی سفید پوشی میں اماں ابا نے ہم چاروں کو اچھی تعلیم دلوائی اور دو بہنوں کی شادی بھی کردی۔

اب ابو کے ریٹائرڈمنٹ کے بعد میرا فرض تھا کہ میں اس سفید پوشی کو قائم رکھنے کے ساتھ اسے بہتر بناتا۔ سرکاری یونیورسٹی میں بی بی اے کی پڑھائی کرتے وقت تو یہ کام آسان لگ رہا تھا مگر پڑھائی کے بعد جب پریکٹیکل زندگی میں قدم رکھا تو اصل امتحان کا اندازہ ہوا۔ ایسا نہیں تھا کہ میں نے نکھٹو بیٹوں کی طرح ساری عمر باپ کے پیسوں پر گزارا کیا تھا، میں نے میٹرک کے بعد سے گھر کے صحن میں ہی ایک چھوٹا سا ٹیوشن سینٹر کھول لیا تھا اور اسے بہتر طریقے سے چلا رہا تھا۔ اس سے میرا خرچہ بہ آسانی پورا ہوجاتا تھا مگر اب بات اپنی نہیں تھی۔ سارے گھر کے خرچوں کی تھی۔

پریکٹیکل زندگی میں سب سے بڑا مسئلہ جاب ملنے کا تھا اور اس سے بڑا مسئلہ ان امیدوں کا تھا جو میرے گھر والوں کو بیٹا ہونے کے ناطے مجھ سے تھیں۔

بہت جگہ اپلائی کرنے کے باوجود بھی کہیں بات نہ بنی۔ کیوں کہ اب اہمیت تعلیم کی کہاں تھی، اہمیت تو اس تگڑی سفارش کی تھی جو جاب کا امیدوار اپنے ساتھ لاتا تھا۔ ابو کے دوست کے کہنے پر میں اللہ سے اچھی امید لگائے اپنے شہر

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

سے نکل پڑا۔

میں اپنے ذہن میں اپنی زندگی کے ماہ وسال کے بارے میں سوچتا بس سے باہر کے مناظر کو دیکھ رہا تھا کہ اچانک بس ایک زوردار جھٹکے سے رکی گئی۔ چونکہ میں ذہنی طور پر تیار نہیں تھا اس لیے جھٹکا لگنے سے میرا چہرہ اگلی نشست سے جا لگا۔ ناک پر اچھی خاصی ضرب محسوس ہوئی۔ تاہم کوئی اندرونی چوٹ نہ آئی۔

اس دوران سب مسافر چہ مگوئیاں کرنے لگے

''کیا ہوا ہے۔''

''پتہ نہیں!''

''پوچھو آگے والوں سے.....''

''ارے روک کیوں دی۔'' مختلف آوازیں گونجیں۔

''آج کل بس ڈکیتی کی واردات بھی تو اتنی عام ہے۔ ویرانے میں بس کو روک کر سارے مسافروں کو لوٹ لیتے ہیں۔'' ایک بڑے میاں نے اخبار کی ہیڈ لائن پڑھنے کے انداز میں یہ اطلاع دینا ضروری سمجھا۔

انکی یہ بات سن کر میرے جسم پر کپکپی طاری ہوگئی۔ میں زیادہ پیسے تو نہیں لایا تھا ساتھ مگر پھر بھی تھوڑی رقم بھی میرے لیے معنی رکھتی تھی۔

تھوڑی دیر بعد پتہ چلا کہ پیچھے سے آنے والی ایک بس نے تیز رفتاری کے باعث ٹکر ماردی۔

میری سانسیں بحال ہوئیں۔

دونوں بسوں کے ڈرائیور نیچے اتر چکے تھے

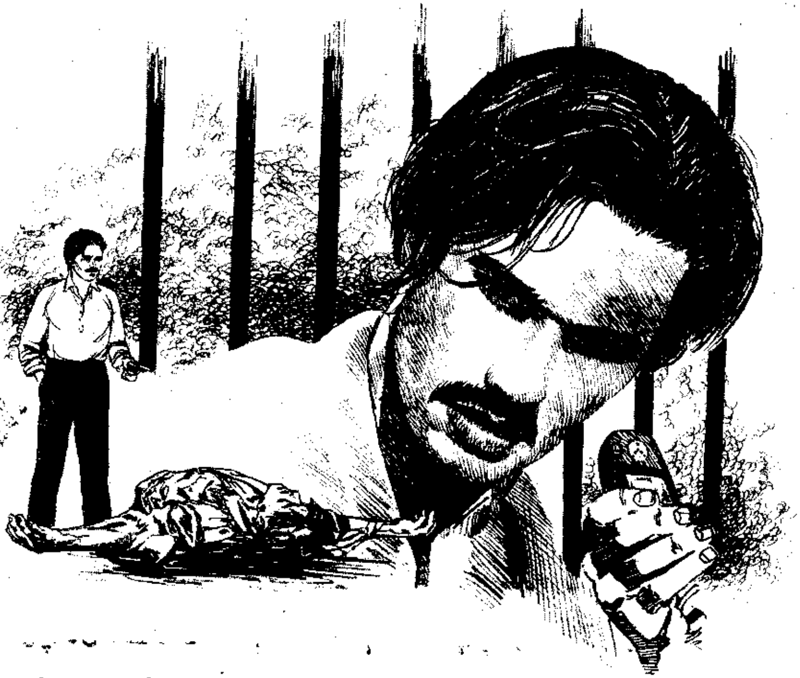

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

اور اپنی اپنی بسوں کی حالت کا جائزہ لے رہے تھے۔

مسافر بھی یہ سب دیکھنے کے لیے ایک ایک کرکے نیچے اترے ،میں بھی ان کے ساتھ اتر آیا۔

صورت حال اتنی خاص نہ تھی مگر خاص اور مشکل اس وقت بنی جب دوسری بس کے ڈرائیور نے ہمارے بس کے ڈرائیور کو نہ صرف بُرا بھلا کہا بلکہ باقاعدہ گالیاں بھی دینا شروع کردیں۔حالانکہ غلطی بھی اس کی تھی کیونکہ اس نے تیز رفتاری سے آگے نکلنے کے شوق میں ہماری بس کو ٹکر ماردی تھی۔میں اس بات پہ حیران تھا کہ ہمارا ڈرائیور کا رویہ حیرت انگیز طور پر نرم تھا۔معاملہ جب مزید بگڑا تو ہمارا ڈرائیور بولا۔

''بھائی جی ......اگر میری غلطی ہے تو میں معافی چاہتا ہوں۔''

ہماری بس ڈرائیور کے اس محتاط رویے پر سب افسوس کا اظہار کررہے تھے۔وہ اسے ڈرائیور کی ''بزدلی'' تک قرار دے رہے تھے کہ غلطی بھی دوسرے ڈرائیور کی ہے،نقصان بھی اپنی گاڑی کا ہوا ہے پھر بھی معافی مانگ رہا ہے۔

''چلیں بھائی صاحب!بات مزید بڑھانے کا کوئی فائدہ نہیں۔۔میں معافی مانگ کر معاملہ یہیں ختم کرتا ہوں۔ہماری بس کے ڈرائیور نے دوبارہ کہا تو دوسرے ڈرائیور کا بھی غصہ بھی جاتا رہا۔مگر اس کے باوجود بھی وہ رعونت کے ساتھ مڑا اور اپنی بس میں بیٹھ کر اسے آگے بڑھا دیا۔پھر ہماری بس کا ڈرائیور بھی اپنی نشست پر آن بیٹھا اور بس چلادی۔

میری طرح بس کے تقریباً تمام مسافر بس ڈارئیور کی بزدلی پر حیرت زدہ تھے۔

''عجیب شخص ہے۔نقصان بھی اپنا ہوا اور خود ہی آگے بڑھ کر معافی مانگ لی۔''ایک نوجوان کا خون کھول رہا تھا

خیر جب بس اپنی منزل یعنی ریلوے اسٹیشن پہنچ گئی۔تو سب مسافر اترنے لگے۔میں اپنی نشست پر بیٹھا رہا۔جب ایک ایک کرکے سارے مسافر بس سے اتر گئے تو میں پچھلی نشست سے اٹھ کر ڈرائیور کے پاس چلا آیا۔

''جناب ایک بات تو بتایئے۔غلطی بھی دوسرے ڈرائیور کی تھی۔پھر اس کا بس سے نکل کر اونچا بولنا اور گالیاں دینا۔نقصان بھی آپ کی بس کا ہوا۔ہر معاملے میں زیادتی وہ کررہا تھا۔پھر بھی آپ نے خاموشی اختیار کیے رکھی اور پھر معافی۔'' میں اٹک اٹک کر بول رہا تھا۔

''اگر آپ اس کے دوچار لگادیتے تو۔۔بس کے تمام مسافر بھی آپ کے ساتھ تھے۔''میں اس الجھن سے نکلنا چاہتا تھا کہ آخر ڈرائیور کی اس ''بزدلی'' کا راز کیا تھا۔

''باؤجی آپ پڑھے لکھے معلوم ہوتے ہیں اور دوسرا آپ نوجوان ہیں۔یقیناً آپ کی طرح بس میں بیٹھے دوسرے نوجوانوں کا بھی اس بات پر خون کھول رہا ہوگا۔لیکن میرا آپ سے ایک سوال ہے کہ اگر میں وہ سب کچھ کرلیتا جو آپ جیسے بہت سے نوجوان چاہتے ہیں تو اس میں آخر فائدہ کیا تھا؟''ڈرائیور نے الٹا مجھ سے سوال کیا۔

''جناب جب غلطی دوسرے کی ہو،نقصان بھی آپ کا ہوا ہو۔تو معافی مانگنے کا کیا مطلب ۔۔بندے کی عزتِ نفس بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔''

''عزتِ نفس۔۔۔؟''ڈرائیور نے لفظ چبا چبا کر بولا۔

''باؤجی اس عزتِ نفس اور انا کے لیے میں

www.urdusoftbooks.com

دُنیا میں کس جگہ

سچی کہانیاں کے چرچے نہیں

اِس لیے کہ "سچی کہانیاں" کے مصنّفین پیشہ ور لکھنے والے نہیں بلکہ وہ لوگ ہیں جو زندگی کی حقیقتوں اور سچائیوں کو برتتے، دیکھتے، محسوس کرتے اور ہمیں لکھ بھیجتے ہیں "سچی کہانیاں" کے قارئین، وہ ہیں جو سچائیوں کے متلاشی اور انھیں قبول کرنے والے ہیں

یہی وجہ ہے کہ "سچی کہانیاں" پاکستان کا سب سے زیادہ پسند کیا جانے والا اپنی نوعیت کا واحد ڈائجسٹ ہے "سچی کہانیاں" میں آپ بیتیاں، جگ بیتیاں، اعترافات، جرم و سزا کی کہانیاں، ناقابلِ یقین کہانیاں، دلچسپ و سنسنی خیز سلسلے کے علاوہ مسئلہ یہ ہے اور قارئین و مدیر کے درمیان دلچسپ نوک جھونک احوال۔ سب کچھ جو زندگی میں ہے وہ "سچی کہانیاں" میں ہے۔

پاکستان کا سب سے زیادہ پسند کیا جانے والا — اپنی نوعیت کا واحد جریدہ

ماہنامہ سچی کہانیاں، پرل پبلی کیشنز : 88-C-II فرسٹ فلور۔ خیابان جامی کمرشل۔
ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی۔ فیز-7، کراچی فون نمبر: 021-35893121-35893122
ای میل : pearlpublications@hotmail.com

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

اس ڈرائیور سے بدتمیزی سے پیش آتا تو جھگڑا مزید بڑھ جاتا۔ اس کا لڑنے کا ارادہ تھا۔۔ میرا نہیں۔ اگر میں بھی ایسا ہی کرتا تو جھگڑا بڑھتا 'مار پیٹ میں اور لوگ بھی شامل ہو جاتے کیونکہ جیسا کہ آپ نے کہا آپ لوگ بھی میرا ساتھ دیتے۔۔ بات بڑھ جاتی۔ پولیس آجاتی، سڑک بند ہو جاتی۔

کسی کا ہاتھ ٹوٹتا یا اور کسی کا سر...... مختصر یہ کہ لڑائی بڑھنے سے پریشانیاں بھی بڑھتیں اور یہ پریشانیاں بھی لمبے عرصے لے لیے ہوتیں۔ میں نے خاموشی اختیار کر کے اور معافی مانگ کر 'یا آپ کے الفاظ میں اپنی انا اور عزتِ نفس کو روند کر جھگڑا اسی وقت ختم کر دیا۔''

میں ڈرائیور کی اس دور اندیشی پر حیران تھا اور مجھے اپنے جذبات پر شرمندگی بھی محسوس ہو رہی تھی۔ میری خاموشی پر وہ دوبارہ بولا۔

''باؤجی! ذرا خود سوچئے، معاملہ اگر تھانے کچہری تک چلا جاتا تو کیا انا اور عزتِ نفس خاک میں نہ ملتی؟ کیا تھانے میں شریف لوگوں کی عزتِ نفس کو تار تار نہیں کیا جاتا۔ میں نے چند لمحوں کے لیے اپنے جذبات کو دبا دیا اور ایک لمبی پریشانی سے خود کو اور میرے خیال میں دوسرے لوگوں کو بھی بچا لیا۔''

''جی بھائی صاحب! آپ کی باتیں حقیقت پر مبنی ہیں۔ میں ساری باتیں جذبات کی رو میں کہا گیا تھا۔ آپ نے واقعی لمحوں کی انا روند کر بہت سے لوگوں کو پریشانی سے بچا لیا۔'' ڈرائیور نے میری تائید پر مسکراتے ہوئے کہا۔

''اور باؤجی آپ خود سوچیں اگر یہ معاملہ مزید بڑھتا تو صرف میرے یا آپ کے لیے پریشانی نہ تھی۔ ہمارے گھر والے بھی الگ سے پریشان ہوتے۔ آپ دیکھیں روزانہ کتنے ہی نوجوان جذبات میں آکر کیا کچھ نہیں کر گزرتے اور پھر آنے والا عذاب یا پریشانیاں کے ساتھ ساتھ ان کے گھر والوں کا بھی مقدر بن جاتا۔ اس لیے میں سمجھتا ہوں کہ وقتی طور پر اگر آپ اپنے جذبات پر قابو پالیں تو آنے والی بہت سی پریشانیوں سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔

بس یہی سوچ میں نے ایسا کیا۔ جسے آپ اور آپ جیسے بہت نوجوان بزدلی کا نام دے رہے ہیں۔''

میں اٹھا، ڈرائیور سے ہاتھ ملایا اور تیزی سے بس سے اتر گیا کیونکہ ڈائیور کی اتنی سمجھداری کے بعد اور میری احمقانہ تبصرے کے بعد میرے اندر ڈرائیور کا مزید سامنا کرنے کی ہمت نہ تھی۔

☆☆......☆☆

غزل

رفتہ رفتہ وقت سے مجبور ہوتا گیا
بہت پیار تھا تجھ سے اور تجھ سے ہی دور ہوتا گیا
میں نے التجا کی وقت نہیں گزرتا تیرے بن
یہ سن کر تو بھی مغرور ہوتا گیا
کسی کی جدائی کو برداشت نہ کر پایا
میں بھی دل و دماغ سے لاشعور ہوتا گیا
تیری آنکھوں میں نہ جانے کیسا ہنر تھا
جو میں پوری محفل میں مسرور ہوتا گیا
یہ کیسی محبت کے مقدر کا کھیل ہے
میں بے وفا اور وہ بے قصور ہوتا گیا

یاسر وکی اڈہ۔ اوکاڑہ

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

پیرس سے ارسال کردہ سچی کہانی

کال گرل

رانی بھی بچوں کی بھوک کے آگے ہار گئی تھی

انیلا حمید

ہر جاندار کی اپنی فطرت ہوتی ہے سانپ کا کام ہے ڈسنا اور شیر کا پھاڑ کھانا، مگر ممتا کا جذبہ جب غالب آجائے تو انسان ہو یا حیوان سب کی فطرت بدل جاتی ہے۔ ہم جس دور میں سانس لے رہے ہیں۔ یہاں سلگتی، سسکتی، نوحہ کناں کہانیاں ہمارے ارد گرد منڈلاتی معاشرے کی بے حسی کا رونا روتی نظر آتی ہیں۔ لیکن افسوس، در افسوس؟ ہماری قوم ہمیشہ چٹ پٹی محبت سے بھرپور خوابوں خیالوں کی دنیا میں کسی ہیرو یا ہیروئین کے جذبات سے مزین کہانیوں کو ہی ترجیح دیتی نظر آتی ہیں...... شاید! انہیں سچ سننا پسند نہیں۔

صاف ستھری ہموار سڑک پہ قیمتی، آرام دہ، نئے ماڈل کی گاڑی سبک روی سے اپنا سفر طے کر رہی تھی، باہر جون کا تپتا سورج زمین اور وہاں کے باسیوں کو قیامت کی گرمی یاد دلا رہا تھا، مگر گاڑی کے اندر کا ماحول بہترین ائیر کنڈیشنر کی بدولت باہر کے موسم سے بالکل الگ تھا، پرسکون اور خنک......

میں نے کلائی کی گھڑی پہ نگاہ ڈالی، بارہ بجنے میں دس منٹ باقی تھے، باجی عاصمہ کے ہاں دوسرے بچے کی پیدائش پہ امی ایک ہفتہ پہلے ہی شیخوپورہ چلی گئیں تھیں۔ انہیں وہاں گئے اب تو دو ہفتے سے زیادہ ہو چکے تھے، اور اب مجھے انہیں لینے حیدر آباد سے شیخوپورہ جانا تھا۔ امی کو میں فون پہ بتا چکا تھا کہ شام تلک پہنچ جاؤں گا، دوسری وجہ وہاں جانے کی یہ تھی کہ میرا دیرینہ بچپن کا دوست جمیل دنیا فانی سے رحلت کر چکا تھا، اسے ملکِ عدم سدھارے پانچ مہینے سے زائد ہو گئے تھے، اگر امی شیخوپورہ نہ جاتیں تو ہمیں پتہ ہی نہ چلتا مجھے یہ خبر سن کر شدید دھچکا لگا۔

دل ماننے کو تیار نہ تھا کہ یہ سانحہ ہو چکا ہے۔ کتنی دیر گومگو کیفیت میں بیٹھا رہا۔ اس کے ساتھ گزرے ماہ و سال کسی فلم کی طرح دماغ میں گھومتے رہے۔ وہ مجھ سے چھ مہینے ہی تو بڑا تھا اور مرتے وقت اس کی عمر ستائس برس بھی نہ ہوئی

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

تھی جونہی امی نے بتایا تو مجھ سے رہا نہ گیا سیٹھ زکاء سے جانے کی بات کی تو انہوں نے اسی وقت جانے کی اجازت دے دی۔ نہ صرف اجازت! بلکہ گاڑی کی چابی دیتے ہوئے کہا، برخودار! امی کو ٹرین پہ لاؤ گے تو شوگر بلڈ پریشر سے طبیعت نہ خراب ہو جائے۔ جب گھر میں گاڑی ہے تو لے جاؤ۔

ایک دو دن تک تو ویسے ہی واپس آنا ہے۔

ان کا شکریہ ادا کرتا گھر آ گیا۔ تہمینہ سے کہا کہ کپڑے استری کر دے شیخوپورہ جانا ہے تا کہ امی کو لے آؤں۔ جی اچھا کہتی وہ کمرے میں چلی گئی۔ کھانا کھا کے ظہر کی نماز پڑھتے ہی میں شیخوپورے کے لیے روانہ ہو گیا معذرت کے ساتھ بتانا بھول گیا کہ میں ایک ڈرائیور ہوں جو سیٹھ ذکاء کے ہاں تقریباً دو سال سے ملازم ہوں۔ ڈرائیوری کے ساتھ انہوں نے تین کمروں کا کوارٹر ہمیں دے رکھا ہے جس میں ماں کے ساتھ میری بیوی تہمینہ اور چھوٹی بہن ہنسی خوشی رہتے ہیں میرا کام بچوں کو اسکول چھوڑنا پھر لیکر آنا بیگم صاحبہ کو کہیں جانا ہو! تو وہ میری ذمہ داری ہوتی آج کل چھٹیاں تھیں۔ بچے زیادہ تر گھر پہ ہی رہتے شاید اسی وجہ سے صاحب کو گاڑی دینے میں کوئی قباحت نہ ہوئی جانتے تھے امی کو لینے جا رہا ہوں کل تک واپس آ جاؤں گا۔

پٹرول پمپ سے ٹینک مکمل بھروا لیا تا کہ راستے میں مشکل نہ ہو۔ مجھے اچھی طرح وہ دن یاد

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

ہے۔

حیدر آباد آنے سے پہلے جب میں جمیل سے ملا تو میرے جانے پہ وہ بہت افسردہ دکھائی دیا تھا۔لیکن میری مجبوری بھی وہ سمجھتا تھا کہ ہمارے حالات کیا ہیں۔ جب ہم شیخوپورہ سے حیدر آباد شفٹ ہوئے تو ٹرین کی ٹکٹوں کے سوا ہمارے پاس پھوٹی کوڑی نہ تھی لیکن کہاوت ہے کہ جہاں اچھے دن نہ رہیں وہاں برے دن بھی نہیں رہتے۔ فیکٹری میں منشی کی نوکری کرتے ہر وقت دھڑکا ہی لگا رہتا کہ کب جواب مل جائے فیکٹری کا مالک ایک سنکی بوڑھا تھا ہر وقت بات بات پہ لڑتا اس کا روز کا معمول تھا کوئی بھی لڑکا اس کے پاس چھ مہینے سے زیادہ نہ ٹکتا اس لیے مجھے بھی ہمہ وقت خوف رہتا کہ کب دھتکار دیا جاؤں۔کوئی پاس سے ہارن بجاتا تیزی سے گزرا تو چونک کے خیالات کی دنیا سے باہر آ گیا۔گاڑی کو میں چلا نہیں بلکہ دوڑا رہا تھا امی سے شام تک پہنچنے کا کہا تھا شاید اسی لیے گاڑی کی رفتار معمول سے ہٹ کے تھی۔تو ہاں میں ذکر کر رہا تھا کہ جمیل میرا لنگوٹیا یار تھا،ایک ہی اسکول،ایک ہی سوچ،ایک جیسے حالات،بہت کم نصیب والوں کو ملتے ہیں جہاں جاتے ہم اکٹھے ہی جاتے ایک پل بھی ایک دوسرے سے جدا نہ ہوتے شاید اس کی یہ وجہ بھی تھی کہ ہم ایک ہی طبقے سے تعلق رکھتے تھے،جمیل اپنے والد کا واحد سہارا تھا اور اکلوتا ہونے کی بناء پہ چاچا شکور اسے بہت چاہتا،ماں اس کی بچپن میں فوت ہو گئی تھی۔

اپنے بوڑھے دمے کے مریض باپ کے ساتھ وہ دو کمروں کے کوارٹر میں رہائش پذیر تھا،کوارٹر کا کرایہ ادا کرنا اس کے لیے آسان کام نہ تھا اور اوپر سے بیمار باپ کا علاج' زندگی کی گاڑی کو دونوں باپ بیٹا بمشکل گھسیٹ رہے تھے۔

اسی طرح میں نے بھی جب سے ہوش سنبھالا گھر والوں کو غربت کی چکی میں پستے پایا۔ابو ایک سرکاری محکمے میں کلرک بھرتی تھے آمدنی کم تھی لیکن کھانے والے ہم پانچ افراد میری تین بہنیں مجھ سے بڑی تھیں میں سب سے چھوٹا' اگرچہ اس وقت مہنگائی کا جن اتنا بے قابو نہ ہوا تھا لیکن پھر بھی ہمارے گھر کا گزارہ مشکل سے ہو پا رہا تھا شومئی قسمت! کہ عاصمہ آپی،ثناء باجی،اور حرا ابھی ساتویں آٹھویں اور نویں میں تھیں کہ ایک حادثے میں ابو کا انتقال ہو گیا۔وہ ہم سب کو روتا چھوڑ کے خالق حقیقی سے جا ملے،میں اس وقت پانچویں کلاس میں تھا،اب اخراجات کا اژدھا منہ کھولے ہماری ضروریات زندگی کو ہڑپ کرنا چاہتا تھا۔لیکن امی نے کہیں کہہ سن کے دو تین گھروں میں صفائی کا کام شروع کر کے گھر کا نظام سنبھال لیا۔

جمیل کا گھر ہمارے گھر سے کچھ فرلانگ دور تھا۔دو سڑکیں اور ایک پتلی سی گلی درمیان میں حائل تھی،ہم دونوں ایک ایسے علاقے میں تھے جہاں رہنے والے معاشی اعتبار سے کئی طبقوں میں منقسم تھے،ایک زمانہ تھا جب تین طبقوں کا نام سنا جاتا تھا۔

امیر،متوسط،اور غریب! لیکن اب غریبوں کے ہی تین طبقے ہیں،غریب،اور غریب،بے تحاشا غریب! اسی طرح مڈل کلاس،لوئر کلاس،اور مڈل اپر کلاس! امیر،اور امیر،انتہائی امیر!!!!!

ہمارے علاقے میں غریبوں کے تینوں طبقے رہتے تھے۔جمیل اور میرا تعلق غریبوں کے درمیانی

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

طبقے سے تھا، اس کا کوارٹر دو کمروں پہ مشتمل تھا اور ہمارا تین!!

ایک کمرے میں چاچا شکور اور دوسرے کو بیٹھک کے طور پہ استعمال کیا جاتا کمرہ کیا تھا ایک چھوٹا سا ڈربہ نما صندوق! جہاں چاچا شکور کی ایک جھلونگا سی چارپائی بچھی تھی۔ جس پہ بیٹھا ہر وقت وہ کھانستا رہتا تھا۔ وہیں فرش پہ پرانی سی دری کا ٹکڑا بچھا تھا۔ ایک طرف دو چھوٹے ٹرنک جن میں باپ بیٹے کا ضروریاتِ زندگی کا کچھ سامان پڑا تھا۔ اور بیٹھک میں برائے نام رکھی چیزوں میں دو کرسیاں ایک چھوٹی میز جس کا ایک پایا ہلا ہوا تھا اسے سیدھا رکھنے کے لیے نیچے کنستر کی اڑلیس۔ دے رکھی تھی کہ گر نہ جائے دیوار کی خانہ پری کے لیے دو مورے پڑے تھے۔

دیواروں کی حالت ناگفتہ بہ تھی جگہ جگہ سے پلستر اڑ چکا تھا۔ چھوٹا سا بلب بھی دیواروں کی سیاہ رنگت چھپانے کو ناکام تھا۔ جمیل اور ہمارے جیسے غریبوں کیلئے یہی کل کائنات تھی۔ ہمارے چاہے تین کمرے تھے۔ لیکن حالت ہماری بھی جمیل سے کم نہ تھی فرق صرف اتنا تھا کہ ہمارے گھر چارپائیاں زیادہ تھیں۔ وہ بھی ہر رنگ کی۔ اور ایک پرانا صوفہ سیٹ تھا۔ جو شاید مالک مکان نے جاتے ہوئے پھینکنے کی بجائے ہمیں مرحمت فرما دیا۔ بعد میں بیٹھنے سے پتہ چلا کہ درمیان کے اسپرنگ اپنی توانائی کھو چکے ہیں۔ امی نے اس خلا کو پرانے کپڑے ٹھسیڑ ٹھسیڑ کے پُر کیا۔ مکان کی چھتیں بالے کی تھیں۔ ہر وقت دھڑکا ہی لگا رہتا کہ ابھی نیچے آئی کہ آئی ابو کی وفات سے حالات زیادہ دگرگوں ہو گئے تو امی نے تینوں بہنوں کو اسکول سے اٹھا لیا۔ ان کی فیسیں دینی مشکل ہو گئیں تھیں۔ انہیں ادھار لے کے سلائی مشین لے دی تاکہ گھر میں ہاتھ بٹائیں۔ صرف مجھے پڑھنے دیا شاید انہیں امید تھی کہ میں پڑھ لکھ کے ایک بڑا افسر بن جاؤں گا تو تمام دلیدر دور ہو جائیں گے یا انہیں خوف تھا کہ محلے کے بچوں کے ساتھ مل کے بگڑ نہ جاؤں، اسکول جاتا رہوں گا تو کچھ سیکھ ہی لوں گا۔

لیکن! واہ رے قسمت! بے رحم وقت کے ہاتھوں میں بھی بمشکل نویں تک پڑھ سکا۔ تنگ دستی غالب تھی۔ مجھے اپنی تعلیم ادھوری رہ جانے کا بڑا قلق تھا۔ تین جوان بہنیں پتھر کی سل کی طرح اماں کے سینے پہ دھری تھیں۔ انہیں اور بیمار ماں کو دیکھتے ہوئے پڑھائی کو خیر باد کہا اور فیکٹری میں منشی کی نوکری کرنے لگا۔ حالانکہ امی نہیں چاہتی تھیں ان کی ہر ماں کی طرح خواہش تھی کہ زیادہ پڑھ جاؤں لیکن فاقے کہاں پڑھنے دیتے ہیں، سو! پڑھائی سے دل اچاٹ ہو گیا اور کام شروع کر دیا یوں گھر کی گاڑی چلنے لگی، جمیل کے ساتھ مکمل رابطے میں تھا۔ اس کے حالات ہم سے بھی ناگزیر تھے۔

سترہ اٹھارہ سال کی عمر میں بوڑھے بیمار باپ کو سنبھالنا جمیل کے لیے انتہائی مشکل ہوتا جا رہا تھا۔ وہ صبح سویرے نکلتا تو شام تلک واپسی ہوتی۔ شام تک چاچا اکیلا کھانستا رہتا۔ کوئی دیکھنے والا نہ تھا۔ گھر میں ایک عورت کی اشد ضرورت تھی۔ لوگوں کے کہنے پہ چاچا شکور نے دور پرے کے رشتے کی ایک کزن کی بیٹی سے جمیل کی شادی طے کر دی۔ اس بیچاری کا بھی آگے پیچھے کوئی نہ تھا ماں باپ کے مرنے کے بعد رشتے کے ماموں کے پاس رہ رہی تھی۔ اسی لیے انہوں نے جلدی سے حامی بھر لی۔ غریبوں میں زیادہ تر ایسے ہی ہوتا ہے کہ لڑکیاں چودہ پندرہ

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

سال کی عمر میں ہی بیاہ دی جاتی ہیں (بیاہ دی جاتی ہیں!یا دھکیل دی جاتی ہیں) کہ ایک بوجھ کم ہو۔شاید!رانی بھی رشتے کے ماموں پہ ایک بوجھ تھی اسی لیے انہوں نے جھٹ منگنی، پٹ بیاہ والا معاملہ کیا۔شادی کیا تھی، بس ایک خانہ پری کی گئی، چند گنتی کے لوگ گئے اور نکاح کر کے لے آئے جن میں میں بھی شامل تھا۔

رانی صرف نام کی رانی نہ تھی بلکہ شکل وصورت سے اسے کسی امیر گھر کی ملکہ ہونا چاہیئے تھا جس نے اسے دیکھا دیکھتا رہ گیا، (گدڑیے میں لعل لگنا) محاورہ بالکل رانی پہ اترتا تھا، جمیل تو اسے دیکھ کے ہی دیوانہ ہو گیا، غربت میں اتنا حسن شاید اس نے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔دن کے ساتھ اس کی توراتیں بھی رنگین ہو گئیں۔

ایک ہفتہ تو وہ نظر نہ آیا چاچے شکور کی طبیعت خراب تھی میں خبر لینے ان کے گھر گیا تو جمیل نے زبردستی اندر بٹھالیا، پہلے بھی میں چاچے کی خبر لینے آتا رہتا تھا۔لیکن اس بار جھجک محسوس ہو رہی تھی شاید جمیل کی شادی ہو گئی تھی اس لیے......

کچھ دیر بعد رانی چائے کے ساتھ بسکٹ لیکر آ گئی، اس نے سلام کیا تو میں نے سلام کا جواب دینے کے لیے منہ تھوڑا اوپر کیا جونہی اس پہ نظر پڑی تو آنکھ جھپکنا ہی بھول گیا، وہ حقیقت میں بہت خوبصورت تھی یا مجھے لگی، بڑی بڑی مخمور آنکھیں جن میں لال لال ڈورے رت جگے کے غماز تھے۔لمبی دراز پلکیں، گلابی ہونٹ،، وہ ایک معصوم اور دلکش لڑکی تھی۔

میں دل میں اسے سراہے بناء نہ رہ سکا۔چائے رکھ کے وہ اندر مڑی تو سیاہ لمبے کالے بال کسی ناگن کی طرح بل کھا رہے تھے۔ مجھے پہلی بار جمیل کی قسمت پہ رشک آیا، مگر جلد ہی غلطی کا احساس ہوا، اور اپنی نظروں کا زاویہ بدلہ کہ جمیل میرے بھائیوں جیسا ہے۔اور اس کی بیوی میری بھابھی، شاید یہ فطری عمل تھا کہ انسان ہونے کے ناطے دوسروں کی طرح میرے اندر بھی حسد کا مادہ موجود تھا۔

یہ رانی سے میری پہلی ملاقات تھی۔چاچا شکور کی خبر لیکر میں واپس آ گیا، فیکٹری کی نوکری میں اتنا الجھا کہ دو تین مہینے جمیل سے ملاقات نہ ہو سکی۔میری خود کی تنخواہ اتنی تھی۔کہ گھر کا بار بمشکل گھسیٹ رہا تھا۔

یہ تو شکر ہے عاصمہ آپی اور ثناء باجی نے سلائی مشین سے تھوڑا کام شروع کیا۔ابھی وہ سیکھنے کے عمل میں تھیں۔ساتھ ساتھ محلے کی بچیوں کو درسِ قرآن دینا شروع کر دیا۔حسبِ توفیق جو بن پڑتا محلے والے دے دیتے۔لیکن سب کے حالات تقریباً ایک جیسے تھے۔کوئی اگر کچھ ٹھیک بھی تھا۔تو آٹے میں نمک کے برابر، لیکن ہمیں ابھی مستقبل اندھیرے میں ڈوبا نظر آ رہا تھا! انہی دنوں ہمسائیوں کے توسط سے عاصمہ آپی کا رشتہ آیا۔خاندان لمبا چوڑا نہ تھا۔دو ہی بہن بھائی تھے۔ نیامت چاچا کی تمام عمر کی جمع پونجی صرف ایک دوکان تھی۔

انہوں نے اپنے بیٹے سلیم کو اپنے ہی ساتھ سیلز مین پہ لگا لیا، امی کو جو بات پسند آئی انہوں نے جہیز کا مطالبہ نہ کیا شریف لوگ تھے۔امی نے فوراً حامی بھر لی۔وقت بھی زیادہ نہ تھا، دو مہینے کے اندر اندر عاصمہ آپی رخصت ہو کے سسرال چلی گئیں۔شادی میں صرف جمیل شریک ہوا رانی ماں بننے والی تھی۔اس لیے نہ آ سکی۔عاصمہ آپی کی شادی سے جونہی فراغت ہوئی امی نے جمیل کی طرف جانے کی خواہش ظاہر کی۔جمیل گھر نہ ہوگا

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

اس لیے امی کو کہا کہ اتوار کا پروگرام بنالیں۔لیکن امی نہ مانیں۔بولیں کہ رانی ابھی بچی ہے۔اونچ نیچ کا پتہ نہیں گھر میں کوئی عورت بھی نہیں ہے۔اس لیے ہمیں چلنا چاہیے۔میں سمجھ گیا۔اور جانے کو تیار ہو گیا۔شام کا وقت تھا۔جمیل ابھی ابھی کام سے واپس آکر کھانا کھا رہا تھا۔چاچا شکور روزمرہ کی طرح جھلنگا سی چارپائی پہ بیٹھا کھانس رہا تھا۔

اتنی دیکھ بھال اور دوا کھانے کے باوجود چاچے کی بیماری طول پکڑ گئی تھی۔غریب یا تو پیٹ بھرے یا علاج کروائے۔میں نے چاچا شکور کو سلام کیا اور ساتھ ہی بیٹھ گیا۔امی نے ان کا حال احوال پوچھا چاچے کو تسلی دی پھر رانی کے پاس دوسرے کمرے میں چلی گئیں۔میں اور جمیل کام کے سلسلے میں بات کرنے لگے۔اس شام شاید ہم ماں بیٹا دو تین گھنٹے وہاں بیٹھے گپیں مارتے رہے۔امی جو چیزیں ساتھ لائی تھیں رانی کو دے دیں۔اسے کچھ ہدایات دیں۔اور سمجھایا کہ ضرورت پڑے تو انہیں بلا لے۔ہم ماں بیٹا رات تلک واپس آگئے۔

چند دن بعد جمیل کے ہاں ننھے حارث نے جنم لیا۔جمیل بہت خوش تھا۔غریب ہونے کے باوجود بیٹے کی پیدائش پہ اپنی بساط سے بڑھ کر خوشی منائی۔اس نے محلے بھر میں لڈو تقسیم کیے۔چاچا شکور نے تیسرے دن عقیقہ کروا دیا۔نتیجہ یہ نکلا۔کہ لڈو اور عقیقے کے لیے لئے گئے قرضے کو سات ماہ تک جمیل وقفے وقفے سے لٹاتا رہا۔رانی کی طبیعت ٹھیک نہ تھی اس لیے امی بلاناغہ اس کے گھر جاتیں اور کچھ نہ کچھ پکا کر رانی کو دے آتیں، ہفتے بعد مجھے بھی کام سے جلدی چھٹی ہوئی تو جا کے جمیل کو مبارک باد دی۔ننھے حارث کو دیکھ کر مجھے بہت اچھا لگا۔جب حارث کو میری جھولی میں ڈال کر جمیل نے کہا! لو بھئی! دیکھو حارث! یہ تمہارا چاچا آگیا۔تو میرا سینہ فخر سے چوڑا ہو گیا آخر رشتے میں ہے تو میرا بھتیجا ناں،، کچھ دیر ننھے حارث سے کھیل کے میں واپس آگیا۔

وقت کا کام ہے چلنا۔سو! وہ چلتا گیا۔کہ چاچا شکور کی وفات نے جمیل کو ہلا کے رکھ دیا۔تب تک جمیل دو بچوں کا باپ بن چکا تھا۔میں مالک سے چھٹی لیکر فٹافٹ جمیل کے ہاں پہنچا تو پتہ چلا کہ اس کی جیب میں پھوٹی کوڑی نہیں ہے کہ باپ کی آخری رسومات بھی کرسکتا۔میں نے اور محلے داروں نے مل کے کفن دفن کا بندوبست کیا۔چاچے کو منوں مٹی نیچے دفنا کے جمیل کو ساتھ لیے میں گھر آگیا۔

بچپن سے لیکر آج تک وہ باپ سے ایک پل دور نہ ہوا تھا۔اسوقت وہ شدید غم سے نڈھال تھا۔اس لیے شام تک میں اس کے پاس رہا۔ساتھ ساتھ اسے سمجھاتا رہا کہ اس نوکری کو چھوڑ کے کہیں اور طبع آزمائی کرے۔ایسے دگرگوں حالات میں بچوں کے ساتھ کیسے گزارہ کر پائے گا۔میں شاید اسے کبھی نہ سمجھاتا اگر رانی کو نہ دیکھتا۔وہ بدل چکی تھی۔ان ڈھائی سالوں میں وہ دو بچے پیدا کر کے جن مشکلات سے نبرد آزما ہوئی اس سے اس کی خوبصورتی گہنا چکی تھی۔اور اب تیسرے بچے کی آمدن کے میں بھونچکا گیا۔میری باتیں سر جھکا کیوہ سنتا رہا لیکن بولا کچھ نہیں۔میں تین چار دن تک اس کے گھر چکر لگاتا رہا۔جو کچھ ہم سے اور ہمسائیوں سے بن پڑا وہ ہم نے کیا۔پھر دنیا کے دھندوں میں ہم بھی اُلجھ گئے۔منشی کی نوکری میں اتنی آمدنی نہ تھی کہ کچھ بچت کرسکتا۔پٹرول پمپ کی ایک خالی ویکنسی کو دیکھتے دوست

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

کے مشورے پہ وہاں کام شروع کر دیا۔ پہلے پہل تو اچھا لگا لیکن اکثر رات کو وہاں رہنا پڑ جاتا تو گھر والوں کو مشکل ہوتی۔ خیر اب روزی روٹی بھی کمانی تھی، سو! کام میں جت گیا۔

پٹرول پمپ پہ کام کرتے چوتھا مہینہ تھا۔ دو ایک بار مالک سے تنخواہ بڑھانے کی بات کی تو اس نے ڈیڑھ سو بڑھا دیئے۔ تنخواہ میں کچھ اضافے نے مجھے ہمت پکڑنے پہ اکسایا۔ اور میں پہلے سے زیادہ دل جمعی سے کام میں لگ گیا۔ یہی پہ میری ملاقات اصغر علی سے ہوئی۔ جو دوستی کا روپ دھار گئی۔ اصغر علی حیدر آباد کا رہائشی تھا وہ اپنے چچا کے ساتھ شیخوپورہ میں رہتا تھا۔ وجہ شاید یہ تھی۔ کہ وہ گھر داماد تھا۔ اسلیے وہ سسرال میں ان کیساتھ ہی رہتا۔ وہ والدین سے ملنے حیدر آباد جا رہا تھا تو مجھے بھی ساتھ جانے کا کہا۔ کراچی جانے کا مجھے شوق تھا۔ لیکن حیدر آباد جانے میں بھی کوئی قباحت نہ تھی۔ انکار نہ کر سکا۔ سوچا امی سے پوچھ لوں تب بتاؤں گا۔ گھر آ کے امی سے بات کی تو انہوں نے آسانی سے جانے کی اجازت دے دی۔ اس لیے کہ وہاں امی کے ماموں تقریباً پندرہ سال سے مقیم تھے۔ کبھی کبھار فون پہ بات ہو جاتی لیکن کبھی ملنے کا اتفاق نہ ہوا۔ امی نے ان کا پتہ بھی مجھے دیا اور ہدایت بھی کی کہ ضرور مل کے آؤں۔ میں خوشی خوشی حیدر آباد کے لیے روانہ ہو گیا۔ اصغر علی کے گھر والوں نے مجھے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ خوب آؤ بھگت کی۔ دو دن گھر رہے تیسرے دن امی کے ماموں کے ہاں جانے کو نکلے۔ ان کی رہائش نوری آباد میں تھی۔ لمبا فاصلہ طے کرتے وہاں پہنچے۔ شام کی جانب بڑھتے سائیوں میں اس علاقے کے مناظر انتہائی دلکش و پرفریب دکھائی دے رہے تھے۔ پہلی بار اتفاق ہوا تھا کہ میں اپنے علاقے سے باہر نکلا تھا۔ اور تب باہر قدرت کے تحسین نظارے دیکھ کے میرے اندر خواہشوں نے انگڑائی لی۔ انسانی وجود خواہشوں کی آماجگاہ ہی تو ہے اسی لیے زیست کے ہر لمحے میں خواہشیں مکڑی کے جالوں کی طرح ہم سے لپٹی نظر آتی ہیں۔

دو منزلہ خوبصورت مکان کی کنڈی کھٹکھٹاتے میں انجانے خوف میں مبتلا تھا۔ نجانے امی کے ماموں کیسے ہیں۔ کس طبیعت کے ہیں۔ میرا آنا انہیں اچھا بھی لگتا ہے کہ نہیں۔ اسی خیال میں تھا کہ دروازہ کھل گیا۔ ایک باریش سفید داڑھی میں نورانی چہرہ دیکھ کے میرا خوف دور ہو گیا۔ وہ بڑے تپاک سے ملے۔ ہم دونوں کو گلے لگایا۔ اور اندر بیٹھک میں لے آئے۔ ان کا تعلق متوسط طبقے سے تھا۔ کھاتے پیتے لوگ تھے۔ چند پل گزرے کہ ایک مدبر خاتون اندر داخل ہوئیں۔ جن کا تعارف انہوں نے بیگم کہہ کے کروایا۔ نہایت اچھی بااخلاق و پروقار شخصیت تھیں۔ مجھے تو بہت اچھی لگیں۔ اور مجھے خوشی ہوئی کہ امی کے خاندان والے اچھے سلجھے لوگ ہیں۔ انہوں نے میرے سر پہ ہاتھ رکھ کے دعا دی۔ بعد میں اصغر علی کو بھی۔ آپ لوگ باتیں کرو بیٹا! میں کھانا لگواتی ہوں۔ تھک گئے ہو۔ تب تک یہ ٹھنڈا جوس پی لو! وہ شفقت سے کہتیں اٹھ کے باہر نکل گئیں۔ کچھ دیر بعد وہیں دسترخوان بچھا دیا ، آجائیں! کھانا ٹھنڈا نہ ہو جائے۔ انہوں نے محبت سے پکارا۔ پہلے امی کے ماموں اٹھے تو ہمیں بھی ان کی تقلید کرنی پڑی۔ پراٹھے، تندوری چکن، بھنے قیمے، مٹر پلاؤ، کھیر، سے ہماری خاطر مدارات کی۔ ایسے کھانے شاید ہم غریبوں کی شادیوں میں بھی نہیں ہوتے۔ ہم نے خوب سیر ہو

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

کے کھانا کھایا، بھوک کتنی ظالم چیز ہوتی ہے، مجھے احساس تھا ہمارے ہی علاقے میں لوگ کوڑے سے روٹی اُٹھا لیتے تھے۔ پیٹ کی آگ بجھانے کی خاطر ہی تو ہم کتنے پاپڑ بیلتے ہیں۔ مجھےیکدم جمیل یاد آ گیا، کافی ہفتے ہو گئے تھے اسے ملے، نجانے نوکری کا کیا بنا ہو گا، میں سوچتا ماموں سے باتیں کرتا رہا، امی نے کچھ چیزیں انہیں بھیجیں تھیں وہ ان کو دے دیں، جسے انہوں نے تھوڑی حیل و حجت کے خوشی سے لے لیا۔

چائے کے دوران وہ اپنے بیٹے کے متعلق بات کرتے رہے۔ جو کراچی کی ایک ٹریول ایجنسی میں ہیڈ کلرک تھے۔ اور زیادہ تر چھٹی والے دن ہی گھر آ پاتے۔ رہائش انکی کراچی میں تھی۔ مجھے یہ علاقہ بہت پسند آیا تھا۔ کم از کم یہاں نوکری کے چانسز زیادہ تھے۔ بندہ محنت سےخود کو اس قابل بنا سکتا ہے۔ کہ سکون سے زندگی گزارے۔ شیخوپورہ والے حالات سے تو خلاصی پا جائیں گے۔ من ہی من میں خواب دیکھتا، سوچتا، خوش فہمیاں پالتا ان سے اجازت طلب کی۔ ممانی اور ماموں نے دعاؤں کے سائے میں رخصت کیا، واپسی پہ دوبارہ اصغر علی کے گھر آ گئے۔ جہاں تہمینہ سے ملاقات ہوئی جو اس کے ماموں کی اکلوتی بیٹی تھی، اسکول ٹیچر تھی، مجھے پہلی نظر میں دل کو بھا گئی، دوسری طرف بھی شاید یہی کیفیت مجھ سے مختلف نہ تھی، اب گھر بسانے کو میرا بھی من کر رہا تھا، لیکن رونا وہی آمدنی!،، ابھی دو بہنیں بیاہنے والی تھیں تو میں اپنے بارے کیسے سوچ سکتا تھا، سوچا گھر جا کے پہلے امی سے بات کروں پھر تہمینہ کے والدین سے، تاکہ وہ بیٹی کی شادی کہیں اور نہ کر دیں، گیا تین دن کے لیے تھا مگر! ہفتہ لگ گیا، واپسی پہ من نہیں چاہ رہا تھا کہ شیخوپورہ واپس آؤں، گھر آیا تو نئی خبر منتظر تھی، جمیل کے ہاں پانچویں بچے کی پیدائش، اُف! سمجھانے کا بھی کوئی اثر نہیں ہوا، ابھی میں خود سیٹل ہونے کے بارے کوئی عملی قدم اُٹھانے کی سوچ رہا تھا، کیونکہ وہاں کاروباری سرگرمیاں عروج پہ تھیں، امی سے پوچھا تو بغیر کسی حیل و حجت کے وہ مان گئیں، شاید وہ بھی حالات سے تنگ پڑ چکی تھیں، میرا ارادہ امی کو تہمینہ کے گھر بھیجنے کا تھا۔ کوشش یہی تھی کہ وہاں سیٹل ہو جائیں۔ حالات بھی ٹھیک ہوں اور تہمینہ کے گھر والوں کو بھی کوئی اعتراض نہ ہو۔ میری امی تہمینہ کو دیکھے بغیر تیار تھیں۔ اب گھر سے سامان اُٹھانے کی پریشانی تھی۔ گنتی کی چند چیزیں تھیں۔ باقی سب کباڑ خانہ۔ ضرورت کا سامان صندوقوں میں رکھ لیا۔ باقی ٹرین کے ٹکٹ کٹوانے تھے۔ سوچا پہلے جمیل سے ملتا جاؤں۔ اسے ساتھ لیکر ٹکٹ لینے چلا جاؤں گا۔، وہ جگری یار تھا۔ ملے بغیر جاتا۔ تو مطلبی کہلاتا۔

وہ مجھے دیکھ کے بہت خوش ہوا۔ پہلے سے زیادہ کمزور اور لاغر ہو گیا تھا۔ میلے سے کپڑے پہنے وہ دکھنے میں چالیس کے لگ بھگ لگ رہا تھا حالانکہ اس کی عمر چھبیس سال کی تھی، کمرے کی ہنوز وہی حالت تھی، چاچے شکور کی وہی جھلنگا سی چارپائی اور فرش پر وہی میلی پرانی دری، فرق صرف یہ پڑا تھا کہ اس میں دو تین موٹے موٹے چھید ہو چکے تھے، اس کے بچے ننگ دھڑنگ، میلے کچیلے، اور پھٹے پرانے کپڑے پہنے ہوئےتھے، غریبوں کی واحد تفریح شاید یہی ہے کہ زیادہ سے زیادہ بچے پیدا کرو، نجانے انہیں کونسا ورلڈ ریکارڈ بنانا ہوتا ہے، اس وقت اس کے بڑے بچے کی عمر چھ سال کی ہو چکی تھی، بچوں کو اس نے ڈانٹ ڈپٹ سے

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

اندر کمرے میں بھیج دیا، ساتھ ہی رانی کو چائے کی آواز لگائی، ہماری باتوں کا سلسلہ چل نکلا تھا، ہم شاید سات آٹھ ماہ بعد مل رہے تھے، اب کہاں کام کرتے ہو جمیل؟ میں نے سلسلہ کلام جوڑتے پوچھا، فضل الرحمان صاحب ہیں ناں! تم جانتے ہو انہیں، پچھلی گلی میں جن کی کریانے کی دوکان ہے، بس گاہکوں کو سودا تول کے دیتا ہوں، کتنی تنخواہ اب لگی ہے؟ ساڑھے تین ہزار آواز آہستہ تھی کیا میں چلا اٹھا اتنی کم تنخواہ میں کیسے گزارہ کرتے ہو گھر اور بچوں کی حالت دیکھتے مجھے خود کا سوال کرنا ہی عجیب لگا کیونکہ میں جانتا تھا کوارٹر ان کا اپنا نہیں اس کا کرایہ بھی یہ ادا کرتا ہے بس گزارہ ہو ہی جاتا ہے آفتاب اس نے ٹھنڈی سانس بھرتے کہا پھر بلند آواز میں بولا چائے بن گئی رانی بس لا رہی ہوں اندر سے آواز آئی۔

اس کی ضرورت نہیں تھی جمیل! میں نے کہا، میں اس لیے تو نہیں آیا کہ تم سے خاطر مدارات کرواؤں، رات کو فیملی سمیت حیدرآباد جا رہا ہوں یہاں کام دھندہ تمہارے سامنے ہے اور اخراجات کا جن منہ کھولے ہڑپنے کو تیار، سوچا تم سے ملتا جاؤں پھر نجانے سال بعد ملاقات ہوتی ہے یا دو سال بعد،، ہوں اس نے ہنکارا بھرا، آہٹ سن کر میں نے دروازے کی طرف دیکھا، وہ رانی ہی تھی، نیلے رنگ کی شلوار اور ہرے پھولوں کی قمیض پہنے سر پہ سرمئی رنگ کا دوپٹہ اوڑھے ہوئے تھی، شلوار میں ایک پیوند تو مجھے فوراً نظر آ گیا، دو پیوند دوپٹے میں جھانک رہے تھے، رنگ پہلے سے کافی کالا ہو گیا تھا، گال پچکے ہوئے، وہ کہیں سے بھی شگفتہ سی رانی نہ لگ رہی تھی، بال چپکے ہوئے، شاید صابن میسر نہ تھا، بغیر سلام دعا اس نے چائے کے دو پیالے میلی سی ٹرے میں رکھے نیچے دری پہ رکھ دیے، چائے کی رنگت بتا رہی تھی کہ استعمال شدہ پتی کو دوبارہ پانی میں کھولایا گیا ہے ٹرے رکھے وہ اندر مڑ گئی۔

اس نے ایک اچٹتی سی نظر ڈالنا بھی گوارہ نہ کیا۔ جمیل نے ڈانٹا کہ آفتاب کو سلام تو کر۔ منے کی طبیعت ٹھیک نہیں اسے دیکھنا ہے۔ سنا ان سنا کر کے اندر چلی گئی۔ پاگل ہونے لگی ہے یہ۔ جمیل نے جھنجھلاتے ہوئے انداز میں کہا۔ سلام کرنے میں کیا دیر ہو جاتی۔ خیر! تم نکلتے ہو تو اچھی طرح خبر لیتا ہوں۔ یہ وہ جمیل تو نہ تھا جو شگفتہ سی رانی کو دیکھ کے دیوانہ ہو گیا تھا۔ نہیں، نہیں، جمیل! میں نے جلدی سے کہا۔ اس سے کچھ مت کہنا، حالات خراب ہوں تو دماغ ٹھکانے نہیں رہتا اسے اپنے بچے کی بھی فکر ہے۔ بتایا تو ہے اس نے، کہ بیمار ہے۔ ہاں آفتاب! وہ ٹھنڈی سانس لیتا بولا، یہ سب تو چلتا ہی رہتا ہے۔ کبھی ایک کی طبیعت خراب کبھی دوسرے کی۔ کبھی رانی بیمار پڑ جاتی ہے۔ بس اک میں ہوں پتھر کا جسے کبھی کچھ نہیں ہوا۔ میں بچپن سے اسے جانتا تھا، اس کی عادات، نیچر، سوچ مجھ سے مختلف تو نہ تھی، کبھی اس کے منہ سے ناامیدی کی بات نہ سنی تھی۔ آج عرصہ بعد ملا تو دیکھ اور سن کر اذیت پہنچی، میں نے اسے دلاسہ دیا اور وعدہ کیا کہ کسی سے کہہ سن کے تمہیں اچھی نوکری دلوانے کی کوشش کرتا ہوں، مجھے اندازہ تھا کہ غربت کے بارے سننا اور غربت میں خود کو ڈوبا دیکھنا، دو الگ الگ باتیں ہیں، لیکن صرف، سننے والوں کے لیے بیتنے والوں کے لیے نہیں، اس اثناء میں دوسرے کمرے سے بچوں کے رونے کی آوازیں وقتاً فوقتاً آتی رہیں، اب جو آئیں تو شاید رانی کو چپ کروانا مشکل ہو رہا تھا، میں نے جمیل کی طرف دیکھا، میں انہیں چپ نہیں کروا سکتا، اس نے نظریں جھکا کے کہا رات سے بھوکے ہیں، میں ہکا بکا

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

اس کی صورت تکے جا رہا تھا، تقریباً ڈیڑھ گھنٹے سے ہم اکٹھے بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ لیکن اس کے منہ سے سوائے ایک بار نا امیدی کے لفظ کے کچھ نہ سنا اور نہ اس نے بتایا، اور اب اچانک اُف میرے خدا!۔

ظلم بچے جنتا ہے کوچہ غربت میں
اے امیر شہر! تو بھی تو صاحب اولاد ہے

میں نے چائے کا ادھ ٹوٹا پیالہ دری پہ پٹخا اور کھڑا ہو گیا۔ جمیل حیرت سے مجھے تک رہا تھا۔ میں نے جوتا پاؤں میں اڑسیا اور جلدی سے باہر نکل آیا، سچ پوچھیں تو کچھ بھی سجھائی نہ دے رہا تھا، جمیل مجھے آوازیں دیتا رہ گیا، رانی کا جذبات سے عاری چہرہ، اس کی ویران آنکھیں، بچوں کا بھوک سے بلکنا، جمیل کا کمزوری سے لاغر وجود، ننگ دھڑنگ بچے، اپنی خودداری کو غربت میں کیسے اس نے دبا رکھا تھا، یہ سوچ کے میری روح تک کانپ گئی۔ حیدرآباد جانے کے لیے جتنی رقم جوڑ رکھی تھی اس میں ضروریاتِ زندگی کا جتنا سامان آ سکتا تھا میں نے لیا اور جمیل کے گھر کی راہ لی۔ دروازہ اس کے بیٹے حارث نے کھولا، مجھے دیکھ کیفرطِ جزبات سے چلایا ابا، ابا! چاچا آ گیا، اتنی دیر تک جمیل بھی پاس آ گیا، میرے ہاتھوں میں سامان دیکھا تو شرمندہ ہو گیا، وہ عجب کشمکش و پیچ میں تھا کہ لوں یا نہ لوں؟ لیکن مجھے اب اس کی کوئی پرواہ نہ تھی، میں نے سامان اس کے آگے رکھا اور سختی سے کہا کہ آئندہ کسی بھی چیز کی ضرورت پڑے تو بلا جھجک امی سے کہہ دینا تم ہم سے الگ نہیں ہو، جمیل نے روتے ہوئے مجھے گلے لگا لیا اس کی آنکھوں میں تشکر کے آنسو تھے، اس کی پیٹھ تھپکتے میری آنکھ سے بھی آنسو جاری ہو گئے، بچوں کے چہروں پہ جو رونق تھی اس سے مجھے شرمندگی کے احساس کے ساتھ گونا گو اطمینان بھی ہوا، میں نے جمیل سے اجازت طلب کی کیونکہ اب حیدرآباد جانے کیلئے کسی سے ادھار کا بندوبست جو کرنا تھا، جمیل نے ایکبار پھر شکریہ ادا کیا جس پہ میں نے خفگی کا اظہار کیا تو وہ روتے میں مسکرا دیا۔

گاڑیوں کے ہارن، شور شرابے سے میں خیالات کے بھنور سے باہر نکل آیا، میں نے گاڑی روک دی، سگنل ابھی بند نہ ہوا تھا لیکن رش کی وجہ سے گاڑیوں، بسوں، ویگنوں کی لمبی قطاریں دور دور تک نظر آ رہی تھیں، اب پتہ نہیں کتنا وقت درکار ہے؟ حیدرآباد سے شیخوپورہ کا راستہ مجھے صدیوں پہ محیط لگ رہا تھا، اگرچہ گاڑی کا اندرونی ماحول باہر کی نسبت کافی خنک تھا لیکن میں سخت کوفت اور بیزاری محسوس کر رہا تھا، کچھ فاصلے پہ کھڑے ٹریفک سارجنٹ سے پوچھا تو پتہ چلا کہ وزیر اعلیٰ کی سواری گزرنے والی ہے اس لیے ٹریفک بند ہے، میرا موڈ اور خراب ہو گیا، کیا مصیبت ہے! اس ملک کی تو کوئی کل سیدھی نہیں، کتنا وقت گزر گیا پتہ نہ چلا، خدا خدا کر کے وزیرِ اعلیٰ کی شاہی سواری گزری تو کہیں جا کے آہستہ آہستہ رش کم ہوا، میں نے بھی دوبارہ گاڑی سٹارٹ کی اور شیخوپورہ کی طرف رواں دواں ہو گیا۔

دو بج چکے تھے۔ کہیں کہیں بادلوں کے ٹکڑے نظر آ رہے تھے۔ ہو سکتا ہے۔ کسی علاقے میں بارش ہوئی ہو اسی لیے دھوپ کی شدت کم محسوس ہو رہی تھی، میں نے ایئر کنڈیشنر کی سپیڈ کم کر دی، سوچ کا دائرہ پھر جمیل کی طرف مڑ گیا، اُس سے نوکری کا وعدہ کر کے نکل تو آیا تھا، لیکن اب حیدرآباد جانا ہمارے لیے آسان نہ رہا تھا، امی نے ٹکٹوں کا پوچھا بھی، لیکن انہیں یہ کہہ کے

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

خاموش کروا دیا۔ کہ ابھی اصغر علی کا پروگرام نہیں بنا کچھ دن ٹھہر جائیں، تو وہ خاموش ہو گئیں، اب انہیں کیا بتاتا کہ جمیل کے حالات دیکھ کے سارے پیسے وہاں لگا دیئے، اور اب ادھار مانگنا بھی مشکل سے مشکل تر نظر آ رہا ہے۔ اسی لیے دوبارہ پٹرول پمپ پہ کام کرنا شروع کر دیا، مالک سے جمیل کی نوکری کی بات کی تو اس نے ٹکا سا جواب دے دیا، دو چار سے کئی بار کہا تو جواب ندارد، میں نے غلطی کی جو اس سے وعدہ کیا، اسی شرمندگی کی وجہ سے جمیل کی طرف نہ جا سکا، ملازمت کے لیے جوتیاں گھسنے والوں کی تعداد کا مجھے خوب اندازہ تھا، مجھے رہ رہ کے حکمرانوں کے بودے کھوکھلے نعروں پہ غصہ آ رہا تھا، جھوٹ بول بول کے ووٹ لینے کی خاطر کہ ہم اپنے ملک میں کسی کو بیروزگار نہیں رہنے دیں گے،

جھوٹے خون آشام بھیڑیئے! غریبوں کا خون چوس چوس کے اپنی تجوریاں بھرنے والے! جتنا یہ لوٹنے پہ لگاتے ہیں، کوشش کریں تو آدھی رقم میں ملک کی آدھی نہیں تو ایک چوتھائی بیروزگاری تو ختم کر ہی سکتے ہیں، میں صرف سوچ سکا،، میری اب کوشش تھی جمیل کی مدد کروں، مجھے اس سے لگاؤ تھا، وہ میرے بھائیوں جیسا تھا، چند دن اور جواب کا انتظار کرتا رہا کہ شاید جمیل کا کوئی سبب بن جائے، لیکن ایسا نہ ہوا، آخر ایک دن ڈھیٹ بن کے جمیل کی طرف چلا گیا، سوچا، اتوار ہے وہ گھر پر ہی ہوگا، دروازہ کھٹکھٹانے پہ اس کی بیوی رانی نے دروازہ کھولا، اس کے ساتھ اس کا چار سالہ ننگ دھڑنگ بیٹا اس کی شلوار پکڑے پکڑے دروازے تک آ گیا، جمیل کہاں ہے؟ میں نے نظریں جھکا کے پوچھا، قبرستان گیا ہے رانی نے جواب دیا، کیوں میں بیساختہ بولا، منّے کی قبر

پہ گیا ہے، اس نے جواب دیا، کون منّا؟ میں یکدم پریشان ہو گیا فوری طور دماغ میں آیا کہ کوئی آس پاس محلے میں ہوگا، لیکن! وہ اپنے بچے کی بات کر رہی تھی، میں بھونچکا گیا، جس دن آپ آئے تھے وہ اُلٹیاں کر رہا تھا دوسرے دن مر گیا، رانی نے تسلی سے جواب دیا، میرا منہ حیرت سے کھلے کا کھلا رہ گیا، تم اپنے بچے کی بات کر رہی ہو ناں!

میں نے حیرت سے پوچھا، اس نیا پنے بچے کے مرنے کی خبر مجھے ایسے سنائی جیسے محلے کا کوئی کتا بلی مر گیا ہو، ہاں! اس نے سرسری جواب دیا، تمھیں زرا بھی غم نہیں، مجھے حیرت کا شدید جھٹکا لگا۔

غم کیا ہوتا ہے؟ جو اندر سے مر چکے ہوں ان کے لیے احساسات سے عاری وجود کی زندگی میں غم کوئی معنی نہیں رکھتا۔ اس نے فلسفہ جھاڑا۔ ہر روز ہی محلے میں کوئی نہ کوئی مرتا رہتا ہے، کوئی بخار سے، کوئی اُلٹیوں سے، اور کوئی پیچش سے،، ہم غریبوں کی غربت ڈھانپنے کے لیے یہی بیماریاں کافی ہیں، رانی نے وہی بیماریاں گنوائیں جو گندگی اور باسی خوراک سے لاحق ہوتی ہیں، شاید یہ اسی لیے ہوتی ہیں کہ ہم دنیا کی صعوبتیں سہہ سہہ کے جانوروں کی سی زندگی جئیں اور ان کی طرح سڑکوں پہ مر جائیں، اس کے اندازِ گفتگو سے میں گھبرا گیا، مجھے افسوس ہے! میں کئی دنوں سے نہ آ سکا سوچا جمیل اتوار کو گھر ہوگا اس لیے چلا آیا، وہ پورے دو ہفتوں سے گھر پر ہی تھا۔ رانی نے جواب دیا۔ بیماری کی وجہ سے ناغہ کیا تھا تاں اس نے،، ملازمت سے پہلے ہی جواب مل گیا تھا۔ بچوں کی دوا دارو کے لیے مالک سے جو ادھار پیسے لیے تھے۔ وہ وقت پہ اسے ادا نہ کر سکے۔ پھر منّا مر گیا تو کفن دفن پہ ادھار لیکر استعمال کیئے۔ اس نے تنخواہ میں سے کاٹ لیے اور جواب دے دیا۔ میں چونکا! تو ان دنوں گزارہ کیسے ہو رہا ہے، میں نے جلدی سے

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

پوچھا، آٹا تو تھا ناں، وہ عجب انداز سے ہنسی۔ روٹی پک جاتی ہے۔ مرچیں ختم ہوگئیں تھیں۔ کہ چٹنی بنا لیتی۔ نمک اور پیاز سے کام چلایا۔ جو دو چھوٹے تھے انہوں نے روٹی پانی میں بھگو کے کھالی۔ رانی کے الفاظ مجھ پہ کوڑے کی طرح برسے تھے۔ محسن غربت میں قضا دیر سے مت آیا کر "......... خرچ تدفین کا لگ جاتا ہے ہم بیاروں پر۔ اچھا میں چلتا ہوں۔ میں شاید بوکھلا گیا تھا۔ جمیل کا انتظار نہیں کریں گے؟ نہیں زرا جلدی میں ہوں پھر کبھی آؤں گا، میں لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا گلی سے باہر نکل آیا، میری سانس پھول چکی تھی، دماغ میں آندھیاں سی چل رہی تھیں، جمیل کی ساڑھے تین ہزار کی نوکری ختم ہوچکی تھی، میں جلد از جلد پٹرول پمپ پہنچا، کیسا شخص تھا یہ فضل الرحمان اپنے نام کی لاج بھی نہ رکھ سکا کیوں ایسے لوگوں کے دل میں انسانیت ناپید ہوتی ہے، کیوں یہ ہمدردی سے خالی ہوتے ہیں، ہم خود کوئی متوسط طبقے سے تعلق نہ رکھتے تھے، سفید پوشی کا بھرم رکھے ہوئے تھے۔ لیکن دوسروں کے لیے درد تو رکھتے تھے پٹرول پمپ کے مالک سے کچھ پیسے ادھار مانگے جو اس نے کل دینے کا وعدہ کیا۔ اب ایک دن اور انتظار کرنا ہوگا۔

شومئی قسمت! رات کو کام سے فارغ ہو کے گھر آیا تو امی کی شوگر اور بلڈ پریشر ہائی تھا۔ جب افاقہ نہ ہوا تو انہیں ہسپتال لے جانا پڑ گیا۔ بلڈ پریشر ہائی ہونے سے انہیں آبزرویشن میں رکھا گیا۔ تمام رات آنکھوں میں کٹی، صبح پرہیزی غذا کا چارٹ اور دوا کی لمبی لسٹ ڈاکٹر نے میرے ہاتھوں میں تھمادی۔ امی کو گھر لا کے بغیر آرام کیے انہیں تسلی دیتا پٹرول پمپ کام پہ چلا آیا۔ جو پیسے مالک سے جمیل کے لیے مانگے تھے۔ وہ امی کی دوائیوں پہ لگ گئے۔ اسی طرح اپنی ہی مشکلات میں کئی ہفتے گزر گئے، امی بھی ایسے حالات سے تھک چکی تھیں انہوں نے یکدم حیدرآباد جانے کا فیصلہ کر لیا، عاصمہ آپی سے کچھ پیسے ادھار لیے اور ٹرین کی رات کی ٹکٹ کٹوا لی، ہم نے ضرورت کا سامان باندھا، اور بغیر کسی کو بتائے رات کی ٹرین سے حیدرآباد آگئے، نئی منزل، نئے لوگ، لیکن امی کے ماموں اور ممانی کو کسی قسم کی قباحت نہ ہوئی، انھی کے توسط سے پہلے دوکان پہ سیلز مین کی۔ ساتھ ساتھ گاڑی سیکھی۔ فیاض بھائی کے جاننے والوں میں سیٹھ زکاء ؒ کے ہاں ڈرائیوری کی نوکری مل گئی ساتھ انہوں نے تین کمروں کا کوارٹر عنایت کیا۔ سر چھپانے کا آسرا مل گیا۔ سیٹھ زکاء نام کے نہیں دل کے بھی سیٹھ تھے، پہلے پہل امی ماموں کے پاس رہیں لیکن جونہی ان کے بیٹے فیاض سیثناء ؒ کی شادی ہوئی امی ہمارے پاس آگئیں، ثناء ؒ کی شادی کے چھ مہینے بعد میری شادی بھی تہمینہ سے ہوگئی، اب کوارٹر میں ہم چاروں خوش تھے، حرا کے لیے رشتے کی تلاش جاری تھی کہ آپی عاصمہ کے ہاں دوسرے بچے کی ولادت پہ امی ایک ہفتہ پہلے ہی وہاں چلی گئیں، دو ہفتے بعد مجھے انہیں لینے جانا تھا، تین دن پہلے ہی امی کا فون آگیا تو جمیل کے بارے پتہ چلا، مجھے یقین نہ آرہا تھا،

افسوس بھی تھا کہ حیدرآباد آ کے میں تقریباً اسے بھول ہی گیا تھا، اگر امی نہ جاتیں تو ہمیں پتہ ہی نہ چلتا، تمام راستہ میں جمیل کے بارے سوچتا رہا، انھی سوچوں میں گم سلیم بھائی کے ہاں شیخوپورہ پہنچ گیا، رات کے ابھی دس بجے تھے لیکن گھر والے سو چکے تھے۔ صرف سلیم بھائی اور امی میرے انتظار میں جاگ رہے تھے۔ میں بھی تھکا ہوا تھا۔ امی نے جلدی سے کھانا گرم کر دیا۔ جو باتوں کے دوران کھایا۔ تھکاوٹ کی وجہ سے امی نے بستر لگا دیا تو میں لمبی تان کے سو

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

گیا، صبح آنکھ دیر سے کھلی، منہ ہاتھ دھویا۔ باہر آیا تو سلیم بھائی کی امی بھی ناشتے پہ موجود تھیں۔ سلام دعا کے بعد انہیں پوتے کی مبارک دی۔ تو انہوں نے خوشی سے دعا دی،، عاصمہ آپی سے ملاقات کی پہلے سے کافی موٹی ہوگئیں تھیں۔ انہیں بھی بیٹے کی مبارک باد دی۔ سلیم بھائی کو کام تھا۔ تو ان کے ساتھ ہی باہر نکل آیا۔ سوچا انہیں چھوڑ کے جمیل کی طرف چلا جاؤں گا۔ راستے میں بھائی کو ڈراپ کیا اور خود جمیل کے گھر کی راہ لی۔ رات بھر بارش کی وجہ سے ہر جگہ جل تھل تھی۔ گاڑی کو اپنے پرانے محلے سے کافی دور بڑی سڑک پہ پارک کیا اور خود پیدل چل کے محلے میں داخل ہو گیا۔ تقریباً دو سال بعد میں یہاں آیا تھا۔ وہی لوگ، وہی ٹوٹے پھوٹے گھر، وہی کیچڑ، کچھ بھی تو نہ بدلا تھا، اس علاقے سے ووٹ لیکر جانے والوں کی نظر ہی نہیں پڑی تھی ابھی تک کہ اس علاقے پہ بھی نظرِ کرم فرما لیتے۔

میری دستک پہ دروازہ کھولنے والی رانی تھی اب کی بار حیران ہونے کی میری باری تھی رانی ی ی...... اس نے ہلکے میک اپ کے ساتھ دیدہ زیب لباس پہن رکھا تھا۔ کانوں میں دلآویز جھمکے ،جس سے نکلتی روشنی سے اس کے چہرے کے نقوش دلفریب نظر آرہے تھے، وہ بہت خوبصورت لگ رہی تھی، میری یہ حیرت چند لمحہ رہی، رانی میں آنے والی اس تبدیلی کا سبب کیا تھا، مجھے جاننے یا سمجھنے میں دیر لگی، وہ میں میں ہکلایا جمیل کا افسوس کرنے آیا ہوں...... رانی نے میری طرف دیکھا ہوں' لیکن اندر آنے کو نہیں کہا، آفتاب بھائی! آپ کو یہاں نہیں آنا چاہیے تھا،، کیوں! میں حیرت سے گویا ہوا۔ جمیل میرا بچپن کا دوست تھا مجھے اس کی وفات پہ شدید صدمہ ہے۔ اور افسوس کرنے کا پورا حق حاصل ہے۔ میں جاننا چاہتا ہوں اسے ہوا کیا تھا میں بیربط بولتا چلا گیا، اس دن بہت زور کی بارش ہوئی تھی ،وہ خیالوں کی دنیا میں کھوئی بولی۔

دریا میں باڑھ آ گئی تھی، اسی میں بہہ گیا، رانی کی آنکھیں بھر آئیں، لوگ اسے اتفاق سمجھ رہے ہیں، لیکن میں جانتی ہوں۔ وہ خود کودا ہو گا دریا میں' خود کشی کی ہے اس نے۔

مگر...... مگر...... کیوں...... میں ہکلا گیا۔

حیادار تھا...... برداشت نہ کرسکا۔

کیا برداشت نہ کرسکا......؟

میری بے حیائی......

بات کچھ میری سمجھ میں آ گئی تھی۔ لیکن میں اس کی طرف اس طرح دیکھ رہا تھا جیسے کچھ سمجھا نہ ہو۔

وہ اپنے آنسو پی گئی اور بولی، جو کچھ میں بن گئی ہوں وہ اس کے لیے نا قابلِ برداشت تھا، لیکن مجھے تو اپنے بچوں کی خاطر جینا تھا، میں تو اسی دن مرگئی تھی، جب دوسرے بچے کے مرنے کے بعد تیسرے بچے کو جان کنی کی حالت میں دیکھا۔ وہ مر رہا تھا۔ میرا بچہ میری بانہوں میں دم توڑ رہا تھا۔ اس کے پیپڑی زدہ ہونٹ پیاسے تھے۔ میری چھاتیوں کا دودھ خشک ہو گیا تھا، گھر میں ایک دانہ اناج نہ تھا، جو اسے کھلا سکتی، میرے بچے ایک ایک نوالے کو ترستے میری بانہوں میں دم توڑ رہے تھے۔ مر رہے تھے، دو تین دن کی بھوک کیا ہوتی ہے، میں جانتی ہوں، وہ تو ننھے معصوم بچے تھے۔ کیسے سمجھتے، کیسے برداشت کرتے،: مر گے ۔ہاں،، مرگئے۔ آنسووں کے پھندے نے اس کی آواز میں رقت طاری کر دی۔ میں دودھ کیلئے فضل الرحمان کی دوکان پہ گئی۔ تو اس نے دھتکار دیا۔ دوسرا ظلم رات کو اس نے جمیل کو

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

ادھار وقت پہ نہ دینے سے نوکری سے نکال دیا۔کیوں،؟جمیل نہ جانتا تھا۔نہ سمجھتا تھا۔بھوک نے اس کی عقل پہ پردہ ڈال دیا تھا۔لیکن وہ کیا چاہتا تھا؟۔میں سمجھتی تھی۔اس نے اپنے ہاتھوں کو بے چینی سے مسلا۔وہ اپنی حرص ذدہ نگاہیں مجھ سے نہ چھپا سکا تھا۔جمیل سارا دن کولہو کے بیل کی طرح جتا رہتا تو اسے سو روپے دیتا،اور تب میں نے اک فیصلہ کیا۔خود کو بیچ دیا۔اپنے بچوں کی بھوک مٹانے کیلئے میں بک گئی۔ جب اس رذیل شخص کے پاس گئی تو،،،،کچھ پل وہ خاموش ہوئی،،پھر میری طرف درد زدیدہ نظر سے دیکھتی گویا ہوئی۔تب مجھے دو گھنٹے کے پانچ سو وہ ہذیانی انداز میں ہنسی۔اس کی ہنسی مجھے اندر تک کاٹ گئی۔میں اپنے بچوں کو کیوں مارتی بس اب مجھے جینا تھا بچوں کے لیے میں نے فیصلہ کر لیا۔اک اٹل فیصلہ۔اب میں ہر روز بکتی رہوں گی جب تک جمیل جیسے خود دار بندے یوں بیموت نہ مریں۔ہاں!میں بکوں گی۔ ہر وہ کام کرتی رہوں گی جو میرے بچوں کو زندہ رکھ سکے

میری نظریں جھک گئیں،یہ یقین کرنا میرے لیے مشکل ہو رہا تھا کہ وہ شخص اب اس دنیا میں نہیں جو خود دار تھا۔بزدل تھا یا حالات سے ڈٹ کے مقابلہ نہ کرنے والا۔ کچھ سمجھے آفتاب بھائی! رانی کی آواز نے مجھے چونکا دیا،کیا سمجھوں؟میں آہستہ سے بولا یہی کہ میں کیا بن گئی۔

کیا بن گئی ہو؟ میرا لہجہ دھیما تھا۔

اردو میں جو لفظ اس کے لیے استعمال ہوتا ہے وہ کانوں کو بھلا نہیں لگتا آج کل انگریزی میں ایک لفظ سننے کو ملتا ہے ہیں تو وہ دو لفظ مگر ایک ہی لفظ سمجھا جاتا ہے کال گرل......وہ خود ہی بولی پھر مسکرائی کال گرل بن گئی ہوں میں بھائی میں خاموش رہا کیا بولتا وہ پھر بولی چند دن بعد ہم یہاں نہیں ہونگے میرا ایک گاہک ہے میں اسے بہت پسند آ گئی ہوں وہ مجھے سمن آباد میں ایک کوٹھی لیکر دے رہا ہے۔

اب میرے بچے اچھا کھائیں گے اچھا پہنیں گے اسکول جائیں گے ایک ایک نوالے کو نہیں ترسیں گے۔باپ کی طرح بے موت نہیں مریں گے۔

آپ مجھ سے ملنے اب مت آنا،آپ جمیل کی طرح شریف انسان ہیں،اور شریف انسان کبھی کسی کال گرل کے پاس نہیں جاتے۔''

میں نے محسوس کیا آخری جملہ کہتے کہتے اس پہ ہیجانی کیفیت طاری ہو گئی تھی،اس نے تیزی سے ایک قدم پیچھے ہٹایا اور دھڑام سے دروازہ بند کر لیا،لیکن! بند دروازے سے دبی دبی کرب ناک چیخوں کی بازگشت میرے دل کو کچوکے لگا رہی تھی'میں بغیر افسوس کیے دھیرے دھیرے مڑا،میرے قدم بوجھل ہو رہے تھے۔میں رو رہا تھا۔ہاں میں واقعی رو رہا تھا۔کیوں،،؟۔میں نے تو اس شخص کو پلٹ کے دیکھا ہی نہیں کہ وہ لوگ کس درد سے گزر رہے ہیں۔تو پھر کیوں آنسو کبھی کبھی زندگی میں رونے کے لیے اتنی وجوہات ہوتی ہیں کہ ہم تعین نہیں کر پاتے کہ وہ کون سی وجہ ہے جو ہمیں اندر سے گھائل اور لہولہان کر دیتی ہے۔،ایک جیتے جاگتے معاشرے میں ایسی بیجسی اور ایک ماں کا درد ہم کبھی محسوس نہ کر سکیں گے،لیکن!جب ایک ماں اپنے بچوں کے لیے کچھ کر لینے کا عزم کرتی ہے،تو اس کے حوصلے کے سامنے پہاڑ بھی ریت کی مانند ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے،اور معاشرے کی بے حسی کے سامنے ایک قطرہ پانی بھی زہر کی مانند لگنے لگتا ہے۔

☆☆......☆☆

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

قمبر شہداد کوٹ سے بھیجی گئی سچی کہانی

ٹائم پاس

کون کہتا ہے کہ صرف لڑکے ہی ٹائم پاس کرتے ہیں...... وہ لڑکی بھی کچھ کم نہ تھی اچھے خاصے ڈاکٹر کو بے وقوف بناتی رہی

مور شاہد حسین

شام ڈھل رہی تھی۔ ڈھولک اور ناچ گانا اپنے عروج پر تھا۔ سب موج مستی میں مگن تھے۔ چاروں طرف خوشیاں رقصاں تھیں۔ ہر چہرے پر مسکراہٹ ہی مسکراہٹ تھی۔ سب کی طرح میں بھی بے انتہا خوش تھا مگر اس خوشی کے ساتھ ساتھ کچھ بے تاب بھی تھا۔ خوشی اس بات کی کہ میرے دوست ڈاکٹر نوید شیخ کی شادی تھی اور بے تابی کی وجہ وہ اجنبی شخصیت۔

تین روز قبل میں اپنے عزیز دوست کی شادی میں شریک ہوا، پہلا دن عام سے انداز میں گزرا۔ دوسرے روز ایک حادثہ ہوا، ایک بہت ہی خوبصورت اور خوشگوار حادثہ۔ ہوا کچھ یوں کہ مہمانوں کے ہجوم میں مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے میں کسی کی میٹھی میٹھی نگاہوں کے حصار میں ہوں۔ وہ میٹھی میٹھی نگاہیں مسلسل میرا طواف کر رہی تھی مگر کوشش کے باوجود بھی مجھے وہ نگاہیں دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ بس ایک ان دیکھی کشش تھی جو مسلسل مجھے اپنی طرف کھینچ رہی تھیں اور میں بھی بس کھنچتا چلا جا رہا تھا۔

مجھے اس میٹھی میٹھی نگاہوں والی شخصیت کی تلاش تھی۔ خدا خدا کر کے آخر مہمانوں کے ہجوم میں وہ مہربان نگاہیں نظر آ ہی گئیں تھیں۔ دھڑکتے دل کے ساتھ اس کی روشن آنکھوں میں جھانک کر ایک نرم دھیمی مسکان اس کی نذر کی اور وہ بھی دھیما سا مسکرائی تو میرے دل کی رفتار کچھ اور زیادہ ہو گئی۔

وہ تر و تازہ پر کشش اور غضب ڈھاتی اٹھارہ سال کی انتہائی حسین شہزادی تھی اور حسین شہزادی کی ایک جھلک دیکھ کر ہی میں اپنا آپ بھول گیا۔ اس کے حسن بے مثال میں کھو گیا یکا یک ہوش میں آیا تو وہ میری نظروں سے اوجھل ہو چکی تھی۔ میں نے چونک کر چاروں طرف نظریں دوڑائیں مگر وہ شہزادی کہیں بھی دکھائی نہیں دی تو مجھے بے تابی سی محسوس ہونے لگی۔ اس کی ایک جھلک نے ہی مجھے اس قدر گھائل کر دیا کہ پھر میرا دل کسی کام کا نہ رہا۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

دوسری بار وہ سیڑھیاں اترتی دکھائی دی تو اسے دیکھ کر میری روح تک سرشار ہوگئی۔نگاہیں چار ہوتے ہی میں ہلکا سا مسکرایا وہ بھی دھیما سا مسکرائی اور پھر ایک بھرپور نظر ڈالتی ہوئی میرے برابر سے گزری تو اس کی خوشبو میری اندر تک اترتی محسوس ہوئی۔اور پھر اسکا خیال میرے دل و دماغ پر چھا گیا۔دل کے کسی گوشے میں یہ خواہش بار بار سر اٹھا رہی تھی کہ اسے دوبارہ دیکھوں،اس سے ملوں۔

رات جب میں بستر پر لیٹا تو اسکا معصوم چہرہ چھم سے میرے خیالوں میں آگیا۔ اسکا خوبصورت چہرہ میرے تصور میں گھومتا رہا اور پھر یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ میرے آس پاس ہے ، جیسے رات گہری ہوتی جارہی تھی میری بے تابی میں بھی اضافہ ہوتا جارہا تھا۔اس بے تابی میں ایک انوکھا جذبہ تھا اور میرے دل کی دھڑکنوں کا انداز کچھ بدلا بدلا سا تھا۔

آج ولیمہ تھا۔ کل تک سارے مہمان رخصت ہوجائیں گے۔اور شاید وہ بھی۔ یہ خیال مجھے بے چین کر رہا تھا۔دل کی بے ترتیب دھڑکنیں اس سے ملنا چاہ رہی تھیں۔لحہ بہ لحہ بے تابی بڑھتی جارہی تھی۔اس بے تابی میں میں ادھر ادھر نظریں دوڑانے لگا کہ میری چاروں طرف جھانکتی ہوئیں نگاہیں ایک میز پر جم گئیں۔جہاں وہ سر جھکائے کھانے سے انصاف فرما رہی تھی۔یہ میری خوش قسمتی یا حسین اتفاق کہ اس میز پر وہ

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

اکیلی بیٹھی تھی۔ دھڑکتے دل کے ساتھ میں نے قدم اس کی جانب بڑھا دیے۔

''ایکسکیوز می!'' لبوں پر مسکراہٹ سجائے اس سے مخاطب ہوا۔

اس نے نظریں میری جانب اٹھا کر دیکھا اور دلکشی سے مسکرائی۔

گلاب جیسا چہرہ، روشن آنکھیں، اونچی ناک، سفید دودھیا دانت، ہونٹ جیسے گلاب کی پتیاں۔ پرکشش شخصیت اور نکھرا نکھرا رنگ۔ اسے دیکھ کر یوں لگتا تھا جیسے خدا نے اسے خود اپنے ہاتھوں سے تراشا ہو۔

''کیا میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں؟'' میں نے خالی کرسی کے جانب اشارہ کیا۔

''جی بیٹھ جائیں۔'' اس نے کہا اور پھر کھانے میں مشغول ہوگئی۔

میں اسے گہری نظروں سے دیکھ رہا تھا مگر وہ محترمہ بے نیاز ہو کر کھانے سے انصاف فرمانے لگی۔ اس کی خاموشی نے میرے اندر بے چینی پیدا کر دی اور دل کی دھڑکنیں شور مچانے لگیں۔

''آپ دولہے کی کیا لگتی ہیں؟'' میں نے پہلا سوال داغا۔

''کچھ نہیں۔'' اس نے بے حد مختصر جواب دیا۔

''یہ کیا بات ہوئی؟ آپ انکی شادی میں آئی ہوئیں ہیں۔ جو آپکے کچھ لگتے ہی نہیں۔'' میں نے بات آگے بڑھائی۔

''مجبوری تھی۔'' پھر وہی مختصر جواب دیا اور کھانے میں یوں مصروف ہوگئی جیسے کئی دنوں سے کھانا کھایا کیا بلکہ دیکھا تک نہ ہو۔

اوہ خدا کی پناہ یہ محترمہ گفتگو میں اتنی کنجوسی کیوں کر رہی ہیں۔ میں نے دل میں سوچا اور خاموشی کو توڑنے کی ہمت جمع کرنے لگا۔

''آپ کہاں سے آئیں ہیں؟'' میں نے خاموشی کو جھنجھوڑتے ہوئے ایک اور سوال داغا۔

''لاڑکانہ سے۔'' پھر وہی مختصر جواب۔

''آپ گفتگو میں بہت کنجوس معلوم ہو رہی ہیں۔'' میرا لہجہ بے تکلفانہ ہوا۔ اس نے ایک نظر مجھ پر ڈالی اور ہلکا سا مسکرائی مگر بولی کچھ نہیں۔ اس کی ہلکی سی مسکان سے مجھے اندر تک سرشاری محسوس ہوئی لیکن محترمہ بے نیاز تھی۔

''آپ کا نام جان سکتا ہوں؟'' میں نے بلا جھجک نام پوچھا۔

''رخسار۔ رخسار فلک۔'' اس نے کچھ لمحے کی خاموشی کے بعد مسکراتے ہوئے اپنا نام بتایا تو میرے چہرے پر مسرت دوڑ گئی۔

''آپ خاصی پڑھی لکھی اور اچھے خاندان کی معلوم ہو رہی ہیں مگر کم گو ہیں شاید۔''

''میں کھانا کھاتے ہوئے بلکل بات نہیں کرتی۔'' اس نے اس بار قدرے زیادہ الفاظ استعمال کیے۔ وہ کھانا ختم کر چکی تھی اور اٹھ کر جانے لگی۔ میرے پاس وقت بہت کم تھا، مجھے جو کچھ کرنا تھا اس لمحے کے ہزارویں حصے میں کرنا تھا۔

''پلیز بات سنیں۔'' میرے کہنے پر اس نے سوالیہ نگاہوں سے میری جانب دیکھا۔

''دوبارہ آپ سے ملنے کی امید رکھوں؟'' میں نے پُر امید نگاہوں سے اسے دیکھا۔

''جی ضرور۔'' وہ دلنشینی سے مسکرائی اور تیز قدموں سے مورنی کی چال چلتی آگے بڑھ گئی۔

اگلے روز میں سیڑھیاں اترتا نیچے کی طرف جا رہا تھا۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

"گل حسن صاحب۔" اس نے مجھے میرا نام لیکر پکارا۔ مجھے نہیں یاد کہ میں نے اسے اپنا نام بتایا ہو۔ظاہر سی بات ہے اس نے میرا نام کسی سے معلوم کیا ہوگا۔ مجھے دلی خوشی ہوئی اوراس کے خلوص کودل سے محسوس کیا۔

"میں آپ کو ہی ڈھونڈ رہی تھی۔" اس نے اپنے گلاب جیسے ہونٹوں کوجنبش دی۔

"آج ہم جارہے ہیں۔" اس نے کہا۔" آپ نے دوبارہ ملنے کی امید رکھی تھی سو آپ سے ملنے چلی آئی۔"

"اس نوازش کا بے حد شکریہ۔" میں نے احسان مندی سے کہا تو وہ مسکرادی۔

اس نے اپنے بارے میں بتایا کہ وہ فائنل ائیر میں ہے، والد سرکاری وکیل ہیں۔بڑے بھائی بھی سرکاری ملازم ہیں۔تین بھائیوں کی اکلوتی لاڈلی بہن ہے۔ بھائی اس پر جان چھڑکتے ہیں اور والدین کی آنکھوں کا تارا ہے۔اس نے مزید بتایا کہ ان لوگوں کا شمار خوش حال گھرانوں میں ہوتا ہے۔

میں نے بھی اسے اپنے بارے میں سب سچ بتایا کہ سب بڑے بھائی صحافت کے پیشے سے وابستہ ہیں اور دوسرے بھائی سرکاری محکمے میں اچھے عہدے پر فائز ہیں۔جبکہ میں ڈاکٹر ہوں اور اپنے ہی شہر جیک آباد میں اپنا کلینک چلا رہا ہوں ،ابو گزر چکے ہیں ،امی حیات ہیں اور بہنیں رخصت ہوچکیں ہیں۔

اس کے جانے کے بعد میں اس کے بارے میں ہی سوچے جارہا تھا۔رخسار۔کتنا پیارا نام ہے بلکل رخسار کی طرح بے حد حسین۔میں اس کے نام کا ورد کرنے لگا اور اس کی مختصر باتوں کو دہرانے لگا۔ دل بے ترتیب دھڑکنے لگا اور میں نے بھی دھڑکنے دیا۔

دھڑکتا دل خوبصورت سے خوبصورت سوچ بنتا رہا ،سوچیں تھیں کہ لامحدود ہزاروں خیال آرہے تھے۔ہر سوچ دلربا سی تھی ،ہر خیال محبوب سا تھا۔میرے ہونٹوں پر دھیمی مسکراہٹ تھی اور یوں ہی میں کئی لمحے اسے سوچتا رہا ،اس کے خیالوں میں کھویا رہااور پھراس کے تصور میں سوگیا تو وہ میرے خوابوں پر چھاگئی۔میں نے دیکھا کہ ہم ساحل پر کھڑے ہوکر سمندر کی لہروں کومستیاں کرتے ہوئے دیکھ رہے تھے،منظر بہت ہی دلکش ہے۔ساحل سے ٹکرا کر پلٹتی ہوئی سمندر کی لہروں کے مناظر اپنی آنکھوں میں اتار رہے ہیں۔پھر ہاتھ میں ہاتھ ڈالے ساحل کی گیلی ریت پر ننگے پاؤں چلتے رہے۔ساحل کی نرم نرم ریت پر چلتے ہوئے دور بہت دور نکل گئے۔

اس کے بعد ہمارے تعلقات کو جیسے پر سے لگ گئے ،ہم بہت تیزی سے ایک دوسرے کے قریب آتے گئے۔آپس میں اعتماد کی فضا قائم ہوگئی۔ہنسی مذاق ہماری گفتگو کا حصہ بن گئی ،ہمارے رابطے کو دوڈھائی مہینے گزر گئے۔ اس دوران ہم ایک دوسرے کو خوب سمجھ چکے تھے۔کافی دیرفون پر بات کرتے کرتے شب و روز یوں ہی گزرتے رہے۔

ایک زور رخسار نے باتوں ہی باتوں میں کہا کہ وہ منہ سے ملنا چاہتی ہے۔اتنی جلدی اتنی اپنائیت پر میرا دل خوشی سے دھڑکنے لگا اور میرا چہرہ مسرت سے کھل اٹھا۔

اس روز منگل تھااور ہماری ملاقات جمعہ کو طے ہوئی۔وہ دو دن میں نے بڑی بے چینی سے گزارے۔خیر مقررہ دن اور مقررہ وقت پر ہماری ملاقات ہوئی۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

وہ میرے پاس بیٹھی تھی۔ میں دل ہی دل میں اس پر قربان ہوا جارہا تھا اور وہ مسلسل خلوص سے مجھے یہ احساس دلا رہی تھی کہ جیسے اس کے ساتھ سالہا سال کی اپنائیت ہو۔ میں سرشاری محسوس کرر ہا تھا۔

رخسار مجھے تم سے بے پناہ محبت ہے۔ میں نے رخسار سے نہیں خود اپنے دل سے کہا تھا۔رخسار کے رویے سے ظاہر تھا کہ وہ مجھے پسند کرتی ہے لیکن ایک اہم سوال میرے ذہن میں گونج رہا تھا کہ وہ مجھے اپنا محبوب سمجھ رہی ہے یا اچھا دوست ۔ بہرحال میں خوش تھا، بے انتہا خوش اور مطمئن بھی کہ کچھ بھی ہو اس کی محبت اور اپنائیت تو حاصل ہے۔

مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا مگر میرے دل میں اس کے لیے بے پناہ محبت تھی۔ کئی بار دل چاہا کہ اپنی محبت کا اظہار کروں مگر چاہتے ہوئے بھی میں ایسا نہیں کرر ہا تھا۔ شاید اس لیے کہ میں کسی قیمت پر بھی اسے ناراض کرنے کا خطرہ نہیں مول سکتا تھا۔ میں صبر کے سوا کچھ بھی نہیں کرسکتا تھا۔ میں کسی مناسب دن اور وقت کا شدت سے منتظر تھا۔ اب میرے سامنے صبر تھا اور انتظار ہی انتظار۔ ایک طرف رخسار کی کشش تھی ،دوسری طرف مناسب وقت کا انتظار۔

وہ ایک خوشگوار دن تھا۔ آسمان پر سرمئی بادل چھائے ہوئے تھے۔ ہلکی ہلکی ہوا درختوں سے مستیاں کر رہی تھی۔ چاروں اطراف جیسے خوشیاں رقصاں تھیں۔۔۔اس خوشگوار عالم میں رخسار میرے حواسوں پر بُری طرح چھا گئی تھی۔ اسکا مسکراتا ہوا پیارا چہرہ بار بار آنکھوں کے سامنے آرہا تھا۔ اس کے خیالوں نے بے تاب کردیا اور دل شدت سے اس کی کمی محسوس کرر ہا تھا۔ مجھے کل لاڑکانہ جانا تھا اس لیے میں نے سوچا کہ رخسار سے ملاقات کا پوچھ لوں۔ میں نے بے تابی سے اسکا نمبر ملایا۔ کال جارہی تھی مگر وہ ریسیو نہیں کررہی تھی۔ مجھے الجھن محسوس ہونے لگی اور بے چینی بڑھتی چلی گئی۔ میں بے سکون ہوگیا۔

شام کے وقت رخسار کی کال آئی تو میری جان میں جان آئی۔

''اسلام علیکم کیسے ہیں جناب؟''

''وعلیکم السلام ۔ میں ٹھیک ہوں۔'' میں نے مختصر جواب دیا اور خاموش ہوگیا۔

''لگتا ہے کہ جناب ناراض ہیں۔ ارے بھئی غصہ تھوک دیں۔ پلیز۔'' اس نے پلیز پر زور دیتے ہوئے کہا۔

''ایک شرط پر۔'' میں نے ذرا سختی سے کہا۔

''میں ہر شرط پوری کرنے کے لیے تیار ہوں۔'' وہ بے ساختہ بولی۔

میں کل ضروری کام سے لاڑکانہ آرہا ہوں ۔کیا آپ مل سکتی ہیں؟'' میں نے ملنے کا بہانہ بنایا۔ تو وہ ایک لمحے کو خاموش ہوگئی۔

''جی ضرور۔''

اگلے روز ہماری ملاقات ہوئی مگر رخسار خاموش خاموش تھی اور بات کرنے میں بہت کنجوسی کررہی تھی۔ اور میں جو سوال کرتا اسکا مختصر جواب دیتی اور جانے کہاں کھو جاتی۔

''کیا بات ہے کہ رخسار آپ بہت خاموش ہیں۔'' اسے خیالوں کی دنیا سے واپس لانے کے لیے میں نے خاموشی کو جھنجھوڑا۔

''آں۔۔ہاں۔ کچھ بھی نہیں۔''

''کچھ تو ضرور ہے۔'' میں نے بہت محبت اور اپنائیت سے کہا۔

''نہیں سب بالکل ٹھیک ہے۔'' رخسار نے

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

چہرہ اٹھا کر اور مسکرا کر مجھے دیکھا۔
مجھے احساس ہوا کہ مجھے آج اپنے جذبات کے بارے میں اسے آگاہ کر دینا چاہیے۔
''رخسار مجھے تم سے بے پناہ محبت ہے۔ میری بے پناہ محبتیں اور چاہتیں صرف تمہارے لیے ہیں۔'' میں نے لمحے کی دیر کیے بنا ہی اظہارِ محبت کر دیا۔

''تمہیں پہلی نظر میں دیکھتے ہی میرا دل دھڑک اٹھا تھا اور پھر میرے دل میں تمہارے لیے پسندیدگی کے جذبات ابھرنے لگے۔ رفتہ رفتہ محبت کا پودا تناور درخت بن گیا۔ کئی بار سوچا کہ تم سے اظہارِ محبت کروں لیکن ڈر تھا کہ کہیں تم ناراض نہ ہو جاؤ اور یوں میں تمہارے دیدار سے محروم نہ ہو جاؤں۔ بس اسی لیے میں تمہیں پرپوز کرنے سے ہچکچا رہا تھا۔'' میں ایک ہی سانس میں بولا۔

''مہمانوں کے ہجوم میں آپکو بلکل بے خیالی میں دیکھا تھا۔ آپ پہلی ہی نظر میں میرے دل میں اتر گئے۔ من کے نہاں خانے سے خوشبوئیں پھوٹنے لگیں۔ میں خیالوں میں، سوچوں میں آپکو چاہنے لگی۔ من کے مندر میں آپ کو چپکے چپکے آپ کو چاہنے لگی۔ آپ اپنوں سے بڑھ کر مجھے عزیز محسوس ہوئے۔ آپ کو یوں سوچتی جیسے برسوں کی شناسائی ہو۔ اور پھر دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر آپکے بارے میں تھوڑی بہت معلومات بھی حاصل کر لی۔ اب تو یوں لگتا ہے کہ جیسے آپ میری دھڑکنوں میں رہتے ہیں اور۔۔۔'' میں تصور میں رخسار کو اپنی محبت کا یقین دلاتے ہوئے دیکھ رہا تھا، جیسے میں ہمیشہ دیکھا کرتا تھا۔ مگر میرے تصورات کو دھچکا لگا جب میں نے رخسار کو حقیقت میں یہ کہتے ہوئے سنا۔

''میں آپ کے جذبات کی بہت قدر کرتی ہوں مگر مجھے افسوس ہے اس بات کا کہ میں آپکی محبت کا جواب محبت سے نہیں دے سکتی۔''
''کیا مطلب؟ میں تمہیں پسند نہیں ہوں؟'' میں حیران تھا۔
''پسند ہیں مگر دوست کی حیثیت سے۔''
''مجھے لگا کہ تمہیں مجھ سے محبت ہے۔ وہ سارا دن باتیں کرنا، اتنی اہمیت دیا۔ وہ سب کیا تھا؟'' مجھے اب غصہ آ رہا تھا۔
''دوستی میں یہ اہمیت اور باتیں کرنا تو عام ہیں۔ اسکا یہ مطلب تو نہیں کہ مجھے آپ سے محبت ہے اور نہ میں نے آپ سے کبھی اظہارِ محبت کیا۔''
میں بلکل چپ ہو گیا۔ اس کی بات میں صداقت تھی کہ اس نے واقعی مجھ سے کبھی محبت کا اظہار نہیں کیا۔ یہ تو میں نے ہی اندازہ لگایا ہمیشہ۔
''میری تو منگنی ہو چکی ہے پچھلے سال۔ اور میں اس رشتے سے بہت خوش ہوں۔ اور میں شرمندہ ہوں کہ میری توجہ اور اہمیت کو آپ نے غلط مطلب میں لیا۔ میں یہ دوستی آج ختم کرتی کیونکہ یہ سب جاننے کے بعد دوستی رکھنے سے آپ کو ہی تکلیف ہوگی۔'' اس نے نرمی سے کہا اور اٹھ کر چلی گئی۔
اور میں وہیں رہ گیا۔ بلکل تنہا۔

☆......☆......☆

رخسار کے میری زندگی سے جانے کے بعد جیسے ساری خوشیاں ہی چلی گئی۔ یہ جاننے کے بعد کہ وہ میری نہیں ہے اور نہ میری ہو سکتی ہے۔ میں جیتے جی ہی موت کی اذیت سے گزر رہا تھا۔ دن گزرتا تھا اور میں گزار لیتا تھا۔ بہت دفعہ دل کیا کہ رخسار سے بات کروں مگر رخسار کی آخری بات یاد آ جاتی۔ اس نے واقعی ٹھیک ہی کہا تھا کہ اس

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

سب سے مجھے تکلیف ہی ہوگی۔امی کا میری شادی کے لیے اصرار بڑھ رہا تھا مگر میں کسی صورت راضی نہیں ہورہا تھا۔میں کیسے مان جاتا اتنی جلدی؟ ابھی تو رخسار کا چہرہ،اس کی باتیں ،اس کی یادیں میرے دل سے معدوم بھی نہیں ہوئی تھیں۔

کبھی کبھی اپنے دل پر غصہ آتا کہ کیسے اس نے اتنی جلدی کسی انسان سے اتنی امیدیں وابستہ کرلیں،کیسے اس نے ایک انسان کے بارے میں اتنی خوش فہمیاں پال لیں۔اگر میرے دل نے اتنی بڑی غلطی نہ کی ہوتی تو میں آج خوشی خوشی جی رہا تھا اور امی کی خواہش پوری کر دیتا۔

میں خود کو بے بس محسوس کر رہا تھا۔کوئی علاج کوئی مرہم کارآمد ثابت نہیں ہورہا تھا۔اور اس سب میں امی نے مجھے مونا نامی لڑکی کی تصویر دکھا کر اس سے شادی کرنے کے بارے میں رائے لی۔میں نے انکار کر دیا مگر انکی طبیعت خراب تھی، میں آخری اولاد تھا انکی اس لیے وہ میری خوشی جلد از جلد دیکھ لینا چاہتی تھیں۔میں نے مجبور ہو کر انکی بات مان لی۔

گھر میں میری شادی کی تیاریاں شروع ہوگئی۔میں زیادہ سے زیادہ وقت گھر سے باہر گزارنے لگا۔مجھے گھر میں ہونے والے ہنگاموں سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔

مجھے ترس آتا،خود پر بھی اور اس لڑکی مونا پر بھی۔جو جانے کتنی امیدیں اور خواب لے کر میرے زندگی میں آرہی تھی مگر اسے میری طرف سے کچھ نہیں ملے گا۔

میں گھر کے ہنگاموں سے دور لاڑکانہ چلا آیا۔رخسار کے شہر۔اس کی یادوں کو تازہ کرنے اور اپنے زخموں پر نمک چھڑکنے۔محبوب کی یاد تو ایسی ہی ہوتی،تکلیف میں بھی مزہ دیتی ہے۔ایسے ہی ناامیدوں اور غم سے بھرے دن،میں لاڑکانہ کے ہوٹل میں بیٹھا تھا۔جب مجھے وہم گزرا کہ سامنے والی ٹیبل پر رخسار بیٹھی ہے،میں نے اٹھ کر دیکھا تو وہ رخسار ہی تھی مگر اکیلی نہیں تھی۔میں بے صبری سے اٹھ کر اس کی طرف آیا مگر میرے پہنچنے سے پہلے ہی وہ فون کان سے لگائے میرے سامنے سے گزر گئی۔اس نے مجھے نہیں دیکھا،مجھے افسوس ہوا کہ میں اسے دیکھنے کے باوجود بھی اس سے بات نہیں کرسکا۔

میں نے سامنے اس ٹیبل کو دیکھا جہاں سے وہ اٹھی تھی،اس ٹیبل پر ایک آدمی بھی بیٹھا تھا شاید وہ اسی آدمی سے ہی بات کررہی تھی۔میں رخسار کو دیکھنے میں اتنا کھو گیا تھا کہ اس کی موجودگی کو محسوس ہی نہیں کرسکا۔

شاید یہ ہی رخسار کا منگیتر ہو۔میں نے سوچا۔میں نے اس آدمی کو دیکھا تو مجھے وہ دیکھا دیکھا سا لگا۔پھر مجھے یاد آیا کہ وہ تو میرے کالج کا دوست اظہر ہے۔میں اس ملنے کے لیے آگے بڑھا،وہ بھی مجھے دیکھ کر پہچان گیا تھا۔ہم نے ایک دوسرے مصافحہ کیا۔

”کیسے ہو تم؟“اس نے گرم جوشی سے میری خیریت پوچھی۔

”میں ٹھیک ہوں تم سناؤ“

”میں بھی ٹھیک“

”یہ کون تھی؟“میں نے رخسار کے بارے میں پوچھ لیا۔

”تمہاری ہونے والی بھابھی!“وہ مسکرایا۔

مگر میں مسکرا بھی نہ سکا۔میری محبت میرے دوست کی منگیتر تھی۔یہ خیال ہی اذیت سے بھرا تھا۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

''میں بہت جلد اسے پروپوز کرنے والا ہوں۔''

''کیا مطلب؟ تمہاری منگیتر نہیں ہے یہ؟''میں چونکا۔

''نہیں نہیں۔ یہ میری دوست تھی پہلے مگر اب صرف دوست نہیں رہی۔ میں بھی اس سے محبت کرتا ہوں اور یہ بھی محبت کرتی ہے مجھ سے۔''

''مگر میں نے اسے اپنی دوست کی شادی میں دیکھا تھا اور یہی سنا تھا اس کے بارے میں کہ اس کی منگنی ہو چکی ہے۔''میں نے سچ جاننے کے لیے فرضی کہانی بنائی۔

''نہیں! کوئی منگنی نہیں ہوئی یار۔ میں ایک سال سے جانتا ہوں اسے اور اس کی فیملی کو۔ تمہیں غلط فہمی ہوئی ہوگی۔''

''ہاں غلط فہمی ہی تو ہو گئی تھی۔''میں اس سے کہہ کر اس کے پاس سے آ گیا۔

سب کچھ میرے سامنے کھل کر آ چکا تھا۔ رخسار کے خوبصورت اور معصوم چہرے کے پیچھے اسکا گھناؤنا چہرہ تھا۔ اب سب واضح تھا کہ رخسار نے مجھ سے جھوٹ بولا تھا۔ اس نے دوستی کے نام پر وقت گزاری کی تھی۔ اس نے اپنی لگاوٹ بھری باتوں سے میرے دل میں اپنی محبت جگائی اور جب میں نے اظہارِ محبت کیا تو جھوٹ بول کر اور میرے لیے ہمدردی دکھا کر بہت چالاکی سے مجھ سے جان چھڑا گئی۔ اس نے بہت بڑا دھوکہ کیا تھا میرے ساتھ، اور شاید یہی دھوکہ وہ اظہر کے ساتھ بھی کرنے والی تھی۔

☆☆......☆......☆

مونا حجلہ عروسی میں سرخ جوڑے، گلاب اور موتیوں کے پھولوں میں سجی سنوری بے حد حسین لگ رہی تھی۔ اس کے اندر کی خوشی اس کے کھلتے گلاب جیسے چہرے سے جھلک رہی تھی جو اسے مزید دلکش بنا رہی تھی۔

''میں تمہیں دنیا کی ساری آسائشات شاید نہ دے سکوں، مگر میرا وعدہ ہے کہ میں تمہیں دنیا کے ہر سکون اور خوشی دوں گا۔''میں نے محبت سے اسے کہا۔

مونا نے آتے ہی سارے گھر کو سنبھال لیا تھا۔ وہ امی کی دل و جان سے خدمت کرتی اور بدلے میں ڈھیروں دعاؤں کے ساتھ پیار وصول کرتی ہے۔ میرے بہن بھائیوں کا ہر طرح سے خیال رکھتی ہے اور خاندان والوں سے محبت و خلوص سے پیش آتی ہے۔ سب اس کے حسن و اخلاق کی مثالیں دیتے ہیں اور مجھ میں تو گویا اس کی جان ہے۔ میرے ایک اشارے پر جان چھڑکتی ہے، ہر دم میری ہر بات پر لبیک کہتی ہے۔ میری زندگی میں مونا کے آنے بعد ہی میں نے محبت کی حقیقت کو جانا ہے۔

ہاں یہ حقیقت ہے کہ میں نے رخسار سے محبت کی تھی مگر اس کی اصلیت جاننے کے بعد میں ایک بے وفا کے لیے اپنی ساری عمر اس غم میں برباد نہیں کر سکتا تھا۔ سمجھدار ہوتے ہیں وہ لوگ جو محبت میں دھوکہ کھانے کے بعد خود کو بھی اور اپنے سے جڑے دوسرے نئے اور پرانے رشتوں کو تکلیف نہیں دیتے ہیں بلکہ زندگی میں آگے بڑھ جاتے ہیں۔

میرے لیے مونا خدا کا دیا ہوا حسین تحفہ ہے۔ جس کے روپ میں مجھے زمانے بھر کی خوشیاں مل گئی ہیں۔ میں اکثر اپنے رب رحمن کا شکر بجا لاتا ہوں کہ بے پناہ محبت کرنے والی مونا کو شریک حیات بنایا۔

☆☆......☆☆

www.urdusoftbooks.com

عروس البلاد سے ارسال کردہ غیر معمولی کہانی

پتھر کا صنم

اس کا دل پتھر کا نہیں تھا بلکہ وہ حقیقتاً پتھر کا صنم تھا......سنگ مرمر سے بنا مجسمہ......جس کے عشق میں ایک دیوانہ گرفتار تھا......

زرین قمر

آنکھوں میں محبت کا سمندر سمیٹے وہ والہانہ انداز میں اسے دیکھ رہی تھی اس کے لمبے گھنے بال اس کے کاندھوں پر بکھرے ہوا کے جھونکوں سے لہرا کر کسی آوارہ گرد کی بے قراری کا پتہ دے رہے تھے۔ اس کا نازک وسڈول جسم سفید دودھیا لباس میں اس کے حسن اور پاکیزگی میں اضافہ کر رہا تھا اس کے جسم کی جوانی سے بھرپور گرم حرارت کو وہ دور سے بھی محسوس کر رہا تھا پھر ایک ادائے دلربائی اس نے انگڑائی لی تھی اور ہونٹوں پر مسکراہٹ لیے اٹھلاتی ہوئی اس کی طرف بڑھی تھی اور حکایت اللہ کے جسم میں چیونٹیاں سی رینگنے لگی تھیں جذبات کی شدت سے اس کی سانسیں تیز ہوگئی تھیں اور ایسے مسحور کن لمحے میں وہ ایک تیز آواز سے چونک گیا تھا۔

”سورج سر پر آنے والا ہے اور تم پڑے اینٹھ رہے ہو، چلو جلدی کرو فیکٹری سے لیٹ ہو جاؤ گے۔ تمہارا تو روز کا یہی مسئلہ ہے جب تک چیخ چیخ کر تمہیں نہ جگاؤں تمہاری آنکھ ہی نہیں کھلتی۔“

حکایت اللہ کی بیوی نسیمہ نے جھنجھلاتے ہوئے لہجے میں کہا۔

”ارے اٹھ رہا ہوں نیک بخت، چیختی کیوں ہے۔“ حکایت اللہ نے بھی ناگوار لیکن دھیمے لہجے میں کہا اور کروٹ بدل کر لیٹ گیا۔

”ناشتہ میز پر رکھا ہے اور تمہارا کھانا بھی۔“ نسیمہ نے روزانہ والا جملہ بولا۔

”میں گھر کی صفائی کر رہی ہوں جلدی اٹھو اور فیکٹری کا راستہ پکڑو۔“ وہ بڑبڑاتی ہوئی کمرے سے نکل گئی تھی اور حکایت اللہ جماہی لیتا ہوا بستر سے اٹھ گیا تھا۔

نسیمہ اور اس کی شادی کو بائیس سال گزر چکے تھے تب وہ خوبصورت نوجوان ہوتا تھا نسیمہ نے اس سے پسند کی شادی کی تھی اس وقت بھی وہ فرمائشیں کرنے کی عادی تھی اور اب بھی یہی روز کا معمول تھا لیکن حکایت اللہ نے کبھی اس کی کوئی فرمائش پوری نہیں کی تھی وہ اس کی استطاعت ہی نہیں رکھتا تھا کیونکہ ایک فنشری فیکٹری میں معمولی

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

سا ملازم تھا تنخواہ بہت کم تھی جس میں گزارا مشکل سے ہوتا تھا شادی کے کچھ عرصے بعد بھی نسیمہ کی سمجھ میں یہ بات اچھی طرح آ گئی تھی کہ حکایت اللہ اپنے حالات کو بدلنے کی صلاحیت نہیں رکھتا کچھ عرصہ تو وہ ان حالات سے سمجھوتہ کرتی رہی لیکن پھر آہستہ آہستہ چڑچڑی ہوگئی اور جھنجلاہٹ اس کے مزاج کا حصہ بن گئی حکایات اللہ کو برا بھلا کہنا اور اپنے مقدر کو کوسنا اس کا شیوہ بن گیا اور پھر حکایت اللہ نے بھی اس ناگوار تبدیلی کو اپنی زندگی کے لازمی حصے کے طور پر قبول کرلیا۔

''ارے کیا پھر سو گئے؟'' اچانک نسیمہ نے کمرے سے ہانک لگائی۔

''بس جارہا ہوں۔''

''اب ناشتہ ہی کرتے رہو گے بہت دیر ہوگئی ہے۔'' نسیمہ نے ٹوکا۔

''ہاں' ہاں جارہا ہوں۔'' حکایت اللہ نے میز سے اپنا کھانے کا ڈبہ اٹھاتے ہوئے کہا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا اسے اپنی کاہلی اور سستی کی وجہ سے اکثر فیکٹری پہنچنے میں دیر ہو جاتی تھی۔

نیند اب بھی اس پر سوار تھی وہ آہستہ روی سے راستہ طے کر رہا تھا کچھ دور جا کر وہ رکا اور اپنی گنجی چندیا کھجائی انداز ایسا ہی تھا جیسے کچھ سوچ رہا ہو لیکن پھر آگے چل پڑا تھا وہ جس علاقے میں پہلے رہتا تھا وہاں اس کی خاصی شناسائی تھی راستے میں کوئی نہ کوئی لفٹ دینے والا اسے مل جاتا تھا اور اسے فیکٹری تک چھوڑ دیتا تھا لیکن اب وہ ایک نئے علاقے میں شفٹ ہوگیا تھا۔ فیکٹری اب پہلے کے مقابلے میں اس کے گھر سے زیادہ قریب تھی لیکن کوئی لفٹ دینے والا نہیں تھا چنانچہ یہ مختصر راستہ بھی پیدل طے کرنے کی وجہ سے اسے طویل لگتا تھا اس کی عمر ساٹھ سال کے لگ بھگ تھی چلنے

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

میں جوانی جیسی تیزی اور کام میں پہلے جیسی پھرتی نہیں رہی تھی لیکن ذہن میں حسین و دلکش دوشیزاؤں کا جھمیلا اکثر لگا رہتا تھا شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ نسیمہ ایک معمولی شکل وصورت والی عورت تھی جو کبھی خود کو سجانے سنوارنے کی زحمت نہیں کرتی تھی جبکہ حکایت اللہ نے ہمیشہ ہی الھڑ حسین اسپراؤں کے خواب دیکھے تھے۔

''ارے بزرگو ذرا دھیان سے۔'' قریب سے گزرتی کار کی کھڑکی سے ڈرائیور نے چیخ کر اسے مخاطب کیا تو اس نے چونک کر دیکھا وہ بے دھیانی میں فٹ پاتھ سے اتر کر سڑک پر آ گیا تھا اور کار سے ٹکراتے ٹکراتے بچا تھا۔ وہ جلدی سے سنبھل گیا اور تیز قدم اٹھاتا فٹ پاتھ پر چڑھ گیا کچھ دور جا کر وہ کونا مڑا تو فضا میں مچھلیوں کی بو محسوس ہونے لگی جو اس بات کی علامت تھی کہ اس کی منزل قریب آ گئی ہے اب فشری فیکٹری اور اس کے درمیان ایک سڑک حائل تھی اس نے کلائی پر بندھی گھڑی پر نظر ماری آٹھ بجنے میں دس منٹ تھے اب اسے دو بلاک اور آگے چل کر جانا تھا اس نے شارٹ کٹ اختیار کرنے کا فیصلہ کیا تاکہ ڈیوٹی پر پہنچنے سے لیٹ نہ ہو جائے کیونکہ کئی بار اس کا باس لیٹ ہونے کی وجہ سے اس پر برہم ہو چکا تھا اس نے شارٹ کٹ کی تلاش میں اِدھر اُدھر نظر ماری تو اسے پارک نظر آیا جس کی موجودگی کو اس نے پہلے محسوس نہیں کیا تھا اس نے اندازہ لگایا کہ اگر وہ اس پارک سے گزر کر جائے گا تو سڑک پر موجود ٹریفک کے اژدھام سے بھی بچ جائے گا اور راستہ بھی جلدی طے ہو جائے گا چنانچہ وہ پارک میں داخل ہو گیا۔

پارک میں جگہ جگہ سرسبز و گھنے درخت بہار کا سماں پیش کر رہے تھے جگہ جگہ خودرو جھاڑیاں اُگی ہوئی تھیں لیکن کیاریوں میں رنگ برنگے پھول بھی مالی کے سلیقے کا پتہ دے رہے تھے گھاس کے درمیان چلنے کے لیے پتھروں سے سجا ہوا خوبصورت راستہ بنا تھا جو پارک کے درمیان میں موجود ایک تالاب تک جاتا تھا جس کے درمیان میں ایک چبوترہ بنا تھا جس پر مصنوعی پتھروں سے بنے چھوٹے سے ٹیلے پر گھنی جھاڑیوں کے بیچ ایک مجسمہ آویزاں تھا اور وہ مبہوت اُسے دیکھتا رہ گیا تھا۔

سفید موتیوں جیسے چمکدار سنگ مرمر سے بنی وہ دوشیزہ اس کے حواسوں پر چھا گئی وہ سب کچھ بھول گیا یہ تو وہی تھی...... اس کے خوابوں کی ملکہ...... اس کے تصور کی رانی...... اس کے دکھوں کا علاج' اس کے تخیل کی شہزادی' اس کے بال چہرے کو چھوتے ہوئے نیچے اس کے سینے تک بکھر رہے تھے ہاتھ فضا میں یوں بلند تھے جیسے دعا کے لیے اٹھے ہوں جن کی ہتھیلیوں سے پانی کی ایک پتلی سی دھار بہتی ہوئی نیچے تالاب میں گر رہی تھی وہ آرٹ کا بیش بہا نمونہ تھی اور اس بے ہنگم شہر میں ایک حسین شاہکار سے کم نہیں تھی حکایت اللہ بے یقینی سے اس دلکش خوبصورتی کو دیکھتا رہ گیا۔ اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا وہ اس کے لیے رنگ ونور کا بے بہا خزانہ تھی وہ اسے دیکھنے میں اتنا منہمک ہوا کہ وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں رہا اسے لگا جیسے وہ دوشیزہ اس کی آنکھوں کے ذریعے اس کی روح میں جھانک رہی ہو اچانک کسی گاڑی کے ہارن کی آواز پر وہ چونکا اور پھر گھڑی کی طرف دیکھا اب آٹھ بجنے میں صرف دو منٹ تھے۔

''اوہ نہیں...... میں پھر لیٹ ہو جاؤں گا۔'' اس نے فکرمندی سے کہا اور تیزی سے فیکٹری کی

www.urdusoftbooks.com

طرف بڑھا لیکن سڑک کراس کر کے جب اس نے فیکٹری میں قدم رکھا تو وہ لیٹ ہو چکا تھا اس کا باس اس کا منتظر تھا اور حکایت اللہ پر نظر پڑتے ہی اس نے بھی اپنی گھڑی کی طرف دیکھا تھا۔

''تم پھر لیٹ ہو حکایت اللہ......'' باس نے غصے سے کہا اور حکایت اللہ سر جھکا کر کھڑا ہو گیا۔

''کیا تم دیر سے آنے کی وجہ بتانا پسند کرو گے؟'' باس نے طنزیہ انداز میں کہا۔

''مم...... میں...... معافی چاہتا ہوں۔'' وہ بڑبڑایا۔ باس اس کی بات کا جواب دینے کے بجائے اسے چبھتی ہوئی سوالیہ نظروں سے دیکھ رہا تھا جیسے مزید وضاحت چاہتا ہو۔

''دراصل...... میں پارک کی طرف کے چھوٹے راستے سے آ رہا تھا کہ جلدی پہنچ جاؤں کہ اچانک میری نظر اس عورت پر پڑ گئی...... میرا مطلب ہے اس مجسمے پر...... میں نے...... اپنی زندگی میں اتنی خوبصورت عورت نہیں دیکھی۔''

''ایک مجسمہ......؟ تمہارے کہنے کا مطلب ہے کہ تم اس لیے لیٹ ہو گئے کہ تم ایک مجسمے کو دیکھ رہے تھے؟'' باس نے غیر یقینی انداز میں کہا۔

''وہ بہت خوبصورت تھی باس' یقین کرو...... وہ کسی فرشتے کی طرح لگ رہی تھی۔''

''فرشتے کی طرح......'' باس نے غصے سے کہا۔

''تم کم عقل...... سست بوڑھے...... تمہیں احساس ہے کہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ تم پارک میں وقت ضائع کر رہے تھے...... اور یہاں ڈوین مچھلی ڈبوں میں پیک کیے جانے کے لیے تمہارا انتظار کر رہی تھی؟ تم کب اپنی ذمہ داری کا احساس کرو گے؟ مجھے بتاؤ کہ تم کام کرنا چاہتے ہو یا نہیں؟''

[illegible] باس نے تیز آواز میں پوچھا۔ [illegible]

''میں کام کرنا چاہتا ہوں۔'' حکایت اللہ نے دھیمی آواز میں کہا اس نے اپنے ہاتھ اپنی ڈانگری کی جیبوں میں ڈال لیے تھے اور شرمندگی سے فرش کو گھور رہا تھا۔

''دیکھو اگر مجھے تمہاری بیمار بیوی کا خیال نہ ہوتا تو میں تمہیں بہت پہلے ملازمت سے نکال چکا ہوتا لیکن بار بار مجھے اس کا خیال آ جاتا ہے اور میں تمہیں معاف کر دیتا ہوں جاؤ...... دفع ہو جاؤ اور جا کر اپنا کام شروع کرو۔ آئندہ لیٹ مت ہونا ورنہ میں کوئی رعایت نہیں کروں گا۔'' باس چیخا اور حکایت اللہ ہمیشہ کی طرح اپنی مچھلی پیک کرنے والی مشین کی طرف بڑھ گیا اور مچھلی میں کنولے کا تیل ملانے لگا' وہ ایک منٹ میں نو ڈبے پیک کرتا تھا جب مشین کی لائٹ سرخ ہوتی تو وہ لیور دبا دیتا جس سے مچھلی کا ڈبہ پریس ہو کر سیل ہو جاتا اور جب مشین کی لائٹ گرین ہوتی تو وہ لیور اٹھا دیتا بس یہی اس کا کام تھا جو وہ بائیس سال سے کر رہا تھا۔

کبھی کبھی اسے اپنا کام بہت اچھا لگتا تھا کیونکہ اس کی وجہ سے وہ ایک خواب دیکھتا تھا کہ ایک روز اسے بہت سی رقم ملے گی جب اس کی لاٹری نکلے گی جس کی ادائیگی وہ اس ملازمت کی تنخواہ سے کرتا تھا۔ کبھی جب اس کا باس اس پر غصہ کرتا تو حکایت اللہ کا جی چاہتا کہ وہ اس کے منہ پر مکا مارے' بعض اوقات وہ کچھ سوچتا ہی نہیں تھا اور خالی الذہن اپنے کام میں مصروف رہتا تھا لیکن آج بہت کچھ مختلف تھا۔ اس کا ذہن بار بار اس مجسمے کے بارے میں سوچنے لگتا تھا جو اس نے پارک میں دیکھا تھا وہ عورت اسے کسی طرح بھی مجسمے جیسی نہیں لگ رہی تھی وہ اس کے

ہو جا لیے اصلی انداز [illegible] جیسے

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

وقت نے منجمد کر دیا تھا اور جیسے وہ اس کا ہی انتظار کر رہی تھی آج صبح اس دوشیزہ نے اس کے دماغ میں ایسی امید پیدا کر دی تھی جو اس نے پہلے کبھی محسوس نہیں کی تھی وہ جتنا کام کرتا جا رہا تھا اس کا ذہن اتنا ہی اس شاہکار دوشیزہ کے بارے میں سوچتا جا رہا تھا۔

لنچ ٹائم میں وہ اپنا لنچ لے کر پارک میں جا بیٹھا بیٹھنے کے لیے اس نے تالاب کے گرد لگی ہوئی بینچوں میں سے ایک سایہ دار بینچ کو منتخب کیا تھا سامنے مجسمے پر درختوں سے چھن چھن کر آنے والی دھوپ کی کرنیں وقفے وقفے سے پڑ رہی تھیں اور اس کے خدوخال کو نمایاں کر رہی تھیں وہ اس کے سحر میں گم اپنے لنچ کے چھوٹے چھوٹے لقمے لیتا جا رہا تھا وہی آلو بھرے پراٹھے جو اس کی بیوی اسے بائیس سال سے دے رہی تھی جن کے ذائقے سے اسے چڑ ہو گئی تھی لیکن آج اسے ان کے ذائقے کا احساس ہی نہیں ہو رہا تھا۔

اس کی آنکھیں دوشیزہ کے ایک ایک انچ کا جائزہ لے رہی تھیں جس کے نازک و زنانہ خدوخال کو آرٹسٹ نے بڑی مہارت سے تشکیل دیا تھا کہ وہ سانس لیتی محسوس ہو رہی تھی اور اسے فلموں میں موجود ہیروئنوں سے زیادہ دلکش و خوبصورت لگ رہی تھی وہ بھی اس کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی اس کے چہرے پر موجود مسکراہٹ یوں لگ رہی تھی جیسے وہ اس کے لیے ہی مسکرا رہی ہو حکایت اللہ کا دل چاہا کہ وہ اس کے ہونٹ چوم لے اس لمحے دوشیزہ کے بال ہوا سے لہرائے اور اس کے چہرے پر چھا گئے وہ آہستہ آہستہ چلتی اس کے قریب آ گئی اور اپنی خوبصورت دودھیا مخروطی انگلیاں اس کے بالوں میں پھیرنے لگی۔

”اوہ...... تم کتنی مہربان ہو...... کتنی خوبصورت...... تم میری زندگی میں پہلے کیوں نہیں آ گئیں۔ کاش نسیمہ سے میری ملاقات نہ ہوئی ہوتی۔“ وہ ہارے ہوئے جواری کی طرح اس سے سرگوشیوں میں اپنے جذبات کا اظہار کر رہا تھا وہ مسکراتی ہوئی اس پر جھک گئی تھی اب وہ اس کی گرم سانسوں کو بھی محسوس کر رہا تھا۔ اچانک فیکٹری کی طرف دیکھا اور تیزی سے کھڑا ہو گیا۔ مجسمہ بے نیازی سے اپنی جگہ کھڑا تھا اور وہ تیز تیز قدم اٹھاتا فیکٹری کی طرف بڑھ گیا تھا۔

سارا دن وہ اس دوشیزہ کے سحر میں گم رہا اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ مجسمہ اس کے لیے زندہ ہو جائے اس سے باتیں کرے اور حکایت اللہ اس کے حسن کو چھو کر محسوس کرے وہ کام کے دوران اس ساحرہ کے خواب دیکھنے میں اتنا منہمک تھا کہ مچھلی ڈبوں میں پیک کرتے ہوئے جلتی بجھتی سرخ اور سبز لائٹوں پر بھی اس کا دھیان نہیں رہا تھا اور کئی بار وارننگ کی بیل بجی تھی جس کی توقع حکایت اللہ سے نہیں کی جا سکتی تھی اس روز پاس نے اس کی مشین کی وارننگ بیل کئی بار سنی تھی وہ اپنے آفس کی کھڑکی سے اسے دیکھ رہا تھا اس کے دوسرے ورکر ساتھی بھی وارننگ بیل کی آواز پر چونک کر اسے دیکھنے لگے تھے۔

دن کے اختتام پر وہ پھر شارٹ کٹ سے گزرتے ہوئے پارک کے تالاب تک پہنچ کر اپنے محبوب مجسمے کے قریب رک گیا تھا اور اسے دیکھ کر بے ساختہ مسکرا دیا تھا نہ جانے کیوں اس کے قریب جا کر حکایت اللہ کی ساری فکریں، پریشانیاں ختم ہو جاتی تھیں اسے ان لوگوں کی بھی پرواہ نہیں تھی جو پارک میں موجود تھے اور اسے عجیب نظروں سے گھور رہے تھے وہ تو بس اس دوشیزہ کے سحر میں گم تھا اچانک اس کے دل میں

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

خواہش جاگی تھی کہ وہ بھی اس جیسا ہی ہو اور اس کے پہلو میں کھڑا ہو۔

گھر جاتے ہوئے سارے راستے وہ مجسمے کے بارے میں ہی سوچتا رہا اور جب اس نے اپنے گھر میں قدم رکھا تو اس کی بیوی رات کے کھانے کے لیے میز پر برتن لگا رہی تھی۔

''اوہ.....تو آخر کار تم نے گھر آنے کا فیصلہ کر ہی لیا؟'' نسیمہ نے طنزیہ انداز میں کہا اور معمول سے ذرا زور سے میز پر پلیٹیں رکھنے لگی اس کے غصے کا یہی انداز تھا وہ غصے میں چیزوں کو پٹخنے لگتی تھی اور اونچی آواز میں بات کرتی تھی۔

''میں کچھ وقت سکون سے گزارنا چاہتا تھا۔'' اس نے آہستہ سے کہا اس کی نظریں نسیمہ کے جھری زدہ چہرے پر تھیں وہ جوانی سے بڑھاپے کی دہلیز پر قدم رکھ چکی تھی۔

''گھر کا مالک آیا تھا اور کرائے کا تقاضا کر رہا تھا.....وہ کئی مہینوں سے چکر لگا رہا تھا اس کے علاوہ بجلی، گیس اور ٹیلی فون کے بل بھی پڑے ہیں جنہیں جمع کروانا ہے۔'' نسیمہ ناگواری سے ایک ایک چیز گنوانے لگی۔

''میں کہاں جاؤں سکون کے لیے؟ تم گھر کے باہر وقت گزار لیتے ہو.....لیکن میں تو سارا دن قرض خواہوں سے نمٹتی رہتی ہوں۔''

''ہاں .....ہاں ...... دے دوں گا بل بھی۔'' حکایت اللہ نے لاپرواہی سے کہا۔

''تمہیں تو کسی چیز کی کوئی پرواہ ہی نہیں ہے۔ جلد از جلد یہ سارے کام نمٹا دو مجھ سے بار بار لوگوں کی باتیں نہیں سنی جاتیں۔''

''ٹھیک ہے.....دے دوں گا۔''

''تمہیں پتہ ہے حکایت اللہ تمہارا مسئلہ کیا ہے؟'' نسیمہ غصے سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

''تمہارے اندر کوئی صلاحیت نہیں ہے تم ایک ناکام انسان ہو۔'' نسیمہ کی اس بات پر حکایت اللہ نے ایک ٹھنڈی سانس بھری وہ جانتا تھا کہ اس کی بیوی شدید غصے میں ہے اور اس حالت میں وہ اس کی کوئی بات نہیں سنے گی وہ اس کا عادی ہو چکا تھا اب اسے اس کی بھی پرواہ نہیں رہی تھی کہ پڑوسی بھی آئے دن ان کے جھگڑوں کی آوازیں سنتے تھے۔

''کاش میں نے بائیس سال پہلے اپنی والدہ کی نصیحت سن لی ہوتی جب انہوں نے مجھے تم سے شادی نہ کرنے کا مشورہ دیا تھا لیکن میں نے اپنی ضد پوری کر لی تھی وہ ٹھیک کہتی تھیں کہ تم ایک ناکام انسان ہو اور زندگی میں کبھی مجھے کچھ نہیں دے سکو گے۔'' نسیمہ بات کرتے کرتے رکی اور پھر چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

''ہاں' میری والدہ اس ہفتے آ رہی ہیں وہ کچھ دن میرے پاس رہیں گی۔'' نسیمہ نے کہا۔ اور حکایت اللہ کے چہرے پر ناگواری پھیل گئی لیکن نسیمہ کو اس کی پرواہ نہیں تھی وہ اپنی بات مکمل کر کے کچن میں چلی گئی تھی۔

حکایت اللہ جانتا تھا کہ نسیمہ کی والدہ کے آنے کے بعد ان کے چھوٹے سے گھر میں اس کے سونے کے لیے جگہ نہیں ہوگی اور اسے باہر سونا پڑے گا پھر اچانک اس کے ذہن میں ایک خیال آیا تھا اور وہ زیرِ لب مسکرا دیا تھا اسے پارک میں موجود دوشیزہ یاد آ گئی تھی جس کا قرب اسے سکون بخشتا تھا وہ اسے پسند کرتی تھی اور اس بے وفا دنیا میں اس کے لیے پناہ کا ذریعہ تھی۔ اس رات دیر تک وہ اپنے گھر کی بوسیدہ اور جھڑتی ہوئی دیواروں کو تکتا رہا اور اپنے بارے میں سوچتا رہا

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

وہ پہلے کے مقابلے میں خاصا موٹا اور بھدا ہو گیا تھا۔ بڑھاپے نے اس پر بھی غلبہ جمالیا تھا جبھی نسیمہ بھی اسے قابل توجہ نہیں سمجھتی تھی لیکن پارک میں کھڑی دوشیزہ جو جوان اور خوبصورت تھی اسے بھا گئی تھی اسے اس خیال پر چند لمحوں کے لیے شرمندگی محسوس ہوئی کہ وہ خود بوڑھا ہونے کے باوجود اتنی خوبصورت اور جوان دوشیزہ کا قرب حاصل کرنا چاہتا ہے لیکن پھر اسے خیال آیا کہ وہ حسینہ بھی تو اسے پسند کرتی ہے۔ اس کی بات سنتی ہے اور اسے ایک ناکام انسان نہیں سمجھتی۔

اس رات حکایت اللہ کو نیند نہیں آئی علی الصبح وہ بستر سے اٹھ گیا اس وقت بھی پارک میں موجود مجسمے کے بارے میں سوچ رہا تھا اس نے نسیمہ کی طرف دیکھا وہ خواب خرگوش کے مزے لے رہی تھی سڑک پر روشن لائٹوں کی دھندلی سی روشنی کمرے میں آرہی تھی جس نسیمہ کا جھری زدہ چہرہ اور بھی بدنما لگ رہا تھا حکایت اللہ کو پچھتاوا محسوس ہوا کہ اس نے نسیمہ سے شادی کیوں کی تھی اب وہ اس کے اور اس کی محبوبہ کے راستے کی رکاوٹ تھی اسے حکایت اللہ کے دیر سے گھر آنے پر اعتراض تھا جبکہ وہ اس دوشیزہ کی طرح خوشی نہیں دے سکتی تھی۔

صبح ہونے سے کچھ دیر قبل حکایت اللہ قریب رکھی کرسی پر بیٹھ گیا اور آنکھیں بند کر لیں جلد ہی وہ نیند کی آغوش میں چلا گیا تھا اب وہ پھر دوشیزہ کے سامنے موجود تھا لیکن اب وہ پتھر کا مجسمہ نہیں بلکہ جیتی جاگتی الھڑ حسینہ تھی۔ گوشت پوست کی حسینہ جس کے سینے میں دل دھڑک رہا تھا جس کی بانہوں میں زندگی کی حرارت تھی بالکل اسی کی طرح...... وہ باوقار انداز میں تالاب میں بنے چبوترے سے نیچے اتری اور پھر فضاؤں میں اڑتی ہوئی اس کی بانہوں میں آ گئی اس کی آنکھیں محبت سے حکایت اللہ کی روح میں جھانک رہی تھیں اور اس کے جسم کی مسحور کن خوشبو اسے اپنی سانسوں میں گھلتی محسوس ہو رہی تھی وہ اس کے سحر میں گم تھا اور حسینہ اس پر اپنی محبت نچھاور کر رہی تھی جب حکایت اللہ کی آنکھ کھلی تو اس پر عجیب سا سرور چھایا ہوا تھا وہ فیکٹری جانے کے لیے تیار ہوتے ہوئے گنگنا رہا تھا بات بات پر ہنس رہا تھا اور خود کو ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا۔ نسیمہ اسے عجیب نظروں سے دیکھ رہی تھی لیکن اسے نسیمہ کی کوئی بھی پرواہ نہیں تھی۔

اس صبح دفتر جاتے ہوئے وہ نسیمہ کی نظریں بچا کر بیڈ روم سے اس کے سجائے ہوئے پھول لے گیا تھا اور انہیں اپنی محبوبہ کے قدموں میں نچھاور کر دیا تھا اور پھر اس کا چہرہ دیکھنے میں منہمک ہو گیا تھا وہ ہمیشہ کی طرح اسے پسندیدہ نظروں سے دیکھ رہی تھی حکایت اللہ نے ہاتھ کے اشارے سے اسے سلام کیا تھا اور فیکٹری کی طرف بڑھ گیا تھا پارک میں بینچ پر بیٹھا ایک شخص اسے مجسمے کے قدموں میں پھول رکھتے اور سلام کرتے دیکھ رہا تھا اس کے چہرے پر حیرت کے آثار تھے لیکن حکایت اللہ اس سے بے خبر فیکٹری کی طرف جا رہا تھا۔

جب وہ فیکٹری پہنچا تو باس اس کا منتظر تھا اور گھڑی دیکھ رہا تھا حکایت اللہ کو احساس ہوا کہ اس پر مشکل وقت آ چکا ہے۔

''تم کیسے ہو حکایت اللہ؟'' باس نے پوچھا۔

''میں ٹھیک ہوں۔''

''میں نے سنا ہے کہ تم یہاں سے فارغ ہو کر فالتو وقت اور اِدھر اُدھر گھومتے رہتے ہو؟''

''نہیں...... ایسا تو نہیں۔'' حکایت اللہ نے

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

جواب دیا۔

"تم غلط کہتے ہو...... مجھے نسیمہ نے بتایا ہے...... اس کا کہنا ہے کہ تم یہاں سے واپسی پر گھر بھی لیٹ پہنچتے ہو...... آج بھی تم لیٹ آئے ہو...... آخر تم کہاں وقت ضائع کرتے ہو؟"

"باس میں نے آپ کو بتایا تھا کہ پارک میں وہ دوشیزہ میری منتظر ہوتی ہے...... وہ مجھے پیار کرتی ہے...... مجھے دیکھ کر مسکراتی ہے۔"

"کون دوشیزہ؟" باس نے حیرت سے پوچھا۔

"وہی...... جو تالاب کے درمیان کھڑی ہے۔"

"وہ سنگ مرمر کا مجسمہ جو وہاں آویزاں ہے؟ تم اس کی بات کر رہے ہو؟" باس نے حیرت سے پوچھا۔

"وہ مجسمہ نہیں ہے باس...... وہ جیتی جاگتی خوبصورت حسینہ ہے۔"

"تم پاگل ہو گئے ہو حکایت اللہ...... عقل کے ناخن لو...... میری بات سنو...... اگر تم سنجیدہ نہیں ہو گے تو میں تمہیں ملازمت سے نکال دوں گا۔"

"باس...... میرا یقین کرو...... وہ بہت اچھی ہے۔"

"دیکھو حکایت اللہ! میں تمہیں تنگ کرنا نہیں چاہتا میں تمہاری جگہ کام کرنے کے لیے کسی کو بھی رکھ سکتا ہوں میرے پاس چھ امیدوار ہیں جو انتظار کر رہے ہیں کہ انہیں کب موقع ملے...... اس بات کو دماغ میں رکھنا...... اور جاؤ...... اب اپنا کام کرو۔" باس کے لہجے میں حقارت نمایاں تھی۔

اس روز حکایت کی کوشش تھی کہ وہ اپنا کام پوری توجہ سے کرے لیکن وہ دوشیزہ بار بار اس کے تصور میں جلوہ گر ہو جاتی تھی اور پھر وہ جاگتے میں خواب دیکھنے لگا تھا جیسے وہ کوئی کروڑ پتی ہو اور اس حسینہ کے ساتھ خوشگوار زندگی گزار رہا ہو وہ دونوں ایک دوسرے سے عشق کرتے ہوں اور ایک دوسرے پر جان نچھاور کرنا چاہتے ہوں لوگ ان پر رشک کرتے ہوں شہر میں ہر طرف ان کے چرچے ہوں ان کے عشق کی مثالیں دی جاتی ہوں۔

پھر وہ جاگتی آنکھوں خواب دیکھنے سے چونک اٹھا تھا اس کی مشین کی وارننگ بیل بجی تھی سب ورکر اس کی طرف دیکھنے لگے تھے اس نے بھی چونک کر اطراف کا جائزہ لیا تھا اور پھر کام میں مصروف ہو گیا تھا اس نے پیچھے پلٹ کر باس کے آفس کی طرف نہیں دیکھا تھا کیونکہ وہ اپنی پشت پر باس کی نظروں کی گرمی کو محسوس کر سکتا تھا۔

لنچ ٹائم میں حکایت اللہ نے اپنی الماری سے اپنا لنچ بکس نکالا تھا اور دوسرے ورکرز کے ساتھ لنچ روم میں چلا گیا تھا وہ آج پارک میں حسینہ کے ساتھ لنچ نہیں کرنا چاہتا تھا کیونکہ وہ اس کے خیالوں میں محو ہونے کی وجہ سے آج اپنا کام بھی پوری توجہ سے نہیں کر سکا تھا اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ سب حسینہ کو برا سمجھنے لگیں جس وقت وہ لنچ روم میں پہنچا باس بھی وہاں پہنچ گئے تھے اور دور ایک ٹیبل پر بیٹھ کر تجسس سے اُسے دیکھ رہے تھے حکایت اللہ کو اپنا لنچ بکس روز کے مقابلے میں زیادہ بھاری محسوس ہوا اور جب اس نے اسے کھولا تو اس میں پراٹھوں کے علاوہ ایک مرا ہوا چوہا بھی موجود تھا۔ وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا اور لنچ بکس کو ایک جھٹکے سے نیچے گرا دیا۔ سارے ورکر چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگے تھے اور جب ان کی سمجھ میں معاملہ آیا

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

تھا تو سب قہقہے لگانے لگے تھے وہ جان گیا تھا کہ کسی نے اس کے ساتھ یہ بے ہودہ مذاق کیا تھا وہ غصے سے چلتا ہوا لنچ روم سے نکل گیا تھا اس کا رخ پارک کی طرف تھا جہاں ہمیشہ اس کے لیے سکون ہوتا تھا۔

وہ پارک میں اپنی مخصوص بینچ پر بیٹھ گیا تھا جہاں سامنے اس کے خوابوں کی شہزادی موجود تھی وہ اپنی جگہ کھڑی ہمیشہ کی طرح معصوم' حسین ادا سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی وہ جانتا تھا کہ دوشیزہ اس کا دکھ جانتی ہے اسے اپنی زندگی سے شکایت تھی جس نے اسے کبھی کوئی خوشی نہیں دی تھی وہ بینچ کی پشت سے سر ٹکا کر بیٹھ گیا اور آنکھیں بند کرلیں وہ جانتا تھا کہ کچھ دیر بعد جب وہ فیکٹری جائے گا تو پھر اسی تکلیف دہ زندگی کا سامنا کرے گا جیسے روز کرتا ہے وہی لوگوں کی چبھتی ہوئی نظریں' باس کی ڈانٹ...... نسیمہ کے طنزیہ جملے...... لیکن...... لیکن کم از کم وہ اس وقت کو سکون سے گزار سکتا تھا کیونکہ اس وقت وہ جس کے ساتھ تھا وہ اس کا پیار تھی...... اس کی چاہت تھی...... اس کی محبوبہ تھی...... وہ پھر بند آنکھوں سے اسے تالاب کے چبوترے سے اترتے دیکھنے لگا تھا اور ایک بار پھر وہ ادائے دل نوازی سے اڑتی ہوئی اس کی بانہوں میں آ گئی تھی۔

اچانک کسی کا ہاتھ اسے اپنے کاندھے پر محسوس ہوا اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا تو ایک پولیس مین اس کے سامنے کھڑا تھا اور غصے سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا حکایت اللہ ابھی تک غنودگی میں تھا اور اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کہاں ہے۔

''تم نہیں جانتے اب لوگ یہاں پارک میں نہیں سو سکتے؟ جاؤ کہیں اور جاؤ...... اپنے لیے کوئی مناسب جگہ ڈھونڈو۔'' اس نے کرخت لہجے میں کہا۔

حکایت اللہ نے اطراف کا جائزہ لیا سورج غروب ہونے والا تھا اسے دیر ہو چکی تھی لنچ ٹائم ختم ہوئے کافی وقت گزر گیا تھا اس نے اپنی گھڑی کی طرف دیکھا پونے پانچ بجے تھے وہ تیزی سے فیکٹری کی طرف بھاگا جب وہ وہاں پہنچا تو ورکرز چھٹی کے انتظار میں کھڑے تھے جو اسے دیکھتے ہی ایک دوسرے سے سرگوشیاں کرنے لگے تھے اسی وقت باس بھی وہاں آ گیا تھا۔

''تمہیں نوکری سے نکال دیا گیا ہے...... جاؤ...... تم جا سکتے ہو۔'' باس نے غصے سے کہا اور حکایت اللہ اسے حیرت سے دیکھنے لگا اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ بائیس سال کی نوکری کے بعد اس کے ساتھ ایسا کیسے ہو سکتا ہے وہ جانتا تھا اس نے بڑی وفاداری سے ملازمت کی تھی وہ یہ سوچ کر مزید پریشان ہو گیا کہ جب اس کی بیوی کو پتہ چلے گا تو وہ کیا کہے گی وہ اس کا سامنا نہیں کر سکے گا۔

''سر...... آپ اندازہ نہیں کر سکتے میری بیوی بہت برہم ہو گی...... مجھے اس ملازمت کی ضرورت ہے۔'' حکایت اللہ نے التجا کی۔

''میں نے کہا کہ تمہیں نکال دیا گیا ہے...... یہاں سے جاؤ۔'' باس نے غصے میں کہا۔ حکایت اللہ بے حس و حرکت کھڑا تھا اسے لوگوں کی سرگوشیاں سنائی دے رہی تھیں وہ اس پر ہنس رہے تھے۔

''دیکھو عاشق کو......'' کسی نے کہا۔

''مجسمے کو محبوبہ سمجھتا ہے۔'' دوسرے نے قہقہہ لگایا۔

''بیوی بوڑھی ہو گئی ہے نا؟'' ایک اور ہنسا

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

اور معاملہ حکایت اللہ کی برداشت سے باہر ہو گیا۔
''چپ ہو جاؤ...... تم سب کیا بکواس کر رہے ہو؟'' وہ زور سے چیخا۔
''کیا اس دلفریب دوشیزہ سے ملنے گئے تھے جو لیٹ ہو گئے؟'' اس کا ایک ساتھی ورکر احسن اس کی طرف دیکھتے ہوئے زور سے ہنسا اور حکایت اللہ اس پر جھپٹ پڑا اس نے احسن کے منہ پر زوردار مکا مارا تھا اور احسن کے منہ سے خون بہنے لگا تھا پھر احسن نے بھی اپنی مدافعت میں ہاتھ چلائے لیکن حکایت اللہ نے اسے مسلسل مکے مارنا شروع کر دیے تھے احسن نیچے گر گیا تو حکایت اللہ نے اسے ٹھوکریں مارنا شروع کر دیں آخر دو ورکرز نے اُسے پکڑ کر قابو کیا اور باس نے چیخ کر پولیس کو بلانے کا آرڈر دیا یہ سنتے ہی حکایت اللہ خود کو ورکرز سے چھڑا کر بھاگتا ہوا فیکٹری سے نکل گیا۔
اس رات اس نے گھر جانے سے پہلے بہت وقت آوارہ گردی میں گزارا اس کی ہمت نجمہ کے پاس جانے کی نہیں تھی وہ شرمندہ تھا اس نے اپنے ساتھی ورکر کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا وہ کافی دیر شہر کی گلیوں میں بے مقصد گھومتا رہا پھر جب وہ اپنے گھر پہنچا تو اندھیرا اچھیل چکا تھا جیسے ہی اس نے گھر میں قدم رکھا اس کی نظر نسیمہ پر پڑی جو کرسی پر بیٹھی اس کا انتظار کر رہی تھی اور اس کے اندر داخل ہوتے ہی اسے گھورنے لگی تھی اس نے میز کی طرف دیکھا لیکن وہاں رات کا کھانا موجود نہیں تھا اس نے قمیض اُتار کر ایک طرف پھینکی اور ٹی وی کی طرف بڑھ گیا ٹی وی آن کیا لیکن وہ ڈیڈ تھا پھر اس نے کئی بار اس کا بٹن دبایا لیکن ٹی وی آن نہیں ہوا تو اس نے زور سے اس پر مکا مارا پھر اس کے پیچھے جھانک کر پلگ چیک کیا تو اس کی نظر کٹی ہوئی لیڈ پر پڑی اس نے مڑ کر سوالیہ نظروں سے نسیمہ کی طرف دیکھا جو خاموشی سے اُس کی حرکتوں کا جائزہ لے رہی تھی۔
''فاخرہ کہہ رہی تھیں کہ اس کے شوہر نے بتایا ہے آج تمہیں ملازمت سے نکال دیا گیا ہے۔'' نسیمہ نے پوچھا لیکن حکایت اللہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔
''اُس نے یہ بھی بتایا کہ تم نے اپنے ایک ساتھی ورکر احسن کو بغیر کسی وجہ کے زدوکوب کیا اور زخمی کر کے اسپتال پہنچا دیا۔'' نسیمہ پھر غصے سے بولی۔
''ہاں یہ ٹھیک ہے۔'' حکایت اللہ نے دھیمے لہجے میں کہا۔
''کیا تم یہ بتانا پسند کرو گے کہ تم نے ایسا کیوں کیا؟'' نسیمہ نے کہا اور حکایت اللہ نے اُسے سمجھانا شروع کر دیا۔
''دیکھو نسیمہ...... میں اس کے خلاف کوئی بات نہیں سن سکتا...... اس سے ملنے کے بعد میری زندگی ہی بدل گئی ہے...... وہ میری زندگی کا حاصل ہے...... وہ میرا انتظار کرتی ہے۔ میری بات سنتی ہے...... میرے دکھوں پر مجھے تسلی دیتی ہے...... ہر وقت میری منتظر رہ کر جیسے میری یاد میں کھوئی رہتی ہے۔''
''ایک منٹ......'' نسیمہ نے اُسے روکتے ہوئے کہا۔
''وہ کون ہے؟''
''وہ...... وہ پارک میں رہتی ہے۔''
''پارک میں رہتی ہے؟''
''ہاں پارک کے تالاب کے چبوترے پر...... وہ یوں کھڑی ہوتی ہے جیسے کوئی حسن کی ملکہ ہو...... وہ چمکدار سفید سنگِ مرمر کی دیوی لگتی

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

ہے۔"

"اوہ میرے خدا...... تم کتنے فضول شخص ہو...... کہیں تم اس پتھر کے مجسمے کی بات تو نہیں کررہے جو تالاب کے درمیان نصب ہے؟" نسیمہ نے حیرت سے پوچھا۔

"اسے مجسمہ مت کہو...... وہ پیار کی دیوی ہے...... حسن کا شاہکار ہے۔ اس سے ملنے کے بعد میری زندگی بدل گئی ہے...... مجھے جینے کا مقصد مل گیا ہے۔" حکایت اللہ بول رہا تھا اور نسیمہ حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی پھر حکایت اللہ کے خاموش ہونے کے بعد بھی چند لمحے وہ خاموش رہی پھر اچانک جیسے اُسے ہوش آ گیا۔

"تو گویا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ پارک میں موجود اس مجسمے کی وجہ سے تمہاری ملازمت چلی گئی؟"

"نہیں نسیمہ! تم میری بات سمجھ نہیں رہی ہو وہ میرے لیے مجسمہ نہیں...... ایک جیتی جاگتی عورت ہے۔ ایک حسین دوشیزہ ہے۔" حکایت اللہ نے کہا۔

"حکایت اللہ تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہوگیا؟ پچھلے بائیس سالوں سے میں تمہارا گھر سنبھال رہی ہوں یہاں صبح سے شام تک نوکرانیوں کی طرح کام کرتی ہوں۔ تمہارے لیے کھانا بناتی ہوں، تمہارے کپڑے دھوتی ہوں، تمہارے گھر کی صفائی کرتی ہوں اور تم میرے سامنے اس بستر پر ڈھیر کی طرح پڑے رہتے ہو کیا یہی تمہاری قدر ہے؟ تم نے میری ساری محنت اور قربانی کو ایک پتھر کے مجسمے پر قربان کردیا۔" نسیمہ کے لہجے میں شکایت تھی۔

"نہیں نہیں وہ مختلف ہے...... وہ کوئی عام مجسمہ نہیں ہے۔ وہ حقیقت ہے، وہ سانس لیتی ہے...... مسکراتی ہے میں سمجھتا ہوں وہ میری ہے۔"

"تم پاگل ہو۔" نسیمہ زور سے چیخی۔

"تم پتھر کے ایک مجسمے کو گوشت پوست کا زندہ انسان سمجھتے ہو۔"

"نسیمہ ایسا مت کہو...... میری بات پر یقین کرو۔" حکایت اللہ نے اُسے سمجھانا چاہا۔

"حکایت اللہ...... میں سمجھتی ہوں کہ تم انسان کہے جانے کے قابل نہیں ہو...... تم کسی بچے کی طرح اپنے دماغ میں الف لیلیٰ کی داستان سجا کے بیٹھے ہو اور چاہتے ہو کہ سب اس پر یقین کرلیں؟"

"میں تم سے سچ کہہ رہا ہوں...... میں اس کے جسم کی گرمی کو محسوس کرتا ہوں...... اس کی خوشبودار سانسیں مجھے مسحور کردیتی ہیں...... اس کی پیار بھری نظروں میں جادو ہے...... وہ مجھے دیکھتی ہے اور مجھے سکون ملتا ہے......" حکایت اللہ بے خودی میں بولے جارہا تھا۔

"اگر تمہاری بات مان بھی لی جائے تو میں یقین سے کہہ سکتی ہوں کہ وہ بھی پاگل ہی ہوگی بھلا اسے دینے کے لیے تمہارے پاس کیا ہے؟ تم بے ہنگم، موٹے، بوڑھے، چڑچڑے بڈھے۔" نسیمہ نے طنزیہ انداز میں مسکراتے ہوئے کہا اور حکایت اللہ کا غصہ کنٹرول سے باہر ہوگیا۔

"اس کے لیے ایسی باتیں مت کرو۔" حکایت اللہ نے غصے سے اپنی مٹھیاں بھینچتے ہوئے کہا۔

"اور جس انداز میں تم اس کو بیان کررہے ہو مجھے لگتا ہے وہ کوئی آوارہ اور بدچلن عورت ہوگی جس نے پارک میں ڈیرا جمالیا ہوگا ایسی عورتیں تو ہر مرد پر عاشق ہوجاتی ہیں۔"

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

"چپ ہو جاؤ نسیمہ......!" حکایت اللہ غصے سے چیخا۔

"ایسی بدچلن عورتیں سڑکوں پر بہت پھرتی ہیں تم نے اپنی طرف سے یہ کہانی گھڑ لی ہے۔"

نسیمہ بھی اسے چڑانے میں کسر اٹھا نہیں رکھ رہی تھی وہ اپنا غصہ اتارنے کے لیے اکثر ایسا کرتی تھی۔ اپنی بات ختم کر کے وہ اُسے غور سے دیکھ رہی تھی حکایت اللہ غصے سے کانپ رہا تھا۔ اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا اور اس پر جنونی کیفیت طاری ہو گئی تھی اور نسیمہ اسے اس حالت میں دیکھ کر دل ہی دل میں خوش ہو رہی تھی کہ اس نے کسی حد تک اپنا بدلہ لے لیا تھا۔

"تمہیں کیسا لگا جب میں نے اسے برا کہا؟ میں نے ٹھیک کہا نا کہ وہ ایک آوارہ عورت ہے جو اس عمر میں تمہارے حواسوں پر چھا گئی ہے۔" نسیمہ نے مزید مزہ لیتے ہوئے کہا۔

"وہ بدچلن...... بدچلن...... بدچلن ہے۔"

نسیمہ تیز تیز بولتی جا رہی تھی اور غصہ حکایت اللہ کی برداشت سے باہر ہو گیا تھا اچانک اس کی ناک سے خون بہنے لگا اور اسے محسوس ہوا۔ جیسے اس کے دماغ میں کوئی چیز پھٹی ہو وہ نسیمہ پر گرا اور اسے ساتھ لیتا ہوا فرش پر آ گرا نسیمہ چیخ رہی تھی اور حکایت اللہ کے دونوں ہاتھ اس کے گلے پر تھے وہ پوری طاقت سے اس کا گلا دبا رہا تھا اور نسیمہ کے حلق سے غرغراہٹ کی آوازیں نکل رہی تھیں اور وہ اپنے ناخنوں سے اس کا چہرہ نوچ رہی تھی اس کی کوشش تھی کہ کسی طرح وہ اس کا گلا چھوڑ دے جبکہ حکایت اللہ سختی سے اُسے پکڑے ہوئے تھا وہ تڑپ رہی تھی اور اس کے پاؤں بار بار قریب رکھی میز سے ٹکرا رہے تھے وہ اس کے موٹے جسم کے نیچے سے نکلنے کی سر توڑ کوشش کر رہی تھی اچانک میز پر رکھا ہوا لیمپ ایک جھٹکے سے زمین پر آ گرا نسیمہ کی آنکھیں حلقوں سے باہر آ گئیں اور زبان منہ سے باہر نکل گئی پھر اس کا جسم ساکت ہو گیا تھا۔

کچھ دیر کے لیے جیسے ہر چیز ساکت ہو گئی تھی حکایت اللہ نے اپنے ہاتھ اس کے گلے سے ہٹا لیے تھے نسیمہ کی آنکھیں چھت کی طرف دیکھ رہی تھیں اور اس کے ناخنوں کے کھرونچوں سے حکایت اللہ کے چہرے پر جلن ہو رہی تھی کچھ سے خون بھی بہہ رہا تھا جس کے قطرے نسیمہ کے سفید لباس پر ٹپک رہے تھے جن سے جگہ جگہ سرخ دھبے پڑ گئے تھے حکایت اللہ کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا جیسے سینہ توڑ کر باہر نکل جائے گا اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ اس نے نسیمہ کے ساتھ ایک ظالمانہ سلوک کیا تھا۔

"نسیمہ......!" اس نے آہستہ سے نسیمہ کو آواز دی جو بے حس پڑی تھی اسی وقت دروازے پر دستک کی آواز سنائی دی حکایت اللہ سیدھا ہو گیا دستک دوبارہ سنائی دی۔

"نسیمہ......!" باہر سے فاخرہ کی آواز سنائی دی۔

"کیا خیریت ہے؟" حکایت اللہ نے اس آواز کا کوئی جواب نہیں دیا تھا اس کا دماغ تیزی سے کام کر رہا تھا وہ موقع کی نزاکت کا اندازہ لگا رہا تھا۔

"نسیمہ...... کیا تم سن رہی ہو؟ کیا تم خیریت سے ہو؟" فاخرہ نے دوبارہ پوچھا۔ حکایت اللہ کو احساس تھا کہ اس کے اور نسیمہ کے جھگڑے کی آوازیں برابر کے گھر میں فاخرہ نے ضرور سنی ہوں گی اس نے فوراً ہی فیصلہ کیا کہ وہ گھر سے فرار ہو جائے اس نے [illegible]

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

کھڑکی سے عقبی بالکونی میں کود گیا جہاں سے دو منزلہ بلڈنگ سے نیچے اترنا اس کے لیے مشکل نہیں تھا پچھلے زینے سے وہ چند ہی لمحوں میں نیچے پہنچ کر بلڈنگ سے دور بھاگتا چلا گیا تھا اس نے نسیمہ کے ساتھ جو بھی کیا تھا اس کا اسے بے حد افسوس تھا اس کا ارادہ نسیمہ کو مارنے کا نہیں تھا لیکن نسیمہ نے اسے غصہ دلا کر ایسا کرنے پر مجبو رکر دیا تھا۔

حکایت اللہ جانتا تھا کہ پولیس اس کی تلاش میں ہے چنانچہ وہ اپنا علاقہ چھوڑ آیا تھا اور شہر کی مختلف گلیوں' پارکوں میں چھپتا پھر رہا تھا۔ سارا سارا دن ویران علاقوں میں گزارتا اور رات کے وقت شہر کے مختلف ہوٹلوں اور ریستورانوں کے عقب میں موجود کوڑے کے ڈھیروں سے بچا ہوا کھانا کھا کر بھوک مٹالیتا پھر کسی تاریک گوشے میں دبک کر سو جاتا ایسے ہی اچانک کوڑے کے ایک ڈھیر سے اسے ایک اخبار ہاتھ لگ گیا جس میں اس کی بیوی کی موت کی خبر چھپی تھی اس خبر میں درج تھا کہ اس کی پڑوسن کے بیان کے مطابق اس نے حکایت اللہ اور نسیمہ کے جھگڑے کی آوازیں سنی تھیں جس میں وہ کسی دوسری عورت کے بارے میں جھگڑ رہے تھے جو حکایت اللہ کی زندگی میں آ گئی تھی۔

کئی دن گزرنے کے بعد وہ یوں چھپنے سے تنگ آ گیا اسے ہر لمحے حسین دوشیزہ کی یاد ستاتی رہتی تھی جسے اس نے کئی روز سے نہیں دیکھا تھا۔ وہ جاگتے ہوئے بھی اس کے خواب دیکھتا تھا اور جانتا تھا کہ اس کا قرب ہی سکون بخش سکتا ہے راتوں کو جب وہ سڑکوں پر آوارہ گھوم رہا ہوتا تھا تو اسے یوں محسوس ہوتا جیسے دوشیزہ اس کے ساتھ ہی موجود ہو وہ اس کی بانہوں کی گرمی' اس کے دل کی دھڑکن اور اس کے جسم کے لمس کو محسوس کرتا تھا' اس سے ملنے کی خواہش دل میں شدت سے ابھرتی تھی وہ بار بار پارک کی طرف جانے کے لیے قدم بڑھاتا تھا لیکن پولیس کا خوف اسے روک دیتا تھا وہ جانتا تھا کہ پولیس اس کی تلاش میں ہے اور اس کے ملتے ہی اسے پکڑ کر جیل میں ڈال دیا جائے گا لیکن پھر اس کے دل نے اسے مجبور کر دیا کہ وہ دوشیزہ سے ملے کیونکہ وہی تو اس کے سارے مسائل' دکھوں اور پریشانیوں سے اسے نکال سکتی تھی پہلے بھی اس کے قرب اور اس کی دلکش مسکراہٹ نے حکایت اللہ کو سکون بخشا تھا۔

''مجھے اس کے پاس جانا چاہیے وہی مجھے اس مصیبت سے نجات دلائے گی۔'' حکایت اللہ نے ایک رات خود سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔

''وہ میری آخری امید ہے..... میں اس طرح مزید زندہ نہیں رہ سکتا' اگر اس نے میری مدد نہیں کی تو میں خود کو پولیس کے حوالے کر دوں گا۔'' وہ بڑبڑایا اور اس نے اپنی محبوبہ کے پاس جانے کا ارادہ پختہ کر لیا۔

اس رات جب شہر کی سڑکیں سنسان ہو گئیں تو حکایت اللہ خاموشی سے اپنے علاقے میں پہنچ گیا جب وہ پارک کے قریب پہنچا تھا تو اس کے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئی تھیں ہر طرف اندھیرے اور خاموشی کا راج تھا' پارک کی لائٹس بھی بند تھیں اس نے سوچا شاید رات کے اس پہر ان لائٹوں کو بند کر دیا جاتا ہو وہ دبے قدموں پارک میں داخل ہو گیا اور اندازے سے تالاب کی طرف بڑھنے لگا چند لمحوں میں وہ اپنی مخصوص جگہ پر پہنچ گیا تھا تالاب کے قریب کھڑے ہو کر اس نے مجسمے پر نظر ڈالی لیکن اندھیرے کے باعث اسے صرف ایک ہیولا سا نظر آیا وہ چند قدم پیچھے ہٹ کر اپنی مخصوص بینچ پر بیٹھ گیا اور

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

مجسمے کی طرف دیکھ کر اسے مخاطب کیا۔

''اے میری محبت۔'' اس کی آواز اسے پارک کی فضا میں گونجتی محسوس ہوئی۔

''میری زندگی' میں بہت پریشان ہوں' میری زندگی میں بہت کچھ بدل گیا ہے۔ میری ملازمت چھن گئی' میری بیوی اس دنیا سے چلی گئی' پولیس میری تلاش میں ہے اور میں تمہارے سامنے بے یارومدد گار بیٹھا ہوں۔'' وہ خاموش ہو گیا کچھ دیر بعد اس نے پھر کہنا شروع کیا۔

''اب میرے پاس کوئی جگہ نہیں ہے جہاں میں پناہ لے سکوں یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔ میری محبوبہ! صرف اور صرف تمہارا حسن' تمہاری معصومیت' تمہاری مسکراہٹ اور تمہارا پیار اس کا ذمہ دار ہے' میں تمہیں بے انتہا چاہتا ہوں اور شاید تم بھی مجھ سے اتنی ہی محبت کرتی ہو کیونکہ تم نے کئی بار مجھ سے اس کا اظہار بھی کیا ہے' میں تمہارے خلاف کسی کا کہا ہوا ایک لفظ بھی برداشت نہیں کر سکتا اور اس کا ثبوت میری بیوی کی موت ہے جو تمہاری برائیاں کر رہی تھی میں نے اسے ہمیشہ کے لیے خاموش کر دیا...... میرے پاس واپسی کا کوئی راستہ نہیں۔''

وہ بول رہا تھا اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اسے لگ رہا تھا جیسے اس کی محبوبہ توجہ سے اس کی بات سن رہی ہو۔

''میں تم سے مدد کی درخواست کرتا ہوں' تمہیں اپنے حسن' اپنی پاکیزگی اور اپنی بے پناہ محبت کا واسطہ ہے مجھے اس مصیبت سے نجات دلاؤ...... میری زندگی کو سکون بخش دو جسے میں نے تمہارے عشق میں خود ہی اپنے لیے سوہانِ روح بنالیا ہے...... تم میری ہو جاؤ اور مجھے اپنا بنالو...... تم مجھ میں اور میں تم میں سما جاؤں جیسے ایک جسم اور دو قالب......'' حکایت اللہ بولتے بولتے رک گیا جیسے مجسمے کے جواب کا انتظار کر رہا ہو۔ ہر طرف خاموشی اور ویرانی کا راج تھا سوائے دور سے آنے والی پولیس کی گاڑیوں کے سائرن کی آوازوں کے اس نے پھر مجسمے کی طرف دیکھا۔

''اوہ...... میری محبت......!'' اس نے پھر بولنا شروع کیا۔

''اگر تم میری آواز سن رہی ہو تو جان لو کہ میں اپنے دل اور اپنی روح کی گہرائیوں سے تم سے التجا کرتا ہوں کہ مجھے بچالو...... اگر مجھ سے محبت کرتی ہو اور میرے عشق پر یقین رکھتی ہو تو میری مدد کرو...... ہمیشہ کی طرح میری پریشانی سے مجھے نجات دلا دو۔''

وہ اپنی دھن میں بولتا جا رہا تھا۔ سائرنوں کی آوازیں نزدیک آتی جا رہی تھیں پھر اچانک حکایت اللہ کو ایک آواز سنائی دی جیسے کوئی بھاری چیز پتھر کے پختہ فرش پر گھسیٹی جا رہی ہو۔ یہ آواز تالاب پر بنے چبوترے کی طرف سے آ رہی تھی اس نے اندھیرے میں نظریں جما کر دیکھنے کی کوشش کی۔ اس کے خوابوں کی دوشیزہ آج حقیقت میں اس کی طرف آ رہی تھی اسے جیسے زندگی بخش دی گئی تھی۔ وہ لحہ لحہ اس کے نزدیک آتی جا رہی تھی۔ فضا میں سنائی دینے والی آواز اس کے فرش پر حرکت کرنے سے پیدا ہو رہی تھی اس کی محبوبہ کے ہونٹوں پر ہمیشہ کی طرح دلکش مسکراہٹ تھی اور آنکھوں میں بے تحاشہ پیار' حکایت اللہ کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا اسے اپنا دل سینے سے نکلتا محسوس ہوا اس کی التجائیں رنگ لا رہی تھیں اس کی محبوبہ حقیقت میں والہانہ انداز سے اس کی طرف بڑھ رہی تھی اس کی محبت سچی تھی جس نے پتھر کے صنم میں زندگی پھونک دی تھی وہ بے ساختگی سے اس حسینہ کی طرف بڑھا کہ خود تک پہنچنے سے پہلے اسے اپنی بانہوں میں بھر لے لیکن دوسرے ہی لمحے اس کی محبوبہ اس کی بانہوں میں آنے کے بجائے

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

اپنے کئی سوٹن وزن کے ساتھ اس پر آ گری تھی اور وہ اس کے نیچے دب گیا تھا۔

کچھ دیر بعد اس کی لاش کے گرد لوگ جمع ہو چکے تھے جن میں پولیس افسران کی تعداد زیادہ تھی صبح کا سورج آہستہ آہستہ طلوع ہو رہا تھا۔ چند آوارہ گرد جو پارک میں سوئے ہوئے تھے وہ بھی وہاں جمع ہو گئے تھے اور پارک کا مالی اور فیکٹری کا چوکیدار بھی مجمع دیکھ کر وہاں آ گئے تھے۔

''ہم کئی روز سے اسے تلاش کر رہے تھے۔'' پولیس افسر نے حکایت اللہ پر گرے مجسمے کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''تمہارا کہنا ہے کہ تم نے اسے پہلے بھی یہاں دیکھا تھا؟'' پولیس انسپکٹر نے اپنے ایک ساتھی سے پوچھا۔

''جی ہاں جناب جس رات اس نے اپنی بیوی کا قتل کیا تھا اس دوپہر کو میں نے اسے بینچ پر سوتے دیکھا تھا پھر جب میں نے اسے اٹھایا تو وہ یہاں سے بھاگ گیا تھا۔'' پولیس افسر نے جواب دیا۔

''یہ کیسے ممکن ہے کہ مجسمہ اچانک یوں گر جائے...... یہ تو یہاں برسوں سے نصب تھا؟'' پولیس انسپکٹر نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

''اسے یہاں سے نکالنے کا کام ہو رہا تھا جناب۔'' قریب کھڑے پارک کے مالی نے بتایا۔ ''شہر کے نئے میئر کے حکم پر اس پارک کو نئے انداز میں سجانے کا کام جاری ہے اس مجسمے کو بھی یہاں سے ہٹانا تھا اس لیے اس کی کھدائی ہو رہی تھی پھر شام ہونے پر مزدور چلے گئے شاید وہ کل اپنا کام مکمل کرتے۔'' مالی نے وضاحت کی۔

''لیکن حکایت اللہ تو اس مجسمے کا دیوانہ تھا۔'' فنشری فیکٹری کے چوکیدار نے کہا۔

''تم یہ کیسے کہہ سکتے ہو؟'' پولیس انسپکٹر نے پوچھا۔

''وہ اکثر اس کی خاطر اپنی ڈیوٹی پر دیر سے پہنچتا تھا اسی لیے اسے ملازمت سے بھی نکال دیا گیا۔''

''کیا مطلب......''

''وہ فیکٹری آتے جاتے ہوئے اس کے پاس ضرور ٹھہرتا تھا...... کافی کافی دیر اس سے باتیں کرتا...... اس کے قدموں میں پھول رکھتا لوگ اسے پاگل کہنے لگے تھے...... وہ تنہائی میں اس سے یوں باتیں کرتا جیسے وہ اس کی محبوبہ ہو۔'' چوکیدار نے ہنستے ہوئے کہا۔

''فیکٹری میں بھی اگر کوئی اس مجسمے کو برا کہتا تو وہ اس سے اُلجھ پڑتا تھا۔''

''گویا وہ جس کا عاشق تھا وہی اس کی موت کا سبب بنا؟'' انسپکٹر نے کہا۔

''ہاں' اس نے آخری دن فیکٹری میں اپنے ایک ساتھی کو لہولہان کر دیا تھا صرف اس لیے کہ وہ اس کے محبوب مجسمے کا مذاق اُڑا رہا تھا۔'' چوکیدار نے بتایا۔

''حیرت انگیز......'' انسپکٹر نے کہا۔

کچھ دیر بعد لوگ منتشر ہو گئے تھے اور پارک سے حکایت اللہ کی لاش کے ساتھ مجسمے کو اٹھانے کا کام شروع ہو گیا تھا حکایت اللہ کی لاش ایمبولینس میں اور سنگ مرمر کا مجسمہ ایک بڑے ٹرک میں وہاں سے ایک ساتھ روانہ کر دیے گئے تھے ایک عشق کی کہانی کا انجام ہو گیا تھا ایسا عشق جو بے ساختہ تھا نامانوس تھا ناممکن اور انوکھا تھا ایک انسان نے ایک پتھر کے صنم کو چاہا تھا۔ دور فضاؤں میں کہیں نغمہ گونج رہا تھا۔

پتھر کے صنم' تجھے میں نے' محبت کا خدا مانا
پتھر کے صنم......

☆☆......☆☆

www.urdusoftbooks.com

نیا سلسلے وار ناول

ایک بہت ہی خاص منفرد موضوع پر دلچسپ تحریر

ریشم کے دھاگے

(قسط نمبر 6)

غیاث الدین غیاث کا خیال

تقاضہ وقت کا ہے یہ کہ لکھو
لکھیں گے ہم کہ ہم راقم ہوئے ہیں

روشانے سبعین مہاروی

ماں کی بے رخی اُس کے لیے اک سزا تھی۔ اذیت اُس پر ایسی کیفیت طاری کر رہی تھی' جہاں شعور سے لاشعور کے درمیان کی مہین سی لکیر بھی اپنی سمت کھو رہی تھی۔ درد اُس کو ایک نئی دنیا سے متعارف کروا رہا تھا' جہاں کے بام ودر ویرانیوں کے مہیب سائے میں لپٹے ہوئے تھے۔

شاید یہ کوئی اور سیارہ تھا۔ وہ اپنے مدار سے چھوٹ رہی تھی۔ بے کنار خاموشیاں تھیں اور چیختی ہوئی سرگوشیاں......

ہاتھ میں پکڑا فون بجتا چلا گیا......لیکن اُس کا سکتہ نہ ٹوٹا۔

مٹی سے راکھ ہونے کا عمل بڑا اذیت ناک تھا۔

وہ سونا تھا......جو پیتل ہو گئی تھی۔

بات نظر کی تھی......!

اِک نظر انسان کو ولایت کی بلندیوں پر لے جاتی ہے۔

اور وہی نظر پھر جائے......تو نہ خاکی......نہ نوری......بس......! آتش......وہ آتش......جسے دھتکار دیا گیا تھا۔

اور اب اُس کی پیشانی پر لعنت تقدیر کی عریانی بن کر کندہ تھی۔ لیکن وہ لعنت تو نافرمانی کی کوکھ سے جنمی تھی۔ احکام سے روگردانی ہوئی تھی۔

لیکن وہ تو نافرمانی کا ارتکاب کرنے کی جرأت بھی نہیں رکھتی تھی۔ کیا وہ اپنے مقام سے گر گئی تھی؟

''اگر نہیں......تو پھر وہ کیوں دھتکار دی گئی تھی......جنم دینے والی نے اپنی محبتوں کے سبز آسمان اُس کے سر سے کیوں کھینچ لیے تھے۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

کیا ماں نے اُسے اپنی روح سے توڑ کر بے دخل کر دیا تھا۔

''ماں......؟'' فروا نے بے ساختہ اپنی جنم داتا کو پکارا۔

انہوں نے بے ساختہ پلکیں اُٹھا کر اُسے دیکھا۔ آنسوؤں کی ایک لکیر اُن کے گالوں پر نشان چھوڑ گئی۔ وہ جو اُن کی مٹی میں شامل تھی۔ اُن کے ذرے ذرے میں کوکتی تھی۔ اس وقت اُن کو ایک بجھا ہوا تارہ لگی' جو اپنی شباہت کھو گیا تھا۔ غم و غصہ پھر سے انہیں زنجیر پا کر گیا۔

نور بیگم کی آنکھوں سے چھلکتا غصہ فروا کو پھر سے ریزہ ریزہ کر گیا۔

''ماں......تمہاری نظر کی بے اعتباری اور بیگانگیت مجھے جہنم کی آخری تہہ میں لے جائے گی۔ میرا وجود وحشت کی اکائی بن گیا ہے۔ بات نصیب کی ہے۔ میں تم سے نافرمانی کروں' اِس سے پہلے مر جاؤں پلیز......تم اِس لعنت کو میری پیشانی پر چسپاں مت ہونے دینا...... جو میرے نصیب کی بارشوں کو سوکھا کر دے۔'' وہ بے اختیار اُن کا ہاتھ تھام کر اُن کے کندھے میں منہ چھپانے لگی۔

لیکن وہ ہنوز پتھر بنی رہیں......اور بے ساختہ تھوڑا پیچھے کھسک گئیں۔ فروا کانپ کر رہ گئی۔ ماں کے وجود کی مخصوص خوشبو کہیں کھو رہی تھی۔ فروا کو لگا......وہ اپنے حواس بھی کھو دے گی۔ اُس کے ہر مسام سے پسینہ پھوٹ پڑا۔

''ماں......''

فروا کے لبوں نے مبہم سی سرگوشی کی۔ جو کائنات کے ایک کونے سے نکل کر دوسرے کونے تک ایک دلدوز چیخ بن کر پھیل گئی۔

زرمینے نے تاسف سے انہیں دیکھا۔ اور فروا کی حالتِ زار کو بھی......!

درد اپنی حد سے نکل گیا تھا۔ وہ اضطرابی انداز میں ہاتھوں کی نازک انگلیوں کو چٹخانے لگی۔

دفعتاً فروا کا سیل فون پھر سے گنگنا اٹھا۔ لیکن وہ کسی ایسی دنیا کے سفر میں تھی۔ جہاں حواس مخمل کی سیاہ پوٹلی میں باندھ کر وہ جنگل کے بیچوں بیچ تنہا کھڑے اُس اندھے کنوئیں میں گروی رکھ آئی تھی۔ جس پر سیاہ ناگ کا پہرہ تھا۔

زرمینے کا صبر رخصت ہو چلا تھا۔

''Pick Up The Phone Damn it۔'' اُس نے فروا کو کندھے سے پکڑ کر جھنجھوڑ ڈالا۔

فروا نے فون پر ایک بجھی سی نظر ڈالی۔ اسکرین پر بلنک ہونے والا نمبر پریشے کا تھا۔ اُس نے خاموشی سے فون زرمینے کی طرف بڑھا دیا۔ تو آن کا آپشن دیتے ہوئے اُس نے ایک تیز نگاہ نور بیگم پر ڈالی۔ جسے انہوں نے ایک لمحے کو بھی درخورِ اعتنا نہیں جانا۔

''ہیلو پری......''

''زرمینے......!''

دوسری طرف سے پریشے کی آواز آئی۔

www.urdusoftbooks.com

''ہاں پری...... زرمینے بول رہی ہوں...... فروا تھک گئی تھی۔ اُس کی آنکھ لگ گئی ہے۔'' اُس نے فوری بہانہ گھڑا۔

''اُس کا فون میرے پاس ہے۔''

''اچھا...... اُسے بتا دینا...... تیمور کا آپریشن کامیاب ہو گیا ہے...... شکر اللہ کا اب وہ خطرے سے باہر ہے۔'' پریشے کی آواز جذبات سے کانپ رہی تھی۔

''اوہ...... تھینکس گاڈ......''

زرمینے کے حلق سے بے اختیار ایک گہری سانس برآمد ہوئی۔

''ہاں اللہ کا بڑا کرم ہوا ہے...... شکر ہے...... اماں کی دعائیں رد نہیں گئیں۔'' پریشے کا مطمئن انداز زرمینے کو بھی پُرسکون کر گیا۔

''تم لوگ کہاں تک پہنچے ہو؟'' دفعتاً اُسے یاد آیا تو استفسار کیا۔

''ہم بس پہنچنے ہی والے ہیں...... دس پندرہ منٹ تک۔'' زرمینے نے فروا کو بغور دیکھتے ہوئے بتایا۔

''اوکے...... پھر ملتے ہیں۔''

پری نے فون بند کرتے ہوئے محبت سے کہا۔ نور بیگم بغور اُن کی گفتگو سن رہی تھیں۔ لیکن ناراضگی کا واضح اظہار کرتے ہوئے زرمینے سے ہم کلام نہیں ہوئیں۔

اور...... فروا کی لاتعلقی بھی ہنوز تھی۔ جیسے وہ اُسی دائرے کے سفر میں ہو...... اُس کی نظر اپنے پیروں سے گویا چپک کر رہ گئی تھی۔

پر...... جن سے بھنور باندھ دیے گئے تھے۔
ایک مہر تھی جو تلووں پر ثبت کر دی گئی تھی۔
کہ اب اُسے سفر میں رہنا ہوگا...... سفر در سفر......
بھنور کے سفر کا لامتناہی سلسلہ تھا...... اور...... اور وحشتوں کا جنوں خیز رقص......!

''خدایا...... اس معصوم لڑکی کے بے پایاں جذبوں کے عوض اُس کی زمین کا سر سبز آسمان ہمیشہ ہرا رکھنا...... مالک بے شک تو بڑا نوازنے والا ہے۔'' زرمینے نے فروا کے ساکت بت کو دیکھتے ہوئے دل کی گہرائیوں سے دعا کی۔

''بیگم صاحب......! گاڑی اسپتال کی طرف موڑلوں' یا سیدو شریف جانا ہے؟'' مصروف شاہراہ پر انہماک سے ڈرائیو کرتے ہوئے ڈرائیور نے گاڑی کا سکوت توڑا۔

''DHQ چلو۔'' نور بیگم کا مختصر جواب ماحول کی سرد مہری میں اضافہ کر گیا۔

تیمور کو روم میں شفٹ کیے بارہ گھنٹے ہونے کو آئے تھے۔ وہ اب مکمل طور پر ہوش میں تھا۔ لیکن ڈاکٹر نے اُسے زیادہ بات چیت کرنے سے منع کیا تھا۔

وہ موت کی دیواروں کو ہاتھ لگا کر لوٹا تھا۔

اُس کا دماغ ابھی بھی ماؤف تھا۔ اُس نے موت کو اپنے اتنے قریب دیکھا تھا کہ اپنا زندہ بچ جانا کسی معجزے سے کم نہیں لگ رہا تھا۔ اُسے یاد آیا کہ موت کی وادیوں میں اترنے سے پہلے اُس نے صرف ایک

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

ہی انسان کے بارے میں سوچا تھا۔ اور وہ تھے اُس کے بابا...... بے ہوشی کے سفر میں حواس کھونے سے پہلے اُس کے لبوں پر صرف ایک نام تھا۔

''بابا......!''

اور اب جب وہ ہوش کی دنیا میں واپس آیا تھا۔ اپنوں کے بیچ تب بھی اُس کے لبوں پر وہی نام تھا۔

''بابا......!''

''بابا......!'' اُس نے زیرِ لب دہرایا۔

''بابا کی جان......!'' ایک پُر حرارت شناسا لمس اُس نے اپنے ماتھے پر محسوس کیا۔

کیا اُس کی سرگوشی میں اتنی طاقت تھی؟

اُس نے مندی مندی آنکھوں سے دیکھا۔ اردگرد اپنوں کا جھمگھٹا تھا' ہر چہرہ شناسا' ہر چہرہ محبوب' اماں...... بابا' معید...... پریشے...... بی بی جان...... آغا جان...... سب اپنے ہی تو تھے۔ جن کے چہرے پر تفکر تھا اور آنکھوں میں محبت کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر......!

''تیمور...... میرے بیٹے! زرین گل اُسے ہوش میں دیکھ کر پاگلوں کی طرح دیوانگی سے آگے بڑھیں۔ اور اُس کی پیشانی پر اپنے ہونٹ رکھ دیئے' پریشے انہیں سہارا دینے کے لیے تیزی سے آگے بڑھیں اور دھیرے سے اُن کی پیٹھ سہلاتے ہوئے کان میں سرگوشی کی۔

''اماں...... تیمور کے سامنے آپ نے بالکل نہیں رونا...... ڈاکٹر نے اُسے ہر طرح کے اسٹریس سے دور رکھنے کا کہا ہے۔''

پریشے کی سرگوشی میں حد درجہ تنبیہ تھی۔ زرین گل نے بے بسی سے آدم خان کی طرف دیکھا' انہوں نے سر ہلا کر جیسے پریشے کی تائید کی۔ زرین گل نے بمشکل خود کو کمپوز کیا۔

''تیمورے...... میرے بچے...... کیسا ہے تُو...... ٹھیک ہے ناں؟'' وہ گلوگیر لہجے میں بولیں۔ اور ہاتھوں کے پیالے میں اُس کا زرد چہرہ بھر لیا۔ وہ اُن کا لاڈلا تھا۔ اُن کے دل کے دھڑکنے کا سبب تھا۔ اُن کے ہاتھوں کی لرزش تیمور خان آفریدی کو یہ واضح کر رہی تھی کہ وہ اُس کی ذات سے جڑا کوئی خسارہ سہنے کی متحمل نہ تھیں۔

''اماں......! میں بالکل ٹھیک ہوں...... جس کے ساتھ آپ جیسی محبوب ماں کی دعائیں ہوں اُسے کچھ ہو سکتا ہے بھلا......؟''

متورم آنکھوں اور بوجھل پلکوں کے ساتھ وہ نقاہت زدہ لہجے میں بولا۔

آدم خان عالمِ تحیر میں تھے...... ذرا ذرا سی بات پر واویلا مچا دینے والا اُن کا لااُبالی سا تیمور اتنا بڑا کب ہو گیا تھا کہ اِس درجہ Critical Condition میں بھی اُسے اپنی بجائے ماں کی فکر تھی۔

ماحول میں ایک دم سے گھمبیرتا بڑھ گئی تھی۔

زرین گل کی طبیعت اب قدرے بہتر تھی' کچھ گھنٹے پہلے جب انہیں ڈسچارج کیا گیا تو پریشے نے ہر ممکن کوشش کی کہ وہ انہیں گھر بھجوا دے' لیکن وہ ایک لمحے کے لیے بھی تیمور سے جدا ہونے کو تیار نہ تھیں۔

آدم خان نے بھی اُن کی ضد کے آگے ہتھیار ڈال دیے۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

بی بی جان بھی مغموم چہرہ لیے تیمور کی پٹی سے لگی بیٹھی تھیں۔ جبکہ آغا جان قریب پڑی کرسی پر بالکل خاموش کسی گہری سوچ میں گم تھے۔ اُن کی خاموشی اُن کے حد درجہ اضطراب کی واضح غماز تھی۔

گھر کے دیگر افراد کی طرح اُن کے من میں بھی سوالوں کا جوار بھاٹا تھا۔ لیکن صورتِ حال کی سنگینی انہیں فی الوقت مہر بہ لب رہنے پر مجبور کر رہی تھی۔ وہ چھوٹے بھائی کے مزاج کی گہرائی اور گیرائی سے آشنا تھے۔ آدم خان انہیں کس قدر مان دیتے تھے یہ کسی سے ڈھکا چھپا نہ تھا۔ سو وہ اپنی زندگی کا کوئی بھی پہلو اُن سے مخفی نہیں رکھ سکتے تھے۔

اب انہیں صرف مناسب وقت کا انتظار تھا کہ جب وہ آدم خان سے اِس گھر پر برپا ہونے والی قیامت کا سبب جان سکیں۔

عمرہ کی ادائیگی کے بعد وہ نہایت خوش اور مطمئن سے گھر لوٹ رہے تھے پاکستان واپس آنے تک اُن کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ یہاں ایک دلدوز خبر اُن کی منتظر ہوگی۔

ایئرپورٹ پر انہیں ریسیو کرنے کے لیے صرف معید خان کھڑا تھا۔

''کیا کہیں کچھ غلط ہوا ہے؟'' بی بی جان نے گھبرا کر سوچا اُن کا حساس دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔

آغا خان کے لیے بھی گھر کے باقی افراد کی غیر موجودگی انتہائی غیر متوقع تھی' ورنہ تو یہاں دوست احباب اور رشتہ داروں کا ایسا جم غفیر ہوتا کہ تل دھرنے کی جگہ نہ ہوتی۔ وہ بھی معید خان کو تنہا دیکھ کر ٹھٹک گئے تھے۔

''معید ......!'' بی بی تیزی سے معید خان کی طرف لپکیں۔

''بی بی جان ...... میں نے آپ کو بہت مس کیا۔ یہاں پل پل مجھے آپ کی ضرورت رہی۔'' وہ یوں بے اختیاری میں اُن کے گلے لگا تو اُس کی آواز میں آنسوؤں کی گھلی نمی بی بی جان کے ساتھ ساتھ آغا جان کو بھی بے کل کر گئی۔

''معید ...... آدم خان اور زرین گل کہاں ہیں؟'' بی بی جان اُسے خود سے الگ کرتے ہوئے تیزی سے بولیں۔

آغا جان بھی استفہامیہ نظروں سے اُسے دیکھنے لگے' تو وہ بے اختیار نظریں چرا گیا۔

''تم ہم سے کچھ چھپا رہا ہے بچہ؟'' بی بی جان نے ٹٹولتی ہوئی نظروں سے بغور بیٹے کو دیکھا۔ اُس کی غیر معمولی سنجیدگی انہیں ہولائے دے رہی تھی۔

''آپ میرے ساتھ آئیں ...... میں آپ کو رستے میں سب بتاتا ہوں۔'' وہ پارکنگ کی طرف بڑھا تو آغا جان اور بی بی جان نے بھی اُس کی تقلید میں قدم آگے بڑھائے' اور گاڑی میں بیٹھتے ہی اُس نے من وعن سارا واقعہ اُن کے گوش گزار کر دیا۔

بی بی جان نے دہل کر خوفزدہ نظروں سے اُس کی طرف دیکھا۔

''بچہ ...... پاگل تو نہیں ہوگیا ...... یہ کیا کہہ رہا ہے تُو؟'' بی بی جان نے دل پر ہاتھ رکھ کر جیسے خود کو سہارا دینے کی سعی کی۔

آغا جان بھی شاک سے بے یقینی سے اُسے دیکھ رہے تھے۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

''جی بی بی جان...... تیمور اسپتال میں ہے...... لیکن اب اُس کی حالت خطرے سے باہر ہے۔'' وہ سنجیدگی سے بتارہا تھا۔

زرین گل' بی بی جان اور آغا جان کو اپنے سامنے دیکھ کر بکھر بکھر گئیں۔

''دیکھیں ناں' بی بی جان ہمارے تیمور کے ساتھ یہ کیا ہوگیا؟'' وہ اُن کے گلے لگ کر یوں آبدیدہ ہوئیں' کہ بی بی جان انہیں سنبھالتے ہوئے خود بھی رو دیں۔

اور اب تیمور کے ہوش میں آنے کے بعد سب کی جان میں جان آئی۔ وہ بھی سب کی موجودگی میں تقویت محسوس کرر ہا تھا۔لیکن شدید کمزوری کے باعث بار بار نڈھال سا ہوکر آنکھیں موند لیتا۔

''بابا......!'' اُس نے دھیرے سے آدم خان کو پکارا' جو اُس کے بالکل قریب کھڑے تھے۔اُس کی نحیف آواز پر فوراً متوجہ ہوئے۔

''بابا...... مجھے آپ سے بہت سی باتیں کرنی ہیں۔'' پپڑی زدہ لبوں پر زبان پھیرتے ہوئے وہ اُن کی طرف دیکھ کر بولا۔

آدم خان نے دیکھا' اُس کی آنکھوں میں اَن گنت سوال تھے۔

اب اُس سے کچھ بھی چھپانا بے کار تھا...... اور نہ ہی وہ اب ایسا کوئی ارادہ رکھتے تھے۔

''مجھے بھی اپنے بیٹے سے بہت سی باتیں کرنی ہیں...... کیونکہ مجھے لگتا ہے کہ اب میرا بیٹا بہت سمجھدار ہوگیا ہے۔بہت میچور...... کہ بابا کو اپنے دل کی ہر بات اپنے بیٹے سے کرنی چاہیے۔'' انہوں نے محبت سے اُس کا ہاتھ تھامتے ہوئے اُس کی ذات کو جو مان اور یقین دیا وہ تیمور خان آفریدی کو اِس نازک حالت میں بھی اندر تک پُرسکون کر گیا۔

گویا بابا اُس سے وعدہ کرر ہے تھے کہ وہ اُس کی ساری اُلجھی ہوئی گتھیوں کو سلجھادیں گے۔

''خاک سمجھدار ہوگیا ہے...... ویسے کا ویسا ہی ہے...... بدھو' نکما' چھچھورا کہیں کا...... مجھے لگتا ہے بابا کہ یہ صرف مجھے تنگ کرنے کے لیے پیدا ہوا ہے...... اتنا پریشان کیا ہے اِس نے...... دل چاہ رہا ہے کس کے دو تھپڑ لگادوں...... ہونہہ......!'' پریشے اُسے گھورتے ہوئے مصنوعی غصے سے چڑ کر بولی۔تو ماحول کی کثافت قدرے کم ہوگئی۔

سب کے لبوں پر مسکراہٹ رینگ گئی۔

''تو اِس نکمے بدھو کے لیے رو رو کر آنکھیں اتنی سُجائی ہوئی ہیں؟'' تیمور متورم لہجے میں دھیرے سے بولا۔

''میرا چڑ گنجو...... نکما......!'' پری اُس کے قریب آکر ماتھے کو چوم کر بولی۔

''یہ تم دونوں نے ہاسپٹل میں بھی لڑنا شروع کر دیا۔'' زرین گل نے یوں اُن دونوں کو ڈانٹا' جیسے اُن کے ساتھ ساتھ خود کو بھی یہ باور کروار ہی ہوں کہ اب پھر سب پہلے سا ہے۔

''ہاں اماں...... اور کیا......!'' پری نے بازو چڑھائے۔

''کیوں تیمورے؟'' محبت سے بھائی کو دیکھتے ہوئے شامل گفتگو کیا۔

''ہاں پری...... میری پری...... سچ مچ کی پری......'' کمزور سی آواز میں وہ اتنی آہستگی سے بولا کہ

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

پریشے بمشکل سن پائی۔

اُس نے نڈھال سا ہو کر آنکھیں موند لیں۔ شاید وہ تھک گیا تھا زرین گل بے قراری سے اُس کی طرف بڑھیں، لیکن پری نے فوراً آگے بڑھ کر اماں کو روک دیا۔

''وہ اب ٹھیک ہے اماں...... اِسے ریسٹ کی ضرورت ہے۔ آپ کے بار بار کے ایموشنل ری ایکشن سے وہ مینٹلی ڈسٹرب ہو جائے گا۔ پلیز آپ خود کو پُرسکون رکھیں۔'' پری نے ماں کے شانے پر سر رکھ کر سرگوشی کے سے انداز میں کہا۔

''دیکھا آپ نے بی بی جان...... یہ پری بار بار مجھے ٹوکتی ہے...... اب یہ کل کے بچے ہم سے زیادہ سمجھدار ہو گئے بھئی۔'' وہ شاکی نظروں سے پریشے کو دیکھ کر بی بی جان سے بولیں۔

''ہمارا پریشے بہت سمجھدار ہے زرین گل...... تم خواہ مخواہ سے حساس ہو رہا ہے۔'' بی بی جان نے ناصحانہ انداز میں کہتے ہوئے زرین گل کا ہاتھ محبت سے تھپتھپایا۔

''I Am Sorry Ama Doesn't Means To Hurt You۔'' پریشے گھبرا کر بولی۔

''ڈاکٹر صاحب انجیلی یہ Advice کر رہے تھے کہ تیمور کو ہم Peace Full) Environment) میں رکھیں گے، تو وہ جلدی ریکور کرے گا۔ بس اسی لیے میں......!'' اُس نے بات ادھوری چھوڑ کر اماں کو دیکھا، گویا اُن کی ناراضگی جانچنا چاہ رہی ہو۔

''تم پریشان مت ہو بیٹا...... پتہ نہیں کیوں میرا Temperament ایسا ہو رہا ہے۔'' زرین گل بے چارگی سے بولیں۔

''I Can Understand Ama...... آپ پلیز ریلیکس ہو جائیں۔'' پریشے نے محبت سے انہیں دیکھتے ہوئے گویا تسلی دی۔

''آدم خان...... ہمارا بہو کچھ زیادہ جھگڑالو نہیں ہو گیا؟'' آغا جان کی بھاری آواز کمرے میں گونجی، تو جہاں زرین گل جھینپ سی گئیں وہاں آدم خان بھی خفت زدہ ہو گئے۔

پریشے کی دبی دبی ہنسی پر بی بی جان کے لبوں پر بھی مسکراہٹ دوڑ گئی۔ دروازہ پر دستک کی آواز کے ساتھ ہی سفید یونیفارم میں ہاتھ میں فائلز پکڑے نرس اندر داخل ہوئی۔

''پیشنٹ کی میڈیسن کا ٹائم ہو رہا ہے...... اور پلیز آپ لوگ اب انہیں ریسٹ کرنے دیں...... یہ رَش کم کریں۔'' نرس نے تلے لہجے میں سنجیدگی سے تنبیہ کرتی ہوئی میڈیسن چارٹ دیکھنے لگی۔

''جی بابا...... اب ہمیں تیمور کو ریسٹ کرنے دینا ہو گا......'' پری نے بھی نرس کی تائید کی۔

''آدم خان، آپ بہت ریسٹ لیس ہیں۔ پلیز آپ بی بی جان اور آغا جان کے ساتھ گھر چلے جائیں۔ یہاں میں اور پری رُکیں گے اور پھر معید بھی تو ہے۔'' آدم خان کی سرخ آنکھیں اور زرد پڑتے چہرے کو دیکھ کر زرین گل متفکر سی بولیں۔

''زرین! تم بھی ہمارے ساتھ چلے گا...... ابھی ابھی بیماری سے اٹھا ہے۔'' بی بی جان تحکم سے بولیں۔ تو زرین گل بے بسی سے انہیں دیکھنے لگی۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

''ہاں زرین! یہاں خانم ہے پری کے ساتھ...... تمہیں بھی گھر چلنا چاہیے' کہیں تمہاری طبیعت پھر سے نہ بگڑ جائے ......'' آدم خان نے انہیں سمجھاتے ہوئے کہا تو وہ مزید مزاحمت نہ کرسکیں۔

نرمالہ ارپنا دیدی کو بائے کہنے کے بعد سیدھی معیز کے پاس واپس گئی۔

خلافِ توقع آج روشن اور چمکتا ہوا دن تھا۔ گلاس ونڈو سے روشنی کی کرنیں چھنک چھنک کر اندر آرہی تھیں۔ اور وہ...... جس کے ہر ہر عضو میں نرمالہ کا دل دھڑکتا تھا۔ نیم خوابیدہ سی حالت میں بیڈ پر پڑا تھا۔

اُس کی پلکیں جڑی ہوئی تھیں...... اور چہرے پر جابجا نیلے اور گہرے جامنی نشان تھے اور اُس کے لب یوں سوکھے ہوئے تھے گویا دنیا جہاں کی پیاس اُن لبوں پر ٹھہر گئی ہو...... ایک لمحے کے لیے نرمالہ کے دل کو انوکھی سی خواہش نے جنم لیا...... کہ ان لبوں کو یوں سیراب کرے کہ وہ دنیا کے ہر ذائقے کی تاثیر بھول جائیں۔

وہ دیوانہ وار اُسے تکنے لگی۔

اُس کا ہاتھ بے اختیار آگے بڑھا اور اُس کی انگلی معیز کے خشک لبوں تک آن رُکی۔

کوئی طوفان تھا جو اُس کے اندر اودھم مچائے ہوئے تھا۔ وہ گردو مافیہا سے بے نیاز ہورہی تھی۔

اُس کی انگلی نے معیز کے لمس کو پوروں کے توسط سے نرمالہ کی روح تک یوں پہنچایا کہ وہ ہولے ہولے کانپنے لگی' اُسے لگا اِس لمس میں اتنی شدتیں ہیں۔ اتنی حدتیں ہیں کہ وہ اُسے پگھلا کر سونے سے تانبا بنادیں گی۔

تانبے کی نرمالہ نے پل کی پل پلکیں موندلیں...... لیکن وہ لمس تو جیسے وہیں ٹھہر گیا تھا...... سکوتِ شب کے بےانت اندھیارے کی طرح......!

بند آنکھوں سے وہ معیز کے چہرے کی طرف جھکی' تو اُس کے ریشمی بال بکھر گئے' سانسوں کا ردھم بکھر گیا۔

''آہ......!'' دفعتاً معیز کے منہ سے اک کراہ نکلی۔

اُس کے چہرے پر جھکی نرمالہ یوں رُکی کہ صدیاں بھی اُس کے ساتھ سانس روکے جیسے تھم گئیں۔

''تم میرے ہونٹوں پر ہمہ وقت رہنے والی دعا ہو...... نرمل سی...... کومل سی...... پاکیزہ سی......'' اُس کے کانوں میں ایک سرگوشی گونجی تھی۔

ایسا ہی کوئی جذباتی سا لمحہ تھا' جب ڈوبتی شام اور اترتی رات میں سینٹرل لندن کے ایک پارک میں وہ کمزور پڑا تھا...... اُس کے نمکین حسن کی شدتوں کے سامنے بے اختیار ہوا تھا...... لیکن اس سے پہلے کہ وہ خطا سرزد کرتا' وہ رک گیا تھا...... جانے کیوں وہ ٹھہر گیا تھا۔

نرمالہ کو یاد آیا...... اُس نے سرخ اسکارف گلے میں لے رکھا تھا' جب وہ اسکارف کھول کر اُس کے سر کو ڈھانپنے اُس کے سامنے اپنا سر جھکا گیا تھا۔

اور وہ ساکت ہوگئی تھی۔

نظروں میں کئی سوالوں کی شمعیں جل اٹھیں تھیں اور وہ پوچھ بھی بیٹھی۔

''رُک کیوں گئے معیز خان......''

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

''کوئی اپنے گھر میں چوری کرتا ہے۔'' وہ دوزانو بیٹھا اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے پوچھ رہا تھا۔

اور تب اُسے سے نرمالہ کچھ سمجھ نہ پائی تھی۔ وہ لندن کی آزاد فضاؤں کی باسی تھی۔ اور وہیں کی Born تھی۔ اُس کا کلچر معیز خان کی ویلیوز سے میچ نہیں کرتا تھا۔ لیکن اِس کے باوجود وہ وہاں کی لڑکیوں کے برعکس اپنے اندر حجاب رکھتی تھی۔ جبکہ معیز خان نے بھی کبھی اپنی حد سے تجاوز کرنے کا نہیں سوچا تھا۔

''تم سر سے پاؤں تک میری ہو۔'' وہ نرمالہ کا چہرہ ہاتھوں کے پیالے میں تھام کر بولا تھا۔

''لیکن یہ معیز خان کوئی اور ہے...... یہ نرمالہ بھی کوئی اور ہے...... یہاں سب چلتا ہے...... لیکن معیز اور نرمالہ یہاں کے نہیں ہیں...... اُن کی دنیا کوئی اور ہے۔'' وارفتگی سے تکتے ہوئے اُس نے کہا تھا' اور نرمالہ کو یاد آیا کہ کیسے آگے بڑھ کر اُس نے نرمالہ کی پیشانی کو چوم لیا تھا۔

اور اُس دن بھی اُسے کچھ سمجھ نہیں آئی تھی۔ بس وہ رو دی تھی۔ اور آج بھی اُسے کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ بس وہ رک گئی تھی۔ جیسے اُس دن اُس کا معیار ایک حد باندھ کر رک گیا تھا۔

اور وہ آج بھی اُس دن کی طرح رو دی تھی۔ ہاتھ بے اختیار گلے میں پڑے اسکارف کی طرف گیا۔ سیاہ اسکارف اُس نے سر پر اوڑھ لیا...... اور نظر بے ساختہ اُس کے چہرے پر ٹھہر گئی۔

نرمالہ کو لگا اُس کی نظر جیسے دھندلا گئی ہو...... وہ نیم جان سی ہو گئی۔

انگلی کی پور سے روح میں اترا معیز خان کا لمس اُس کے اندر رقص کرنے لگا' اُسے لگا جیسے سارا عالم رقص میں ہے...... معیز خان کی روح اُس کی روح سے ہم کلام ہو رہی ہو جیسے......!

وہ نڈھال سی ہو کر بیڈ کے قریب پڑے اسٹول پر بیٹھ گئی اور پیشانی معیز کے بیڈ سے ٹکا دیا۔

اُس پر عشق وارد ہو رہا تھا...... وہ سنبھل نہیں پا رہی تھی۔

''یہ کیا ہو رہا ہے مجھے؟'' اُس نے خوفزدہ ہو کر خود سے پوچھا۔

''وائے گرو...... یہ کیسا لفت رنگا عشق ہے۔'' اُس نے سر اٹھا کر دیوانگی سے معیز کو دیکھا۔ وہ اُسے ایک اونچے استھان پر نظر آیا۔

وہ تقدس سے اٹھی اور اُس کے ماتھے سے ایک مقدس بوسہ چرا لیا۔ اُس کی خوشبو اُس کے لمس سے معیز خان کسمسا گیا۔ اور دھیرے سے آنکھیں کھول دیں۔

وہ مکمل طور پر ہوش میں آ گیا تھا جیسے...... لیکن نرمالہ جیسے اپنے ہوش گنوا بیٹھی تھی معیز نے ایک گہری نگاہ اُس پر ڈالی...... وہ گریز پا کیوں ہو رہی تھی؟

''نرمالہ......'' اُس نے پکارا......

''میری جان...... مائی لو...... مائی لائف......'' اُس کے لہجے میں اتنی حلاوتیں تھیں کہ تانبے کی نرمالہ پھر سے کھرا سونا بن گئی اور اُس کے بازو سے سر ٹکا کر رو دی۔

''کتنا خوبصورت احساس ہے کہ ہوش میں آنے کے بعد سب سے پہلے تمہیں دیکھ رہا ہوں۔'' وہ دھیرے دھیرے بول رہا تھا۔ اُس کے لہجے سے نقاہت عیاں تھی۔

''اگر تمہیں کچھ ہو جاتا' تو میں تمہارے بغیر مر جاتی۔'' وہ اور شدت سے رو دی۔ معیز کا ہاتھ اُس کر سر

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

پر ٹھہر گیا۔
"کون لوگ تھے؟ جنہوں نے تمہاری یہ حالت کر دی؟ تمہاری تو کسی کے ساتھ کوئی دشمنی بھی نہیں ہے۔" وہ سخت غم زدہ تھی۔ خود کے لیے اُس کا تڑپنا' اُس کی شدتیں معیز خان کے دل کو اِس حالت میں بھی تقویت دینے لگیں۔
"اِس سے پہلے میں بھی یہی سمجھتا تھا کہ میری کسی کے ساتھ کوئی دشمنی نہیں تھی۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔ تو نرمالہ چونک کر اُس کی طرف دیکھنے لگی۔ اُسے رونا دھونا سب بھول گیا۔
"کیا مطلب؟ کون تھے وہ؟ تم انہیں جانتے تھے؟" وہ ایک سانس میں کئی سوال کر گئی۔
"کچھ پرانا حساب کتاب ہے...... جو میں جلد چکتا کر دوں گا۔" معیز کی نظروں میں کچھ گھنٹوں پہلے ہوئے حادثے کی فلم تیزی سے چلنے لگی' تو رگوں میں جیسے بارود دوڑ گیا' اشتعال اور غم سے اُس کی مٹھیاں بھینچ گئیں۔ نرمالہ نے خوفزدہ ہو کر اُس کے اتنے شدید ری ایکشن کو دیکھا۔
"تم ایسا کچھ نہیں کرو گے...... میں تمہیں کھونا نہیں چاہتی...... ہم پولیس کی مدد لیں گے...... میں تمہیں کچھ نہیں ہونے دوں گی...... کبھی نہیں؟"
"I Cant Live Without You۔" وہ تیز قطعی لہجے میں بولی۔ تو معیز خان کے غصے پر جیسے ٹھنڈی ٹھنڈی شبنم گرنے لگی۔
"پرامس می...... کہ تم مجھے کچھ نہیں ہونے دو گی؟" وہ چاہتوں سالبریز لہجہ میٹھی میٹھی شرارت لیے ہوئے تھا۔ نرمالہ بلش کر گئی' شفق کی سرخی اُس کے گالوں کے اطراف اتر گئی۔
"بولو ناں...... کچھ نہیں ہونے دو گی نا مجھے؟" اُس کا اصرار بڑھا تو نرمالہ نے پلکیں اُٹھا کر اُسے دیکھا۔
"ہاں کچھ نہیں ہونے دوں گی میں تمہیں...... تمہارے لیے آگ کے دریا بھی پار کر جاؤں گی۔" وہ یقین بھرے مضبوط لہجے میں بولی تو معیز خان ٹھٹک گیا۔
خوشگوار حیرت تھی یا کچھ اور...... رب جانے......!
"یہاں آؤ...... میرے پاس......" معیز نے اُسے اپنے قریب بیڈ پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔
"اتنی بدلی بدلی سی کیوں ہو؟" وہ جانچتی نظر سے بغور دیکھ کر بولا۔
"پتہ نہیں......" اُس کے قریب بیٹھ کر وہ کھوئی کھوئی سی بولی۔
"بس اب میں تمہارے ساتھ رہنا چاہتی ہوں...... ہر وقت ہر لمحہ......" بے بسی سی بے بسی تھی۔
ایسا برملا دل اظہار اُس کے مزاج کا خاصا نہ تھا۔ معیز پر حیرتوں کے کئی در وا ہو رہے تھے۔ ایک رات میں ایسا کیا ہو گیا تھا جو اُسے یہ جرأت اظہار بخش گیا تھا۔
"بے بی...... میری جان......" معیز نے اٹھنے کی کوشش کی...... لیکن پورا جسم پھوڑا بنا ہوا تھا۔ وہ درد سے تڑپ کر رہ گیا اور اُس کے منہ سے بے اختیار کراہیں نکل گئیں...... اُس کا سر ڈھلک کر گرنے کو تھا جب نرمالہ اُسے سہارا دینے کے لیے تیزی سے آگے بڑھی۔!
"معیز......" اُس نے فوراً اُسے اپنی بانہوں میں سمیٹ لیا۔ ہیڈ انجری کے باعث معیز کی آنکھوں تلے

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

اندھیرا چھا گیا۔ اور درد سے سانس جیسے اکھڑنے لگی۔

''Are You Alright؟'' نرمالہ تڑپی۔

''میں ابھی ڈاکٹر کو کال کرتی ہوں......'' وہ تیزی سے اٹھی۔ جب معیز نے زیرِلب اُسے کمزور آواز میں پکارا۔

''نرمالہ......Please Dont Go...... مجھے اکیلا مت چھوڑو۔'' اور نرمالہ جیسے اُس پکار سے وہیں ساکت ہوگئی۔

''لیکن تمہیں بہت درد ہو رہا ہے......'' وہ بے بسی سے بولی۔

''ڈاکٹر تمہیں پین کلر دے گا' تو تم کافی Better فیل کرو گے۔'' اُس کی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر وہ بولی۔

''تم ہی میری ڈاکٹر ہو...... میری مسیحا...... تم پاس رہوگی' تو سب درد ختم ہو جائے گا۔'' بند پلکوں سے وہ اتنی آہستگی سے بول رہا تھا کہ نرمالہ بمشکل سن پائی تھی۔

''تم اب مجھ سے شادی کرلو معیز......'' اُس کے منہ سے بے ساختگی میں اتنی غیر متوقع بات نکلی کہ معیز کی بند پلکیں فوراً کھل گئیں اور اُن میں ایک عالم کا تحیر ٹھہر گیا۔

''شادی......'' معیز نے زیرِلب دہرایا۔

نہ موقع محل' نہ وقت نہ سے' یہ کیسا پر پوزل تھا۔

وہ اتنے عرصے سے Relationship میں تھے' لیکن نرمالہ نے خود سے کبھی یوں پیش قدمی نہیں کی تھی۔ پھر اب......؟ معیز سوچوں کے دقیق سمندر میں غوطہ زن ہوا تو وہ پھر سے گویا ہوئی۔

''اب تمہارے بنا جیا نہیں جائے گا؟'' معیز خان بے حد مضبوط اعصاب کا مالک تھا لیکن شاید یہ لحہ حساسیت تھا کہ اُس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ اُس کے لیے دیوانگی کا دوسرا نام 'نرمالہ' تھا۔

وہ خود سے اعتراف کر رہی تھی کہ وہ اُس کی ہونا چاہتی ہے۔

وہ جو اُس کے ساتھ مبتلائے عشق تھی' اِس کے باوجود اُس کے ساتھ کسی بھی بندھن میں بندھنے سے اُلجھنے لگتی' گھبرانے لگتی' کئی تاویلیں گھڑتی' اور اب خود اُس کے ساتھ کی تمنائی تھی۔

وہ درد سے چور تھا نقاہت رگ وپے میں یوں اتری ہوئی تھی کہ اُس کے لیے آنکھیں کھولنا دشوار ہو رہا تھا اور اُسے خاموش دیکھ کر نرمالہ کی بے چینی بڑھ گئی تھی۔

''کچھ تو کہو...... خاموش کیوں ہو؟'' وہ اُس کی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر کہہ رہی تھی۔

معیز نے پوری طاقت صرف کر کے آنکھیں کھولنے کی کوشش کی' وہ وارفتگی سے اُسے ہی تک رہی تھی۔ عجب بے خودی کا عالم تھا۔

''میں ٹوٹا پڑا ہوا...... اور تمہیں شادی کی سوجھ رہی ہے۔'' لبوں پر اُمڈنے والی بے ساختہ مسکان کو دبا کر وہ مصنوعی خفگی سے بولا۔

''میں جانتی ہوں اسی لیے تو اب ایک پل کے لیے بھی تم سے دوری گوارہ نہیں۔'' وہ دھیرے سے خائف ہو کر بولی۔ اُس کے غصے سے تو وہ ہمیشہ ہی گھبرا جاتی تھی۔

اس کے Innocent Reaction پر معیز کی مسکراہٹ چھپ نہ سکی۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

''کیا بات فقط ایک حادثہ کی ہے؟ ترس کھا رہی ہو مجھ پر؟ بے چارہ اکیلا معیز؟'' وہ غالباً پہلے حساب بے باق کر رہا تھا۔

''ایسا کچھ نہیں ہے۔ ایسی باتوں سے Misunderstanding پیدا ہوتی ہے۔ Please Dont Say Like This۔'' وہ حسبِ عادت صفائیاں دے رہی تھی۔

اُس کی خواہ مخواہ کی (Explantaon) پر معیز کا دل محبت سے بھر گیا۔ وہ ایسی ہی سادہ مزاج تھی۔

''پاگل تمہاری Leg Pulling کر رہا تھا۔ اور تم سچ میں پریشان ہوگئی۔'' وہ مسکراہٹ لبوں سے چپکائے بند آنکھوں سے گویا ہوا۔

''ایسی حالت میں بھی تمہیں چین نہیں...... مجھے یوں ستا کر کیا ملتا ہے تمہیں۔'' نرمالہ کو سچ مچ کا غصہ آ گیا۔

''میری ایسی کنڈیشن میں تمہیں بھی تو شادی کا شوق چڑھ گیا ہے۔'' معیز نے اُس کے ہاتھ سے اپنی انگلیوں مس کیں۔

''تو کیا تم مجھ سے شادی نہیں کرنا چاہتے؟'' وہ مایوسی اور دلگرفتگی سے بولی۔

''میں تمہارے لیے تمہاری ہونا چاہتی ہوں۔'' وہ جیسے اُسے باور کروا رہی تھی۔

اور معیز خان کو لگا پوری کائنات کے جگنو اُس کے اردگرد محوِ رقص ہیں۔

''اور میں...... میں اپنے لیے تمہارا ہونا چاہتا ہوں۔'' معیز کا لہجہ بوجھل اور گھمبیر تھا۔

''کہیں میں خوشی سے مر نہ جاؤں۔'' معیز کی آنکھوں میں چاہت الوہی روپ میں تھی۔

''I Love You So Much۔'' نرمالہ اُس کی پیشانی سے ماتھا ٹکا کر خوشی سے لرزتی آواز میں بولی۔

''کب میری بنوگی...... کب آؤں تمہیں اپنا بنانے کے لیے...... بولو...... کب کروگی مجھ سے شادی؟'' معیز خان دھیمے مضبوط لہجے میں مستفسر تھا۔

''ابھی...... آج...... اسی وقت......'' نرمالہ عجب بے خودگی سے بولی تو معیز خان ششدر رہ گیا۔

سب کچھ اتنا غیر متوقع کیوں ہو رہا تھا۔ وہ دنگ تھا۔

''وہاٹ...... آج؟'' اُس کے لبوں سے بے اختیار نکلا۔ غالباً نرمالہ کا پاگل پن اُسے اچنبھے میں ڈالے ہوئے تھا۔

دفعتاً نرمالہ کے فون کی بیپ بجی۔ تو وہ معیز کو حیرتوں کے منظر میں ڈوبا چھوڑ کر فون کی طرف لپکی۔ اسکرین پر چمکنے والا نمبر باؤ جی کا تھا۔

''باؤ جی۔'' وہ زیرِ لب بڑبڑائی۔ ایک طوفان اُس کا منتظر تھا۔ اُس نے یس کا آپشن دبایا۔

''کہاں ہو تم کل رات سے؟'' باؤ جی کی دھاڑتی ہوئی آواز اُس کے کانوں سے ٹکرائی۔ لیکن اِس سے پہلے کہ وہ کوئی جواب دیتی کسی نے اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

''ہیلو مس نرمالہ......!''

(جاری ہے)

www.urdusoftbooks.com

سرگودھا سے ارسال کردہ جیتی جاگتی تحریر

سنگدل

ایک سنگدل عورت کی کتھا...... جو اپنے
آپ کو زمین پر خدا سمجھتی تھی......

حامد شکور

زندگی...... کتنی حسین ہے۔ وقت انسان کا دشمن بھی ہے اور دوست بھی' میں اپنے گھر کے صحن میں کھڑی تھی۔ جب میری نظریں نئی کوٹھی پر پڑیں کچھ سوچ کر مسکرا اٹھی۔ پاس کھڑی بیٹی نے پوچھا۔

"مما...... آپ کیوں مسکرائیں؟" میں اُسے کیسے بتاتی جس گھر کے صحن میں تم کھڑی ہو یہ مجھے ایسے ہی نہیں مل گیا' میں نے بہت کٹھن وقت کاٹ کر اس کو پایا ہے پھر ماضی کی زندگی کا ایک ایک لمحہ مجھے یاد آ گیا۔ جب میرے پاس پھوٹی کوڑی نہ تھی اور ہر ایک نے مجھے حقارت سے ٹھکرا دیا تھا۔ یہی نہیں جن کو اپنا جانتی تھی انہوں نے بھی مجھ کو دھکے دے کر گھر سے نکال دیا تھا۔ ابھی چھوٹی سی تھی کہ باپ کا سایہ نہ رہا۔ ماں نے بڑی کٹھنائیوں سے گزر کر پالا۔ میری بہنوں اور بھائیوں کی قسمت اچھی تھی کہ سب سے پہلے ایک بہن کی شادی ایسے لڑکے سے ہوئی جو خود اور اس کی ساری فیملی برسوں سے 'فارن نیشنل' تھے۔ وہ بیاہ کر لندن چلی گئی پھر اسی بہن کے توسط سے ایک بہن اور ایک بھائی کی شادیاں بھی برطانیہ کی 'نیشنل فیملیز' میں ہوگئی اور لندن جا بسے' میں امی کے پاس رہ گئی۔

بھائی لندن سے خرچہ بھجواتے تھے اس طرح ہماری غربت خوش حالی میں بدلنے لگی۔ تایا کا مکان ہمارے گھر سے قریب تھا ان کی دو بیٹیاں تھیں اور دو بیٹے تھے جب آخری بیٹے تقی کی شادی ہونے لگی تو تائی نے کہا۔

"وہ اپنی بھانجی سے اس کا رشتہ کریں گی۔"

اُس لڑکی کا نام سمیرا تھا کافی تیز طرار تھی تبھی تقی کو پسند نہ تھی۔ اس نے ماں کو منع کر دیا کہ آپ کی بھانجی سے شادی ہرگز نہ کروں گا' ہمیشہ کے لیے آپ یہ خیال دل سے نکال دیں۔ ماں کے دل کو بیٹے کی اس بات سے ٹھیس پہنچی اس لیے زیادہ دکھی تب ہوئیں جب تقی نے میرا نام لیا کہ شادی کروں گا تو صرف شفاء سے ورنہ نہیں کروں گا۔ میں تقی کے چچا کی بیٹی تھی اور وہ بچپن سے مجھے پسند کرتے تھے جبکہ تائی کو مجھ سے چڑ تھی۔ وہ جب مجھ کو دیکھتی تھیں ناک بھوں چڑھا لیتی تھیں۔ چونکہ میرا رنگ سانولا تھا کالی کلوٹی کہہ کر

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

حقارت سے منہ پھیر لیا کرتی تھیں۔ ان کے اس رویے سے مجھے بہت تکلیف ہوتی تقی نے میری خاطر بہت اصرار کیا تو تائی سمجھیں کہ میرا ان کے صاحبزادے کے ساتھ کوئی چکر ہے۔

تبھی وہ بھی ضد پر اڑ گئیں کہ چاہے میری بھانجی سے شادی نہ کرو جس کسی سے کہو گے کرا دوں گی مگر شفاء سے ہرگز نہیں۔ اس کے خیال کو دل سے نکالنا ہوگا۔ تقی بھی ضد کے پکے تھے ہٹ دھرمی سے کام لیا اور گھر چھوڑنے پر تیار ہو گئے تب اللہ تعالیٰ کی مرضی شامل ہو گئی اور کسی طور پر میری شادی تقی سے ہی ہو گئی۔ تاہم میرا اس معاملے میں کوئی عمل دخل نہ تھا۔

یہ میرے سسرال والوں کی غلط فہمی تھی لیکن اس غلطی کی سزا انہوں نے یوں دی کہ دل سے کسی نے بھی مجھے قبول نہ کیا۔

کوئی ایک فرد بھی ہماری شادی پر خوش اور راضی نہ تھا۔ سوائے تایا کے...... ہمت تھی کہ وہی مجھے بہو بنا کر لے آئے اور بیٹے کا انہوں نے پورا پورا ساتھ دیا۔ اس پر ستم یہ کہ مجھ کو کم جہیز کے طعنے ملتے' ظاہر ہے کہ میری ماں کے پاس اتنا سرمایہ نہ تھا کہ بھاری جہیز دے کر رخصت کرتیں۔ تائی کی اور بھی ایک بہو تھی ان کے ساتھ برابر کا سلوک کرتی تھیں مگر مجھ سے اللہ واسطے کا بیر پال لیا۔ اذیت دینے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتی تھیں۔ سارا دن جادو ٹونے کرنے والے عاملوں کے پیچھے پھرتیں کہ میرے بیٹوں کے دماغ میرے قابو میں رہیں جیسا کہوں ویسا کریں اور بیویوں کی ایک نہ سنیں۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

وہ بیٹوں کو ان کی بیویوں کے ساتھ کھانا کھاتے نہ دیکھ سکتی تھیں کسی نہ کسی بہانے کوئی کام کہہ کر اٹھا دیتیں۔ وہ مجھ سے زیادہ کام لیتیں۔ بھاری کام مجھ سے کراتیں سارا دن کام کرتے کرتے تھک جاتی ذرا دیر کو بیٹھ جاتی تو کہتیں۔

''جا شفو...... کھیتوں سے جانوروں کا چارہ کاٹ کر لا۔ صبح سے جانور بھوکے ہیں۔'' وہ مجھے شفو کے نام سے یا کالی کلوٹی کے نام سے پکارتیں۔ وہ بہت سنگدل تھیں کسی پل چین نہ لینے دیتیں۔ میں راتوں کو اٹھ کر روتی۔ دراصل یہ وہ سزا تھی کہ تقی نے مجھ سے شادی کیوں کی؟ نماز پڑھ کر دعا کرتی۔

''اے اللہ میری ساس نندوں اور جیٹھ جیٹھانی کے دل نرم کر دے اور وہ مجھ پر ظلم کرنا چھوڑ دیں۔'' ان کے دل نرم کر دے۔ انہی حالات میں میرے دو بچے ہوگئے ان کا خرچہ پورا نہ دیتے تو ماں سے جا کر فریاد کرتی۔ وہ پیسے دیتیں کہ بچے بھوک سے بلکتے ہیں وہ روتے تو ساس ان کو اٹھانے نہ دیتیں، کہتیں۔

''بچے تو روتے ہی ہیں تم بس کام کرو کام' ہاں اگر مہارانی ہو تو ان کو اٹھانے کے لیے آیا رکھ لو مگر تنخواہ تمہاری ماں ہی دے گی۔''

امی اکیلی رہ گئی تھیں بہن بھائی سب انگلینڈ جا چکے تھے لیکن بھائی ابھی وہاں پوری طرح سے سیٹ نہ ہوئے تھے کہ ماں کو بلواتے...... میں ایک ہی گاؤں میں رہ کر بھی ماں کے پاس نہ جا سکتی تھی۔ وہ بیمار رہنے لگی تھیں لیکن مجھے ان کے پاس جانے اور ان کی خدمت کرنے کی اجازت نہ تھی۔ ہر روز میری ساس جھوٹی شکایت کر کے مجھے اپنے بیٹے سے پٹواتیں اور خود بھی مارتیں کیونکہ ابھی تک ان کا غصہ ٹھنڈا نہیں ہوا تھا کہ تقی نے مجھ سے شادی کیوں کی؟ تب میرے دل سے یہی بددعا نکلتی کہ جیسے یہ میرے ساتھ کر رہی ہیں۔ خدا کرے ان کی بیٹیوں کے ساتھ بھی ویسا ہی ہو۔ اتفاق کہ میری دونوں نندوں کی شادی دو سگے بھائیوں سے ایک ہی گھر میں ہوگئی۔ ایک کو تو دو ماہ بعد طلاق ہوگئی اور دوسری چھ سال بعد چار بچے میکے لے کر آ گئی اسے بھی شوہر نے طلاق دی۔ میں ان کی طلاق سے خوش نہ تھی مگر یہ تو اللہ کا انصاف تھا' ناحق انہوں نے میرے ساتھ ظلم کیا تو ان کی بیٹیوں کے ساتھ ویسا ہی ہوا۔ ایک روز انہوں نے میرے جہیز کے برتن اور دیگر اشیاء اٹھا کر گلی میں پھینک دیے اور کہا۔

''نکل جاؤ یہاں سے یہ میرا گھر ہے۔ دوبارہ اس گھر میں قدم بھی نہ رکھنا جیٹھ' جیٹھانی سبھی بیٹھے دیکھتے رہے' کسی نے نہ کہا کہ اماں جی...... یہ آپ کیا کر رہی ہیں' تایا وفات پا چکے تھے۔ اسی وقت دفتر سے تقی آ گئے۔

انہوں نے جو ماں کو مجھ پر ظلم کرتے دیکھا اور سامان باہر پڑا دیکھا تو ان کو غیرت آ گئی اور وہ بھی بچوں کا ہاتھ پکڑ کر میرے ساتھ باہر نکل آئے وہ ہم کو سیدھے امی کے گھر لے گئے۔

امی بیمار پڑی تھی شاید اللہ نے ان پر رحم کیا تھا۔ جو ہم مستقبل کے لیے ان کے پاس رہنے آ گئے۔ بتاتی چلوں کہ میرے شوہر اور ان کے بھائی کا مشترکہ کاروبار تھا۔ مالی طور پر وہ ان کے محتاج نہ تھے۔ امی نے میرے بھائی کو فون کیا انہوں نے کوشش کی اور تقی کو انگلینڈ بلوالیا۔ وہاں انہوں نے تین برس جان ماری اور پھر ہم کو ملوانے میں کامیاب ہوگئے۔

ایک امیر ملک میں رہ کر چٹنی روٹی کھائی اور جو کمایا جوڑتے رہے یہاں تک کہ اپنا مکان لینے میں کامیاب ہوگئے۔ انہی دنوں میرے جیٹھ نے خط لکھا کہ تم اچھی فطرت کی ہو' اللہ کو راضی کرو اور پاکستان

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

آجاؤ تمہاری ساس تم کو بہت یاد کر رہی ہے۔ وہ چند دنوں کی مہمان ہیں سب کچھ چھوڑ کر پاکستان آ گئی۔ ساس کی حالت دیکھ کر دکھ ہوا واقعی وہ چارپائی سے لگ گئی تھیں۔

بہو اور بیٹیوں نے خدمت سے انکار کر دیا۔ جب میں کھانا کھلاتی وہ میرے ہاتھ چومتی اور روتی تھیں اور اشارے سے کہتی مجھے معاف کر دو۔

شاید انہیں احساس ہو گیا تھا کہ جس کو سب سے زیادہ حقارت سے دھتکارا وہی آج کام آئی۔ میں ہر بات بھلا کر ان کی خدمت میں لگ گئی اللہ سے دعا کرتی تھی کہ ان کی تکلیف کو کم کر دے...... میں ان کی سکرات دیکھ کر روتی اور ان کی بخشش کی دعا کرتی تھی۔ مولوی صاحب کو بلا کر قرآنِ پاک کی تلاوت کرواتی۔ مولوی صاحب کہتے اگر انہوں نے حق تلفی کی ہے تو وہ ان کو معاف کر دے تب ان کی تکلیف دور ہو گی۔

معاف تو ہم نے کر دیا پر گھر میں تلاشی لی تو بہت سے تعویذ گنڈے نکلے کچھ چولہے کے اندر دبائے ہوئے تھے اور دروازے کے دہلیز میں تھے غرض کئی جگہوں سے نکلے جو کہ بیٹوں کو اپنے قبضے میں رکھنے کے تھے۔ بیویوں سے ان کی جدائی کے تھے بہرحال ان سب تعویذوں کو عامل کی ہدایت پر ندی میں بہایا اور سب نے انہیں معاف کر دیا تو ان کی تکلیف ختم ہو گئی اور وہ اپنے خالق سے جا ملیں۔ یہ کہانی جو کہ حقیقت پر مبنی ہے بہت سبق آموز ہے۔

کاش اسے پڑھ کر جو خواتین غلطی پر ہیں ان کو سبق ملے۔ وہ ایسے کام نہ کریں جن سے اللہ ناراض ہو اور حقوق العباد مجروح ہوتے ہیں۔ قطع رحمی بھی ایک بڑا گناہ ہے اور میاں بیوی میں پھوٹ ڈلوانا اللہ کے نزدیک سخت ناپسندیدہ فعل ہے۔

☆☆......☆☆

ضرورت کیا ہے؟

بات پہ بات بڑھانے کی ضرورت کیا ہے
من کو یوں اپنے جلانے کی ضرورت کیا ہے
بے سبب اشک بہانا نہیں حق میں اچھا
غم کو یوں دل سے لگانے کی ضرورت کیا ہے
میرے احساس کا جب تم کو نہیں کچھ بھی خیال
پھر مجھے اپنا بنانے کی ضرورت کیا ہے
جب صداقت کا نہیں نام و نشاں ہی جس میں
ایسے وعدوں کو نبھانے کی ضرورت کیا ہے
فاصلے تم میں گھٹانے کی نہیں ہے ہمت
پھر ہمیں پاس بلانے کی ضرورت کیا ہے
میری چاہت کا تمہیں اتنا بھروسہ ہے اگر
میں تو حاضر ہوں، زمانے کی ضرورت کیا ہے
اشکِ غم پی کے ہی جینے کا مزا آتا ہے
دولتِ غم کو بہانے کی ضرورت کیا ہے
قدر جذبوں کو سمجھنے کی نہیں ہے من میں
دل میں جذبوں کو جگانے کی ضرورت کیا ہے
خوابِ غفلت میں ہی رہنے کی اگر ٹھانی ہے
ہوش کی شمع جلانے کی ضرورت کیا ہے
مختصر لفظ ہی کافی ہیں سمجھنے کے لیے
پھر تمہیں اور فسانے کی ضرورت کیا ہے
پرخطر راہ کا گر خوف ہے طاری دل پر
دوستی ہم سے نبھانے کی ضرورت کیا ہے
وہ تو رہتا ہے تصور میں ہی اب گم ترے
اپنی چاہت کا یقین اور دلانے کی ضرورت کیا ہے
سرخ ہونٹوں کا لمس جب ملا ہے جعفر
دل کہیں اور لگانے کی ضرورت کیا ہے

جعفر خان جمالی

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

ڈسکہ سے ارسال کردہ سچی کہانی

ڈرامہ

اُس کی بیوی نے کیا خوب ڈرامہ کھیلا تھا......

ڈاکٹر طارق محمود آکاش

راشد سر پکڑے اپنے کمرے میں بیٹھا تھا۔ اس کی زندگی میں آنے والے اس مسئلے نے اس کے اعصابوں کو جھنجھوڑ دیا تھا۔ ایسا نہیں تھا کہ وہ ایک کم ہمت انسان تھا یا آزمائش سے گھبراتا تھا۔ اس نے تو زندگی کے ہر امتحان کو بہت صبر سے پار کیا۔ مگر یہ تو آزمائش نہیں سزا معلوم ہوتی تھی۔ ایسی سزا جس سے کوئی بھی راہ فرار نہ مل سکے۔ اس نے بہت سوچا ہر پہلو سے مگر کوئی سرا ہاتھ نہ آیا۔ کوئی راہ نہ سجھائی دی۔ اس کی چند دن پہلے ہی شادی ہوئی تھی مگر اس کی ٹینشن بھری صورت دیکھ کر لگتا تھا کہ اس کے اوپر چار بچوں کی ذمہ داری ہو یا جوان بیٹیوں کی شادی کرنی ہو۔

راشد کا تعلق ایک متوسط گھرانے سے تھا۔ وہ ایک فیکٹری میں معمولی عہدے پر فائز تھا۔ مگر گھر کے اخراجات احسن طریقے سے چلا رہا تھا۔ ماں باپ بوڑھے ہو چکے تھے۔ دو بہنوں کی شادی ہو چکی تھی۔ جبکہ ایک بھائی اور بہن اس سے چھوٹے تھے۔

رشتہ کرانے والی خالہ کے ذریعے راشد کا رشتہ بسمہ سے طے ہو گیا۔ بسمہ کے گھر والے نہایت شریف لوگ تھے۔ بہت زیادہ نہ سہی مگر پھر بھی ضرورت کی ہر چیز انہوں نے اپنی بیٹی کے لیے تیار کی اور شادی کی تاریخ طے کر دی۔

بہت ارمانوں اور خوشیوں سے راشد کی بہنیں اپنی بھابھی کو لے کر آئیں۔ راشد کے دوستوں اور رشتہ داروں نے بھی بہت چاؤ کیے۔ مگر کسی کو کیا پتہ تھا کہ آنے والے وقت میں کیا ہونے والا ہے۔

سب دلہن کو اس کے کمرے میں لے گئے اور راشد سے نیگ لینے کے بعد بہنوں نے بلا آخر اسے کمرے میں جانے کی اجازت دے دی۔ چند لمحے ہی گزرے تھے کہ راشد ہانپتا کانپتا

www.urdusoftbooks.com

باہر آیا۔ بس پھر فوراً سارے گھر میں شور مچ گیا کہ دلہن کو نہ جانے کیا ہو گیا ہے۔ کوئی کہہ رہا تھا کہ ڈاکٹر کو بلاؤ، کوئی مولوی صاحب کو بلانے کا کہہ رہا تھا۔ کوئی مشورہ دے رہا تھا کہ زیادہ شور مت کرو ورنہ محلے میں سب کو پتہ چل جائے گا کہ کوئی گڑبڑ ہے۔

کسی کا خیال تھا کہ بسمہ کے گھر والوں کو فون کر کے پتہ کیا جائے کہ اس کے ساتھ کیا مسئلہ ہے۔ غرض جتنے منہ اتنی باتیں۔ جب اندر جا کر دیکھا تو دلہن سکون سے مسہری پر سو رہی تھی۔ راشد کا خوف کم نہیں ہوا تھا، اس نے اندر اجانے سے انکار کر دیا۔

☆......☆......☆

جب صبح ہوئی تو بسمہ نے بیڈ ٹی کی طلب سب نے اس کی بات پر حیرانگی کا اظہار تو ضرور کیا مگر پھر بھی اس کی خواہش فوری طور پر پوری کر دی گئی۔ آخر کو وہ نئی نویلی دلہن تھی۔ اس وقت وہ بلکل نارمل لگ رہی تھی۔ مگر راشد پریشان ہی تھا کیونکہ جب فجر میں نماز کے بعد اماں نے آیت الکرسی اور سورہ فاتحہ پڑھ کر بسمہ پر دم کیا تو اس نے پلٹ کر غصے سے گھورا تھا۔

اور راشد وہیں تھا۔ اس نے بسمہ کا یہ روپ دیکھا اور خوف زدہ ہو گیا۔

صبح سب نے ڈاکٹر کو بلایا تو انہوں نے بلڈ پریشر، ٹمپریچر چیک کرنے کے بعد بتایا کہ آپ کی بیوی بلکل نارمل اور ٹھیک ہیں۔ بس زرا

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

والدین سے بچھڑنے کی وجہ سے ڈپریشن کا شکار ہیں۔ ریسٹ کریں گی تو ٹھیک ہو جائیں گی۔

اگلے دن رسم کے مطابق ولیمہ کا پروگرام تھا۔ ولیمہ کے بعد دلہن کے گھر والے بسمہ کے ساتھ راشد کو بھی اپنے ساتھ لے گئے۔ بسمہ سارا وقت اپنے گھر والوں کے ساتھ مگن رہی۔ راشد نے یہی اخذ کیا کہ گھر والوں سے دوری کے باعث اس کی عجیب سی حالت ہوئی۔ البتہ راشد کے ساس سسر نے محسوس کیا کہ راشد کچھ پریشان پریشان سا ہے مگر پھر اس خیال کو جھٹک دیا کہ پہلی مرتبہ سسرال آنے سے تھوڑی جھجک تو ہوتی ہے۔ بسمہ نے اپنے گھر آ کر راشد کو پوری طرح سے نظر انداز کیا اور بلکل ٹائم نہ دیا۔ یہاں تک کہ وہ رات میں اپنی بہنوں سے باتیں کرتی انکے ساتھ ہی سو گئی۔ راشد کو بسمہ کا لاپروہ رویہ بُرا لگا۔ اگلے روز راشد بسمہ کے ساتھ گھر آ گیا۔

☆......☆......☆

جب رات کا وقت ہوا تو راشد کھانے کے بعد کمرے میں آیا مگر وہاں آ کر اس نے جو دیکھا اس کی اسے امید نہ تھی۔

بسمہ سجاوٹ کے لیے لگی پھول کی لڑیوں کو توڑ رہی تھی اور غصے سے لال پیلی ہو رہی تھی۔ کبھی وہ اپنے ہاتھوں کو دیوار کے ساتھ مارتی تو کبھی شیشے کے آگے کھڑے ہو کر بے ڈھنگے انداز میں لپ اسٹک منہ پر ملتی۔ راشد دروازے میں کھڑا یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ اس نے آواز دی تو بسمہ اس کی جانب بڑھی۔

"کون ہو تم؟ یہاں کیوں لے آئے ہو مجھے؟ یہ پھول۔۔۔ یہ کہاں سے آئے؟ قبرستان کے پھول یہاں کیسے آئے۔"

"بسمہ ہوش کرو۔ میں شوہر ہوں تمہارا۔"

"کیسا شوہر۔ میں کسی کو نہیں جانتی۔ چلے جاؤ یہاں سے ورنہ میں تمہیں آگ سے جلا کر بھسم کر دوں گی۔" راشد کا دل و دماغ خوف سے بند ہونے لگا۔

اگلے روز اس نے فوری طور پر مولوی صاحب کو بلوایا۔ انہوں نے بہت سی آیتیں دم کیں بسمہ پر اور کچھ تعویز بھی دیے باندھنے کے لیے مگر بسمہ کی حالت وہی رہی۔ اس نے مولوی صاحب کے جاتے ہی سارے کمرے کا حشر کر دیا۔ ہر چیز الٹ دی۔ اور خود بیڈ کے سرہانے بال کھول کر بیٹھ گئی اور اول فول بولنے لگی۔ راشد نے اب صحیح معنوں میں اپنا سر پکڑ لیا۔ اس کی زندگی میں آنے والے اس مسئلے نے اس کے حواس معطل کر دیے تھے۔

اس کا دوست احمد اس سے ملنے آیا تو راشد نے اس کے سامنے اپنا مسئلہ بیان کیا۔ اس کے دوست نے ایک بنگالی عامل سے عمل کروانے کا مشورہ دیا۔ راشد یہ عامل وغیرہ پر یقین نہیں رکھتا تھا مگر ہر حربہ بسمہ پر ناکارہ جا رہا تھا تو اس لیے اس نے عامل بابا کو بلانے کی حامی بھر لی۔

☆......☆......☆

عامل بابا نے آ کر ہر چیز کا جائزہ لیا اور عمل کرنا شروع کر دیا۔ بابا کو دیکھ کر بسمہ چیخ پکار کرنے لگی، راشد کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اسے کیسے قابو کرے۔ بابا نے اسے ایسا کرنے سے منع کر دیا۔ اور اسے عمل کے لیے درکار چند چیزیں لانے کے لیے بھیج دیا۔ عامل بابا رات گئے تک

www.urdusoftbooks.com

اپنے عمل میں مصروف رہا۔ اور اس دوران بسمہ خلافِ توقع بلکل خاموشی سے بیٹھی رہی اور کوئی ردِعمل نہ دکھایا۔

عامل اگلے روز شام میں دوبارہ آنے کا کہہ کر چلا گیا۔

راشد اگلے دن اپنے دوست کے ہمراہ بابا کو لینے پہنچا اور اس سے صورتحال کے بارے میں دریافت کیا۔

''تمہاری دلہن پر ایک خطرناک جن عاشق ہے۔ وہ اس وقت اس جن کے قبضے میں ہے۔ اگر آپ اس کو آزاد کروانا چاہتے ہو تو معاوضہ ادا کرنا پڑے گا۔ تین دن کا عمل ہوگا اور اس کے بعد تمہاری دلہن بالکل ٹھیک ہو جائے گی۔''

عامل کی یہ بات سن کر راشد پریشان ہو گیا۔ وہ ایک معمولی ملازم تھا اس کے لیے اتنا بھاری معاوضہ ادا کرنا بہت مشکل تھا۔ مگر اپنے دوست کی مدد کی وجہ سے اس نے عامل بابا کو پیسے دیے اور عمل شروع کرنے کا کہہ دیا۔

شام کو مقررہ وقت پر عامل عمل کرنے آ گیا۔ بسمہ عامل کے سامنے پہلے کی طرح خاموشی سے بیٹھی رہی۔ عامل آدھی رات تک عمل کرنے کے بعد چلا گیا۔ عامل کے جاتے ہی بسمہ عجیب سی آواز میں بولی۔

''تم اپنے ان ہتھکنڈوں سے باز آ جاؤ راشد۔ ورنہ بہت پچھتاؤ گے۔ اور تمہارے ہاتھ کچھ نہ آئے گا۔ یہ عامل میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ اس کو منع کر دو کہ آئندہ یہاں نہ آئے ورنہ میں نہیں چھوڑوں گی اسے۔'' وہ بہت مشتعل تھی۔

مگر راشد نے اس کی بات کا کوئی اثر نہ لیا۔ اسے پوری امید تھی کہ عامل بابا بہت جلد جن کو قابو کر لیں گے اور پھر بسمہ بالکل ٹھیک ہو جائے گی۔ اگلے روز بھی عامل بابا آئے اور عمل کر کے اپنے مقررہ وقت پر جانے لگے۔

''کسی طرح سے اپنی بیوی کے تھوڑے سے بال کاٹ لو اور پھر انہیں قبرستان کی سب سے پرانی قبر میں دبا دو تو تمہاری بیوی ہمیشہ کے لیے جن کے قبضے سے نکل جائے گی۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو میرا عمل کارگر نہ ہوگا۔'' جاتے جاتے انہوں نے راشد کو ہدایت کی۔

ایسا خوفناک عمل سن کر راشد کی سانس اٹک گئی۔ مگر عامل نے اس کی بہت ہمت بندھائی کہ کچھ نہیں ہوگا۔

''تم بالکل مت گھبراؤ کہ کوئی مشکل عمل نہیں ہے۔ میرے چیلے تمہاری مدد کر دیں گے۔''

راشد نے ہامی بھر لی۔

☆......☆......☆

وہ واپس کمرے میں آیا تو بسمہ بیڈ سے ٹیک لگائے پرسکون انداز میں بیٹھی تھی۔ راشد بھی مطمئن انداز میں وہیں لیٹ گیا۔ ہمیشہ وہ اپنے خوف کی وجہ سے دوسرے کمرے میں سوتا تھا مگر آج یہاں سونا اس کی مجبوری تھی۔

''کچھ کھاؤ گی؟'' اس نے عام سے انداز میں بسمہ سے پوچھا۔

''ہاں! میرے لیے کچا گوشت لے کر آؤ۔'' وہ غرائی۔

''ابھی نہیں۔ صبح لے آؤں گا۔'' وہ تسلی سے [illegible] سونے لگا۔

www.urdusoftbooks.com

"تم یہاں کیوں سو رہے ہو؟ مجھے تمہاری شکل سے نفرت ہے۔"

"ایسے ہی۔ میرا دل کر رہا ہے۔"

بسمہ اسے گھور گھور کر دیکھتی رہی، بنا پلک جھپکائے۔ راشد نظر انداز کر کے سوتا بن گیا۔ کافی دیر گزرنے کے بعد جب اسے یقین ہو گیا کہ بسمہ سو گئی ہے تو وہ بنا آہٹ اٹھا۔

بسمہ سرہانے سے سر ٹکائے سو رہی تھی۔

راشد نے تکیے کے نیچے سے قینچی نکالی اور بسمہ کی جانب بڑھا ہی تھا کہ بسمہ نے اپنی لال آنکھیں پل میں کھولیں اور اس کے ہاتھ سے قینچی لے لی۔

راشد کی جان ہی نکل گئی۔ بسمہ نے پلک جھپکتے ہی وہی قینچی راشد کے گلے پر رکھ دی۔

"میں نے سوچا تھا کہ تم مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچاؤ گے مگر تم نے دھوکہ دیا۔ مجھے ہمیشہ کے لیے اس دنیا میں رہنا ہے اس لڑکی کے جسم میں اور تمہارے ہوتے یہ ممکن نہیں۔ اسے اسی وقت طلاق دو۔ ورنہ میں تمہیں قتل کر دوں گا۔" ایسا لگتا تھا کہ بسمہ پر وہ جن پوری طرح سے قابض ہو گیا تھا۔ یہ سن کر راشد کے پاؤں سے زمین نکل گئی۔ اس کے تو وہم و گمان بھی نہ تھا کہ یہ سب ہو جائے گا۔ اس کی غلطی کی وجہ سے عامل کا عمل الٹا ہو گیا تھا۔

راشد نے اسے طلاق دے دی۔

☆......☆......☆

بسمہ خوب ہنس رہی تھی۔ اس نے راشد کو حکم دیا کہ اسے ابھی اور اسی وقت اس کے گھر چھوڑ کر آئے۔ نہ چاہتے ہوئے راشد کو یہ ہدایت ماننی پڑی۔ وہ رضامند ہو گیا۔ صبح کے چار بجے جب سب لوگ تہجد کی نماز کے لیے اٹھے تو راشد اور بسمہ کے کمرے کا دروازہ کھلا پایا۔ حیرت کی انتہا تھی کہ وہ لوگ آدھی رات کو کہاں چلے گئے۔

کمرے سے نکل کر اس نے بائیک نکالی اور بسمہ کو اس کے گھر چھوڑنے چلا گیا۔

سسرال پہنچ کر اس نے بسمہ کو اتارا۔ بسمہ کے جانے کا راشد کو کوئی افسوس نہیں ہو رہا تھا۔ اسے لگ رہا تھا کہ اس کے سر سے کوئی بوجھ اتر گیا ہو۔ وہ خود کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا۔

"شکریہ راشد آپ نے مجھے آزاد کر دیا۔" اس وقت بسمہ کی آواز عجیب سی نہیں تھی۔ "میرا خیال تھا کہ مجھے بہت محنت کرنی پڑے گی آپ سے نجات حاصل کرنے کے لیے مگر آپ ایک اچھے اور شریف آدمی تھے اس لیے مجھے اپنے کھیل کو سچ ثابت کرنے کے لیے زیادہ محنت نہیں کرنی پڑی۔ مگر میرے پاس آپ کو دینے کے لیے دو مشورے ہیں۔ کسی اچھی لڑکی کے ساتھ شادی کر لیجئے گا۔ اور دوسرا یہ کہ کبھی کسی عامل بابا پر یقین مت کیجئے گا۔ آپ جب پہلے دن اس عامل بابا کو لائے تھے تو میں نے اسے تھوڑے زیادہ پیسے دے کر اپنے کھیل میں شامل کر لیا تھا۔ میں کسی اور کو پسند کرتی ہوں، مگر میرے گھر والوں نے زبردستی آپ کیساتھ شادی کروا دی۔ اس لیے میں نے یہ ڈرامہ کیا۔ آپ کے لیے میری دعا ہے کہ آپ ہمیشہ خوش رہیں۔ خدا حافظ۔"

بسمہ کی بات پر وہ منہ کھولے اس کو دیکھتا رہ گیا۔

☆☆......☆☆

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

کراچی سے بھیجی گئی سچی تحریر

مایا جال

اُس نے بھی اپنے کولیگ کے گرد جال بنا تھا بس فرق اتنا تھا کہ کامیابی حاصل کرنے کے لیے اُس کو بھی اس جال میں پھنسنا تھا......

محمد ثاقب منیر

اس نے ڈائری سائیڈ ٹیبل پر رکھی اور لیمپ کا سوئچ آف کیا۔لبوں پر بے چین مسکراہٹ سجائے وہ سونے کی کوشش کرنے لگی۔ وہ لاہور کے پوش علاقے ڈیفنس فیز فائیو کی گود میں اپنی زندگی کے زینے چڑھ رہی تھی۔اُسے اپنی زندگی ایک کم سن طالب علم کے ہوم ورک کی مانند لگتی تھی کہ جسے کرنے کی پابندی ہو۔ مگر نہیں۔۔اس کی زندگی تو رنگوں سے بھرپور ہوا کرتی تھی۔وہ بھی کبھی قوس قزح کے رنگِ گلشن کو زندگی بخشتی تتلیوں کے رنگ کی مانند ہوا کرتی تھی۔لیکن اب وہ نامکمل تھی۔ایک ڈھلتی شام۔۔جو زخموں سے چور تاریکی میں ڈوبے ہر نفس کو تحفہ درد دیا کرتی تھی۔

کل بروز منگل اس کی کاؤنسلنگ کا پانچواں سیشن تھا۔وہ شہر کے معروف و مقبول ماہر نفسیات سے تھیراپی لیا کرتی تھی۔ وہ ابھی تک نہیں جان پائی تھی کہ کسی ماہر نفسیات سے سیشن لے رہی ہے یا کسی بابا کی خانقاہ جسے زندگی گزارنے کے گر سیکھ رہی ہے۔ وہ ہفتے میں ایک بار ڈاکٹر بیگ کے کلینک کیور یور مینٹل ہیلتھ جایا کرتی تھی۔اور آج منگل تھا۔وہ الارم بجنے سے پہلے ہی کچی نیند سے بیدار ہوچکی تھی۔ اس کے لبوں کی مسکراہٹ پُر کشش تھی۔ایک فیصلے نئی امید کی مسکان ۔زندگی کے ساتھ کہیں نہ کہیں نبھا کرنے میں کامیاب ہورہی تھی۔مگر یہ صرف اس کا ذاتی خیال تھا۔

اس نے کلینک کے سامنے پارکنگ ایریا میں اپنی گاڑی پارک کی۔ اس کے علاوہ دو گاڑیاں اور پارکنگ ایریا میں موجود تھیں۔ اس نے اپنی دائیں کلائی پر پہنی خوبصورت اور دیدہ زیب سوئیس واچ پر نظر دوڑائی تو صبح کے دس بج رہے تھے۔اور ہر ہفتے اسی وقت وہ ڈاکٹر بیگ کے تجربہ کار الفاظ میں قید ہو کر خود کو سکون بخشتی تھی۔ وہ تیزی سے کلینک میں داخل ہوئی۔سامنے ہی کاؤنٹر کے پیچھے کھڑی ریپشنسٹ نے مسکراتے ہوئے ڈاکٹر بیگ کے کمرے میں جانے کا اشارہ

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

کیا۔

"آیئے آیئے مس عمامہ ! گڈ مارننگ۔" کرسی پر بیٹھے ڈاکٹر بیگ نے اسے دیکھ کر کہا۔

"سیم ٹو یو ڈاکٹر۔" وہ مسکرائی۔

"آج آپ کے پیچھے دیوار پر آویزاں تصویر نظر نہیں آرہی مجھے۔" وہ بیٹھتے ہوئے بولی۔

"کونسی تصویر مس عمامہ؟" ڈاکٹر بیگ مسکرا رہے تھے۔ انہیں عمامہ سے اس سوال کی امید تھی۔

"وہی تصویر جو میرے لفظوں میں رچ بس کر انہیں بامعنی بناتی ہے۔"

"نہیں مس عمامہ!" وہ ٹیبل پر ہاتھ رکھتے ذرا آگے ہوئے۔ "وہ تصویر صرف آپ کی نہیں بلکہ ہزاروں لوگوں کی کہانی کی ترجمانی کرتی تھی۔ آپ نے اپنی سوچوں کو صرف اپنے تک محدود کیا ہوا ہے۔ مس عمامہ آپ نے کبھی ترازو دیکھا ہے؟ جس سے ہر دکاندار اپنے مزاج کے مطابق کام لیتا ہے۔ بلکل اسی طرح ہم اپنی زندگیوں کو اپنے مزاج کے مطابق ڈھال سکتے ہیں۔ دیکھیں ! میں آپ کو یہ سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں کہ زندگی میں کوئی بھی کسی کو مستقل سہارا نہیں دیتا ، جیسا کہ آپ پچھلے پانچ سیشن میں اس تصویر سے وابستہ تھیں، مگر آج اس نے آپ کا ساتھ چھوڑ دیا۔"

"مگر ڈاکٹر وہ تصویر تو محض ایک مددگار تھی، ایک مسیحا۔ جو مجھے زندگی میں لے جاتی تھی۔ میں اب اس کے دیدار کو ترس رہی ہوں۔ مجھے لگ رہا ہے کہ میں اس کے بنا اب آگے نہیں بڑھ سکوں گی۔"

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

ڈاکٹر بیگ نے کرسی سے ٹیک لگاتے آہ بھری۔
''آخر یہ مسیحائی کب تک آپ کے زخم بھرتی رہے گی؟ یہ تو مسافر تھی اور مسافر کا کام سفر کرنا ہوتا ہے۔ اس کے ٹھکانے ایک نہیں، مختلف ہوتے ہیں۔''
''ٹھیک کہا آپ نے مجھے اب خود ایک قدم آگے بڑھانا ہوگا۔ اب مجھے اس کلرفل تصویر کی نہیں بلکہ ایک کینوس کی ضرورت ہے جس سے میں مختلف رنگوں کی مدد سے اپنی زندگی کو ڈیفائن کرنے کی کوشش کروں گی۔''
''گڈ مس عمامہ! اب آپ مجھ سے ایک ماہ بعد ملئے گا۔ تب تک آپ اور آپ کی زندگی کے لیے بیسٹ آف لک۔''
عمامہ مسکراتے ہوئے کمرے سے باہر آ گئی۔ ڈاکٹر بیگ کی باتوں سے وہ پُرامید ہو گئی تھی، مگر کب تک' وہ یہ بات نہیں جانتی تھی۔
☆......☆......☆
''کول ڈاؤن تیمور! پلیز ریلیکس ہو جاؤ۔ ڈرامہ اپنے آخری مراحل میں ہے اور اس وقت تمہیں یہ برتاؤ زیب نہیں دیتا۔ تمہیں اپنے غصے پہ کنٹرول کرنا ہوگا۔''
''کیا کہا آپ نے سرفراز صاحب؟ میں کنٹرول کروں؟ وہ نواب زادی عینی کے انتظار میں ہم کب سے بیٹھے ہیں۔۔۔ اوہ نہیں سوری۔۔۔ وہ تو اب شہرت کی بلندیوں کو چھو رہی ہے، انہیں تو عزت و تکریم کے ساتھ بلانا چاہیے۔ صرف عینی نہیں بلکہ میڈم عینی۔'' وہ طنز سے بولا۔ ''وہ ایسا بے وقوف لمحہ تھا جب میں نے میڈم عینی کے ساتھ کنٹریکٹ پر دستخط کیے تھے۔''
''تیمور! تم جانتے ہو کہ ہمارے ڈرامے کی ریٹنگ دوسرے ڈراموں کی نسبت کتنی ہائی جا رہی ہے۔ اور اس کا کریڈٹ ماضی کی طرح صرف تمہیں ہی نہیں بلکہ عینی کو بھی جاتا ہے۔ تم فیڈ بیک چیک کر سکتے ہو۔'' ڈائریکٹر نے اسے ٹھنڈا کرنا چاہا۔
''How Are All Of You''۔ عینی شوٹنگ کے لیے ٹک سک سے سیٹ پر پہنچی۔
''خیریت تو ہے سرفراز صاحب یہ تیمور اتنا چپ کیوں ہے؟ اوہ اچھا! سمجھ آیا۔ یقیناً! آج بھی اسکرپٹ پسند نہیں آیا ہوگا اسے۔ اتنی بار سمجھایا ہے تیمور کہ ڈائیلاگز کی سلیکشن میری ذمہ داری نہیں بلکہ اس کام کے لئے اسکرپٹ رائٹرز موجود ہیں۔''
''جی میں بھی یہی سمجھا رہا تھا اسے۔'' سرفراز صاحب نے بات سنبھالی، اس سے پہلے کہ تیمور دوبارہ بھڑکتا۔
''چلیں سیٹ ریڈی کریں، میں تیاری کر کے آئی ہوں۔''
سرفراز صاحب نے جلدی جلدی کیمرہ اور لائٹنگ ریڈی کیے۔
''ایکشن۔ کٹ۔ اسٹارٹ۔''
عینی نے عیشا کے اور تیمور نے بلال کے کردار میں خود ڈھالا۔
''بلال یہ لو!''
''یہ کیا ہے عیشا؟''
''تمہاری زندگی کی انمول شے۔ تمہارے ڈرامے کا چیک۔''
بلال نے ہاتھ بڑھا کر اس کے ہاتھ سے چیک لیا۔
''بلال تم خود سے، اپنے پیشے سے جنون کی حد تک محبت کرتے ہو؟''

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

چند لمحوں کے لئے فضا لفظوں سے محروم ہو جاتی ہے۔

''میں نے تم سے کچھ پوچھا ہے بلال؟'' عیشا نے سوالیہ انداز میں اپنی طرف متوجہ کیا۔

''ہاں عیشا میں خود سے اپنے پیشے سے جنون کی حد تک محبت کرتا ہوں۔اور اس محبت کا تقاضا یعنی پیسہ، دولت اور شہرت حاصل کرنا چاہتا ہوں۔''

''ان سب سے تو تم ابھی بھی آراستہ ہو۔'' عینی کا اشارہ اسکے ویل آف خاندان اور بزنس پر تھا۔

''نہیں عیشا! میں شوبز کی دنیا کا برانڈ بننا چاہتا ہوں۔ایک رول ماڈل۔جسے ہر کوئی فالو کرے۔اس طرح کی زندگی بسر کرے، میری پسند اس کی پسند ہو۔وہ میرا نام لیتے ہوئے جیتا مرتا ہو۔مگر تم یہ سب کیوں پوچھ رہی ہو؟''

''اس لیے کہ مجھے تمہارے ساتھ زندگی گزارنے میں آسانی ہو۔''

وہ دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے ڈائیلاگ کے سہارے اپنے دل کی بات بول رہے تھے۔

''کٹ! زبردست۔بہت خوب! ریلیٹی سے بہت قریب ایکٹنگ کی ہے دونوں نے۔'' سرفراز صاحب ان دونوں سے مطمئن نظر آرہے تھے۔

☆......☆......☆

''بابا جانی میں نے آپ کو ڈسٹرب تو نہیں کیا؟'' عینی ناک کرکے اسٹڈی روم میں داخل ہوئی۔

''نہیں بیٹا آؤ۔بیٹھو۔میں تو اپنے دماغ کو آکسیجن دے رہا ہوں۔یہ میری کتابیں ہی مجھے زندگی گزارنے کا سلیقہ سکھاتی ہیں کیونکہ کتابوں کے لفظ لفظ میں زندگی بولتی ہے۔''

''ہاں ٹھیک کہا بابا جانی آپ نے۔یہ کتابیں قاری کو زندگی کی اداکاری سکھاتی ہیں اور اگر ہم اپنے اردگرد دیکھیں تو ہمیں ایسے بہت سے لوگ ملیں گے جنہوں نے نہ صرف اپنی مشکلوں کے ساتھ لڑا بلکہ اپنے آپ کو ایک اعلیٰ مقام و مرتبے پر فائز کیا۔''

''ہاں اور ان لوگوں کی زندہ مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔جیسے کہ Stephen Hawkings کو ہی دیکھ لو کس طرح وہ زندگی کو ہم سفر بنا کر منزل کی جانب رواں دواں تھا۔یاد رکھو بیٹا معذور جسم نہیں، معذور سوچ انسان کو پستی کی طرف دھکیلتی ہے۔اس طرح Hawkings کی سوچ بھی اس کے جسم کی طرح معذور نہیں۔بلکہ اس کا ذہن عام انسان کے مقابلے میں کئی گنا زیادہ کام کرتا ہے۔وہ مثبت سوچ کے ساتھ زندگی بسر کر رہا ہے۔''

''بابا جانی آپ کی یہی باتیں مجھے حوصلہ دیتی ہیں۔لیکن ہر دفعہ کی طرح آپ نے میرے اس ہفتے کے بارے میں نہیں پوچھا۔میں نہیں بولتی آپ سے۔'' وہ بچوں کی طرح ناراض ہوئی۔

''اوہ سوری بیٹا۔اچھا بتائیں آپ کہ آپ کی دوسری دنیا کیسی جا رہی ہے؟''

''دوسری دنیا!'' وہ ہنسی۔''ہاں میری شوبز ورلڈ امید سے اچھی اور آپ تو بہ خوبی جانتے ہیں ناں کہ مجھے بچپن سے ہی اداکاری کا بھوت سوار تھا۔اپنی سہیلیوں کی کمپنی میں اداکاری کرنا، وہ تالیوں کی گونج۔'' اس نے بولتے بولتے ایک آہ بھری۔''ان دنوں کا رویہ ان کی زبان کتنی سادہ تھی مگر یہاں سب کچھ بہت مختلف ہے۔مگر پھر بھی بھلا ہو سرفراز صاحب کا کہ مجھے شہر لے

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

آ ئے۔انہی کی وجہ سے مجھے اتنا جانا اور پہچانا جاتا ہے۔لیکن مجھے اپنے کولیگ کی سمجھ نہیں آتی۔"وہ کچھ ڈسٹرب نظر آنے لگی۔

"کیوں کیا ہوا بیٹا؟ کوئی جھگڑا ہوا ہے؟"

"جھگڑا تو نہیں ہوا مگر وہ لڑکا عجیب طبیعت کا مالک ہے۔سیٹ پہ کبھی اسے مسکراتے ہوئے نہیں دیکھا۔شوٹنگ سے پہلے ہر ایک سے الجھنا اس کی عادت بنتی جا رہی ہے۔لیکن اداکاری میں اس کا کوئی ثانی نہیں ہے۔"

"بیٹا تم یہ سب کیوں سوچ رہی ہو؟ یہ اس کی اپنی زندگی ہے۔چھوڑو اسے۔یہ لو تم نے واصف علی واصف صاحب کی کتاب یہی کتاب مانگی تھی نا قطرہ قطرہ قلزم۔تو یہ میں نے تمہارے لیے نکال کر رکھی تھی۔"

وہ مسکرائی۔بابا جانی اس کی کوئی فرمائش نہیں بھولتے تھے۔اس نے ان کے ہاتھ سے کتاب لی اور انکا ہاتھ چوم کر باہر آ گئی۔

☆......☆......☆

لاہور کے فائیو اسٹار ہوٹل میں ہفتے کی شام کو قوس و قزح کے رنگوں سے رنگے شوبز کے ستاروں کا ہجوم خود اپنی زبان بول رہا تھا۔

"گڈ ایوننگ لیڈیز اینڈ جنٹل مین۔"اسٹیج پر کھڑے دو نامور اور حسین ستاروں نے اس شو کا آغاز کیا۔

"سارم ویسے تمہیں نہیں لگتا کہ شوبز کی دنیا کے اتنے ستاروں کا ہونا کچھ بتا رہا ہے ہمیں۔"ہوسٹ نے مائیک پر ہلکے پھلکے انداز میں اپنے کو ہوسٹ سے کہا۔

"کیا مطلب عنایہ! میں تو اتنی تعداد دیکھ کر ہی شاک میں ہوں۔"

"نہیں مطلب ان میں سے کافی تو فارغ یا یہ کہنا چاہئے کہ ایوارڈ کی حسرت میں بیٹھیں ہیں۔"

ہال میں قہقہوں کی گونج ہوتی ہے۔

"چلیں اب ہم آتے ہیں اپنی پہلی nomination کی جانب۔تو ہمارے بیسٹ ڈرامہ سیریل کی nominees ہیں۔"

"رخ یار، خلش یاراں، کچے دھاگے، اور زندگی۔"

"فار پریزینٹینگ دی ایوارڈ وی کال اپان دا اسٹیج میڈم اینڈ مایا۔"

ہال میں تالیوں کی گونج اتنی بلند تھی کہ کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔

"بیسٹ ایوارڈ گوز ٹو۔۔"سب دم سادھے بیٹھے بیسٹ ڈرامے کا نام سننے کے منتظر تھے۔"دی موسٹ ہائی ریٹیڈ ڈرامہ رخ یار۔"

عینی نے خوشی سے باقاعدہ چیخ ماری اور تیمور نے کھڑے ہو کر سیٹی بجائی۔انکا ڈرامہ بہت ہٹ جا رہا تھا مگر اتنا ہٹ تھا کہ ایوارڈ جیت لے گا۔اس بات کا کسی کو یقین نہیں تھا۔

سرفراز صاحب نے خوشی سے تمتماتے چہرے کے ساتھ ایوارڈ وصول کیا۔

"بہت شکریہ آپ سب کا اور خاص طور پر ان کا جنہوں نے اس ڈرامے کو دیکھا اور پسند کیا۔میڈم عینی اور تیمور کی خوبصورت ایکٹنگ کا بہت شکریہ جن کی ان تھک محنت کے ڈرامے کو عروج پر پہنچایا۔"

"بہت شکریہ سرفراز۔"ہوسٹ نے ان کی لمبی تقریر کو بریک لگوایا۔

"ویسے عنایہ ایسا پہلی بار ہوا ہے کہ نگار صاحبہ کے ڈرامے کو سرفراز سر نے بیٹ کیا ہے۔"کو ہوسٹ نے سرگوشی بھرے انداز میں

www.urdusoftbooks.com

ہوسٹ سے کہا۔اور یہ خیال صرف اس کا ہی نہیں ، بلکہ وہاں بیٹھے ہر اسٹار کا تھا۔

''ہاں یہ عروج و زوال تو شوبز کی دنیا کا اصول ہے۔''اس نے بھی جواباً سرگوشی میں کہا۔

''آپ سب کو اپنی پرفارمنس سے گرمانے آرہے ہیں کاشی اور بیلا۔''اس نے مائیک پر اناؤنس کیا۔

☆......☆......☆

شہزاد اور نگہت اتوار کی صبح ناشتے کی میز پر خاموشی سے ناشتہ کررہے تھے۔

''تم خوش ہو؟''شہزاد نے نگہت کو اپنی جانب متوجہ کیا۔

''کس بات پہ؟''سلائس پہ جیم لگاتی نگہت نے الٹا سوال کیا۔

''مطلب تمہیں ابھی تک معلوم نہیں!''وہ الٹا خفا ہوا۔

''ہاں ہوں اور تم بھی اپنی عادت سے مجبور ہو۔''

''کیسی عادت؟''وہ حیران ہوا۔

''پہیلیاں بجھوانے کی۔''

''اوہ مائی گاڈ! میں اپنے بیٹے تیمور کے بارے میں بات کررہا ہوں۔''

''ہاں تو کرو۔''

''نگہت اس کے ڈرامے نے ایوارڈ جیتا ہے۔''

''اچھی بات ہے مگر اس میں اتنا خوش اور حیران ہونے کی کیا بات ہے؟''ان کی آواز جذبات سے عاری تھی۔

''میں خوش ہرگز نہیں ہوں، مگر مجھے افسوس ہے کہ تم میں انسانیت کا درد تو بولتا ہے مگر تم اپنی اکلوتی اولاد کے معاملے میں خود کو بری الزماں سمجھتی ہو۔ میں اس وقت سے ڈرتا ہوں جب تمہارے ہاتھ میں پچھتاوے کے علاوہ کچھ نہیں

غزل

ہم روز صبح کو ملتے تھے
نئے پھول بھی اس دن کھلتے تھے

تم روز مجھے یہ کہتی تھی
ہم کب تک ملیں گے اس طرح

میں آہستہ سے ہنس دیتا تھا
تو چپکے سے رو دیتی تھی

اسکول کے دفتر میں ہم ملتے تھے
توں پانی پینے آتی تھی میں تجھے ملنے آتا تھا

وہ گزرے لمحے یاد آئے
وہ بیتے دن یاد آئے

آج ملنے کو ترستے ہیں
آنسو آنکھوں سے برستے ہیں

کبھی ملیں گے ہم اس طرح
جیسے ماضی میں ہم ملتے تھے

یاسر وکی اڈہ۔اوکاڑہ

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

رہے گا۔تم اپنی این جی او کو بہت مہارت سے چلا رہی ہو مگر ایک ماں ہونے کا فرض تم سے نہیں نبھایا جا رہا۔'' وہ دکھ سے بول رہا تھا جب نوکر اخبار لیے اس کے پاس آیا۔

''صاحب جی یہ اخبار!''

''ہاں رکھ دو۔''

اس سے پہلے کے وہ دوبارہ اپنی بات جاری رکھتا۔اس کی نظر اخبار کی ہیڈ لائن پر پڑی۔

''نشے کی حالت میں شوبز کا اسٹار ہوٹل میں میڈم عینی کے ساتھ دیکھا گیا۔ان کی غیر اخلاقی ویڈیو پورے سوشل میڈیا پر وائرل ہوگئی ہے۔

''دیکھو! دیکھو! اپنے بیٹے کے کرتوت! اور چھوٹ دو تم اسے۔یہی انجام ہونا تھا ان سب کا۔اگر پہلے ہی اسے صحیح غلط کی تمیز سکھائی ہوتی تم نے تو یہ دن نہ دیکھنا پڑتا۔اپنی من مانی کر کے وہ شوبز میں گیا اور اب یہ سب کر کے ہمارے خاندان کا نام مٹی میں ملا رہا ہے۔''

''شہزاد اتنا بپھرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ ضرور کسی کی سازش ہے۔تیمور کا خواب برانڈ بننے کا ہے۔وہ کسی صورت ایسا قدم نہیں اٹھائے گا جس سے اس کے کیریئر میں مسئلے ہوں۔''

''مگر ابھی تو سارا میڈیا ہمارے دروازے پر جمع ہو جائے گا ناں۔ان کے سوالوں کا جواب کون دے گا۔''

''تم رہنے دو۔میں خود نمٹ لوں گی۔''

میڈیا والوں کے ہجوم میں کھڑی نکہت کے انداز میں غرور واضح تھا۔

''مس نکہت کیا آپ کو کسی پر شک ہے؟'' ایک رپورٹر نے آگے بڑھ کر سوال کیا۔

''ہاں ضرور آپ سب کو معلوم ہے کہ شوبز کی دنیا میں کس طرح کے سازشوں کے جال سے بھری پڑی ہے جس میں زیادہ تر شہرت یافتہ ایکٹر پھنس جاتے ہیں۔میرے بیٹے کے ساتھ بھی یہی ہوا ہے۔''

''اب مسٹر تیمور پھر سے شوبز میں جلوہ گر ہوں گے یا نہیں؟''

''فی الحال تیمور مزید میڈیا اسٹڈیز کے لیے لندن جا رہا ہے۔''

☆......☆......☆

شوبز کی دنیا پر نگار صاحبہ کی حکومت تھی۔انہوں نے برسوں چھوٹی اسکرین پر کام کیا ور خوب نام کمایا۔رخ یار کی کامیابی ان پر بجلی بن کر گری تھی۔

''حکم کریں نگار صاحبہ!'' ان کا وفادار ملازم کالیہ ان کے سامنے کھڑا تھا۔

''ہمارے پہلے تاش کے پتے نے آگ لگائی ؟''

''ضرور لگائی ہے میڈم! ہماری پھیلائی گئی ان دونوں کی جھوٹی ویڈیو بہت تیزی سے وائرل ہوئی ہے۔''

''کالیہ مجھے اب تیمور کی شوبز میں واپسی نہیں ،مزید بربادی چاہیے۔اور عینی صرف میرے نگار پرڈوکشن کے علاوہ کہیں کام نہ کر سکے۔''

☆......☆......☆

''ڈاکٹر بیگ میں نے اپنی زندگی میں بہت سے چہروں کو پڑھا ہے،سرخ آنکھوں کے ساتھ زندگی گزاری ہے۔'' عینی ڈاکٹر بیگ کے کلینک میں ان کے سامنے بیٹھی تھی۔

''میں نے ضمیر کی محفل میں وقت گزارہ ہے۔وہ ضمیر جس میں میں نے شہرت کا مزہ بھی چکھا ہے اور شہرت کے وجود پر الزام تراشی کے پیوند بھی لگے دیکھے ہیں۔'' اس کا ڈاکٹر بیگ کے

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

ساتھ یہ پہلا سیشن تھا۔

"جی میڈم عینی۔۔۔۔"

"عینی نہیں ڈاکٹر! آپ مجھے میرے اصلی نام عمامہ سے ہی بلائیں۔"

"جی بہتر عمامہ، آپ کے کولیگ مسٹر تیمور کا ایشو منظر عام پر آیا جس میں آپ بھی لپیٹ میں آگئیں۔۔"

"مگر فرق صرف مجھے پڑا ہے۔ تیمور اب لندن چلا جائے گا۔" اس نے ان کی بات کاٹی۔

اسی وقت اس موبائل کی میسج ٹون بجی۔

"سیوی! کم ٹو دی پریس ہال۔ تیمور۔"

"ڈاکٹر مجھے فوراً کہیں جانا ہے۔ عجلت میں کہتی وہ تیزی سے اٹھی۔

پریس ہال کے باہر میڈیا والوں کا رش لگا تھا۔ وہ گاڑی سے اتری تو سامنے ہی ایمبولنس کھڑی تھی۔ سامنے ہال میں سے اسٹریچر پر تیمور کو لایا گیا۔ تیمور کی لاش کو! وہ شاک میں کھڑی سب دیکھ رہی تھی۔

☆......☆......☆

جولائی کی چلچلاتی دھوپ اپنے جوبن پر تھی مگر اس کا تعلق یا رشتہ اس بپھرے ہوئے آگ برساتے سورج سے نہ تھا۔ اس کے دل و دماغ میں بس ایک چہرہ تھا اور یہی چہرہ اس کے قدم مقناطیسی طاقت کی مانند کھینچ رہے تھے۔ ڈاکٹر بیگ کے کلینک کے بعد وہ سیدھا اس کے پاس آئی تھی۔ ڈاکٹر بیگ نے اسے ایک ماہ بعد ملنے کا کہا تھا۔ اس ایک ماہ میں اس نے اپنی زندگی کی جونئی اور رنگوں سے بھرپور تصویر بنائی تھی اُس کے لیے اسے ماضی کی گرہوں کو کھولنا تھا۔

وہ آج فورسز قبرستان میں تیمور اور اپنے ماضی کو بھلانے کے لیے جلد ہی گئی۔

"تیمور میں آج کچھ الفاظ بیان کرنے آئی ہوں جس کا بوجھ میں اب اپنے کاندھوں پر اٹھانے سے قاصر ہوں۔

میرا بچپن ایک چھوٹے سے غریب گاؤں میں گزرا ہے۔ جہاں خواب دیکھنا گناہ سمجھا جاتا تھا۔ لیکن اللہ نے اداکاری کا ہنر مجھے خوب عنایت کیا تھا۔ پھر تم سے اور سرفراز صاحب سے میری ملاقات ہوئی۔ میں صرف پیسے اور شہرت کو ہی کامیاب زندگی سمجھتی تھی، جو کہ بعد میں غلط ثابت ہوئی۔ ڈاکٹر بیگ وہ خاص شخصیت ہیں جن سے میں نے خود کو دریافت کیا۔ پھر نگار صاحبہ کو ہمارے ڈرامے کی جیت ہضم نہ ہوئی اور انہوں نے وہ سازش کی جو ہم دونوں کو لے ڈوبی۔ اپنے خاص ملازم کالیا کے ذریعے انہوں نے تمہارا قتل کروایا اور تمہیں مجھ سے ہمیشہ کے لئے دور کر دیا۔

"تیمور مجھے یہ اعتراف کر لینے دو کہ تمہارے اور اپنے خلاف کی جانے والی اس سازش کا میں خود بھی ایک مہرہ ہوں۔ تمہارے ساتھ سفر کرتی تو شاید کامیابیاں دھیرے دھیرے میری جانب بڑھتیں مگر تمہارے اس طرح جانے سے مجھے جو شہرت ملی وہ ناقابل بیان ہے۔ اب میں نگار پروڈکشن کے تحت بننے والے ڈراموں میں کام کروں گی اور من چاہا معاوضہ وصول کروں گی۔ شہرت تمہاری موت اور میری بدنامی نے مجھے دے ہی دی۔ یہ سودا مہنگا نہیں......" یہ کہہ کر عینی نے پھول تیمور کی قبر پر رکھے آنکھوں پر سیاہ چشمہ چڑھایا اور قبرستان سے باہر کی جانب قدم بڑھا دیے۔

(نوٹ) اس کہانی کے کرداروں کے نام تبدیل کر دیے گئے ہیں۔ کیونکہ یہ کردار اب بھی ہماری شوبز انڈسٹری کا چمکتا ستارہ ہے۔

☆☆......☆☆

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

خون کا رشتہ

خوش نصیب ہیں وہ لوگ جنہیں پیار کرنے والے رشتے مل جاتے ہیں......

محمد شہزاد

یہ واقعہ 1985ء کا ہے جب میرا چھوٹا بھائی ارمان پیدا ہوا۔ ہم چار بھائی تھے۔ ارمان کی پیدائش کے تیسرے دن ہماری والدہ کا انتقال ہو گیا۔ جب ماں کا انتقال ہوا تو میری عمر فقط 9 سال تھی مجھ سے بڑا تیرہ سال' چھوٹا 7 سال اور سب سے چھوٹا صرف 3 دن کا تھا۔ میرے والد کاروباری انسان اور نہایت محنتی تھے۔ دن رات محنت کر کے انہوں نے کاروبار کو خوب چمکا لیا تھا ساتھ ساتھ وہ ہم بن ماں کے بچوں کو بھی سنبھال رہے تھے۔

وہ ٹرکوں کے مکینک تھے اور ان جیسا کام کرنے والا آس پاس کے علاقوں میں بلکہ پورے شہر میں بھی کوئی نہ تھا اسی لیے دور دور سے لوگ ان کے پاس آتے اور انہی سے کام کروا کر مطمئن ہوتے۔ زندگی بہت اچھی گزر رہی تھی مالی طور پر کوئی پریشانی نہیں تھی۔ ہاں ماں کی کمی محسوس ہوتی تھی مگر ہم لوگ اتنے چھوٹے تھے کہ کھیل کود میں لگ کر بھول جاتے تھے کہ ماں جیسی نعمت ہمارے گھر میں نہیں۔ کچھ عرصے بعد والد صاحب نے فیصلہ کیا کہ کاروبار قریبی شہر شفٹ کر لیں وہاں جانے میں دو فائدے تھے ایک تو کام بہت تھا دوسرے ورکشاپ اور گھر ساتھ ساتھ تھا۔

اس طرح وہ کام پر بھی مکمل توجہ دے سکتے تھے اور ہم بچوں پر بھی...... لوگوں نے میری ماں کے گزرنے کے بعد بہت زور دیا کہ والد صاحب دوسری شادی کر لیں مگر انہوں نے یہ کہہ کر منع کر دیا کہ میں اپنے بچوں کو سوتیلی ماں کے حوالے نہیں کروں گا۔ ان کے اس فیصلے کے بعد یہ طے ہوا کہ میں اور میرا بڑا بھائی والد کے ساتھ شہر چلے جائیں گے اور دونوں چھوٹے نانی کے پاس رہیں گے۔ والد صاحب ان سے ملنے آتے رہیں گے۔ یوں زندگی ایک نئے ڈگر پر چل پڑی۔

کچھ دن تو سکون سے گزرے پھر ایک دن نانی نے والد کو پیغام بھجوایا کہ ارمان کی طبیعت خراب ہے۔ ہم سب افراتفری میں ان کو دیکھنے نکل پڑے

www.urdusoftbooks.com

مگر ہمارے پہنچنے سے پہلے ہی ہمارا ننھا منا بھائی ہماری ماں کے پاس چلا گیا۔ نانی نے اس کا بہت خیال رکھا مگر ماں کے بغیر چند دن کا بچہ کیسے جی پاتا۔ ارمان کی تدفین کے بعد ابو ہم تینوں بھائیوں کو لے کر واپس شہر آ گئے۔ وہ ہم تینوں کو اب ایک لمحے کے لیے بھی اپنی نظروں سے اوجھل نہیں کرنا چاہتے تھے۔ کچھ وقت اور گزرا اب بڑا بھائی بھی والد صاحب کا ہاتھ بٹانے لگا تھا میں اور مجھ سے چھوٹا ہم ابو اور بھائی کی خواہش کے مطابق اپنی ساری توجہ اپنی پڑھائی کو دے رہے تھے۔ والد کے ساتھ بھائی نے ہاتھ بٹانا شروع کیا تو کاروبار مزید پھیلتا گیا۔

بے حساب پیسہ اور ذہنی سکون نے ہم لوگوں کو اپنے علاقے کے لوگوں میں ممتاز کر دیا تھا لوگ ہم سے تعلقات رکھنے کو اپنی خوش نصیبی سمجھتے تھے۔ پیسہ کی اس ریل پیل نے ہم دونوں بھائیوں کے دماغ کچھ خراب کر دیے تھے اور ہماری توجہ پڑھائی کے علاوہ ہر طرف تھی۔

بھائی کاروبار کے ساتھ ساتھ والد صاحب کا بھی خیال رکھتے تھے کیونکہ اُن کی طبیعت کچھ عرصے سے ناساز تھی۔ بہترین علاج اور طاقت ور غذا کے باوجود وہ دن بدن کمزور ہو رہے تھے۔ پھر ایک دن انہوں نے بڑے بھائی کو بلا کر اس سے وعدہ لیا کہ وہ ہمارا ایک باپ کی طرح خیال رکھے گا۔ کچھ دن بعد اُن کا انتقال ہو گیا بھائی نے والد صاحب سے کیا وعدہ نبھایا اور باپ بن کر ہمارا خیال رکھنا شروع کر دیا حالانکہ وہ عمر میں ہم سے زیادہ بڑا نہیں تھا مگر بہت ذمہ دار تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ ہم بھائی پڑھ لکھ کر والد کی خواہش پوری کریں۔

میرے ماموں بھی اب ہمارے ساتھ رہتے تھے عام طور سے جیسا ہوتا ہے کہ بے انتہا پیسہ اور کسی

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

بڑے کا بھرپور توجہ نہ دینا چھوٹوں کو برائی کی طرف راغب کر دیتا ہے ہمارے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا۔ بھائی کام میں مصروف رہتا اور ہم دونوں کالج کے اوباش لڑکوں کے ساتھ مل کر عیاشی کرتے۔ گرتے پڑتے گریجویشن کیا۔ اسی دوران مجھے ایک لڑکی سے محبت ہوگئی۔

بھائی کو پتہ چلا تو وہ بہت خوش ہوا اور لڑکی والوں کے گھر جا کر بات پکی کر آیا۔ اب میری زندگی کا ہر دن عید کا دن تھا۔ اپنی منگیتر کے علاوہ میری اور بھی بہت لڑکیوں سے دوستیاں تھیں۔ ہلہ گلہ' شراب شباب' کی محفلیں اور میں لازم و ملزوم تھے۔ میں نے اپنے ساتھ اس گند میں چھوٹے بھائی کو بھی گھسیٹ لیا۔ پیسے کی تو کوئی کمی تھی نہیں...... بھائی کما رہا تھا اور ہم لٹا رہے تھے۔

جب انسان کے پاس پیسہ ہوتا ہے تو اس کے دوست یار بھی بہت بن جاتے ہیں۔ اب تک تو ہم عیاشیاں چھپ چھپا کر کر رہے تھے۔ لیکن میری بدقسمتی کے شادی والے دن میں نے دوستوں کے کہنے پر اتنی شراب پی لی کہ سدھ بدھ ہی کھو بیٹھا اور شادی پر وہ ہنگامہ مچایا کہ لوگ حیران رہ گئے۔

بھائی اور ماموں حیران تھے کہ یہ مے نوشی کی لت مجھے کب لگی۔ شادی تو کیا ہوتی لڑکی والے رشتہ ہی توڑ گئے۔ بھائی نے کس طرح لوگوں کا سامنا کیا یہ تو الگ داستان ہے مگر دوسرے دن میری خوب بے عزتی کی اور وعدہ لیا کہ میں اس قبیح عمل کو ہمیشہ کے لیے ترک کر دوں گا۔ میں نے بھی وعدہ کیا مگر صرف جان چھڑانے کے لیے......

کچھ دن خاموشی سے گزر گئے...... ایک رات پھر دوستوں نے محفل سجائی اور دوسرے شہر سے مشہور ناچنے والیاں بلوائیں...... شراب اور مختلف قسم کے نشے کھلم کھلا چل رہے تھے۔ ہر قسم کے گناہ کا ارتکاب بڑے فخر سے ہو رہا تھا میں نے خود شراب پی ساتھ ساتھ بھائی کو بھی خوب پلائی...... جب انسان کے ہوش و حواس ساتھ نہ ہوں تو پھر کچھ بھی ہو سکتا ہے۔

یہی اُس رات ہوا کہ نشے میں دھت ناچنے والیوں کے ساتھ موج مستی کرتے کرتے آپس میں لڑائی ہوگئی جو اتنی بڑھی کہ گولیاں چل گئیں اور ایک گولی ناچتی لڑکی کے چہرے پر لگی اور وہ وہیں ڈھیر ہوگئی پولیس نے موقع سے کئی لوگوں کو گرفتار کیا جس میں' میں بھی تھا۔ بھائی فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا تھا مجھ پر قتل کا پرچہ کٹا 7 سال کی قید ہوئی۔

بھائی نے منہ بھر بھر کر ناٹکہ کو پیسہ دیا کیس کی دوبارہ سنوائی ہوئی اور مجھے قید سے خلاصی ملی کہ جب میں گرفتار ہوا تھا تب ہوش میں نہیں تھا لہٰذا یہ قتل اتفاقاً کسی کی گولی سے ہوا۔ میں باہر تو آ گیا مگر کاروبار تباہ ہو چکا تھا۔

عزت بھی دو کوڑی کی رہ گئی تھی۔ کچھ عرصے بعد پتہ چلا کہ بھائی کسی گینگ کے ہاتھ چڑھ گیا تھا اور ایک دن کسی اندھی گولی کا شکار ہو گیا۔ ہماری زندگی اندھیری ہو چکی تھی اس لیے بڑے بھائی نے فیصلہ کیا کہ شہر ہی چھوڑ دیں۔ ہم لوگ دور افتادہ علاقے میں آ گئے۔ میں نے عہد کیا کہ اب برائیوں سے دور رہوں گا۔ بھائی کے ساتھ مل کر دوبارہ کام شروع کیا۔

میں یہ حقیقت جان چکا تھا کہ کامیابی صرف شرافت کے راستے پر چلنے والوں کو ملتی ہے۔ دن و رات کی محنت نے ایک بار پھر ہمارے قدم جما دیے تھے۔ پہلے جیسی آسودگی تو نہ تھی مگر حالات ایک بار پھر ہمارے حق میں ہو گئے۔ میں نے بڑے بھائی سے رو رو کر معافی مانگی اور عہد کر لیا کہ اب کبھی برائی کی طرف قدم نہیں بڑھاؤں گا۔

☆☆......☆☆

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

منچن آباد سے ارسال کردہ خوبصورت تحریر

صنف نازک

کہتے ہیں کہ عورت کمزور ہوتی ہے...... وہ فیصلہ کرنے کی طاقت نہیں رکھتی...... وہ گھر نہیں سنبھال سکتی ہے......

حسین خواجہ

فراز کند ذہن تھالہٰذا زیور تعلیم سے محروم رہا سارا دن گلی محلے کی پاؤں سے مٹی اڑاتے اڑاتے طبیعت میں آوارگی آگئی اور آوارگی میں انسان کو نشے کی لت نا لگے ایسا ممکن ہی نہیں خواہ وہ ایک سادہ سگریٹ ہی کیوں نا ہو سگریٹ کے نشے نے فراز کی عقل چٹ کردی تھی اور زیور تعلیم سے تو ویسے ہی محروم تھا لہٰذا اخلاقیات سے اس کا دور دراز کا کوئی واسطہ نہ تھا بکھرے بال گندمی رنگت میلے کپڑے پسینے میں شرابور مٹی میں اٹے ہوئے پاؤں' گریبان کے دو بٹن کھولے ہوئے کانوں میں ہینڈ فری ہاتھ میں سگریٹ گلی کی نکڑ میں کھڑا فراز ہر آنے جانے والے کو ایسے دیکھ رہا ہوتا جیسے کسی اور سیارے کی مخلوق یہاں آئی ہوئی ہو دور سے آتے شفیق صاحب کی نظر پڑی تو وہ غمگین ہو گئے اور ساتھ ہی یہ سوال ان کے دماغ میں گردش کرنے لگا اور وہ سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ آخر میں نے فراز کی تربیت میں کس چیز کی کمی چھوڑی ہے۔

شفیق صاحب نے گھر جاتے ہی فراز کی ماں کو آواز دی۔

''نسرین میری بات سنو۔'' فراز کی ماں دوپٹے سے ہاتھ صاف کرتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی تو شفیق صاحب کو قدرے پریشان دیکھ کر گھبرا سی گئی اور خود بھی پریشان ہو گئی۔ پریشانی کے عالم میں بولی۔

''شفیق صاحب خیریت تو ہے آج آپ پریشان کیوں ہیں؟'' شفیق صاحب نے اپنی جھکی ہوئی گردن اُٹھا کر نسرین کی طرف دیکھا اور پوچھا۔''فراز کہاں ہے؟''

''باہر گیا ہوا ہے۔'' شفیق صاحب تلخ لہجے میں بولے۔

''اتنی گرمی میں اس کو باہر کیا کام ہوسکتا ہے؟ تمہارا لڑکا سارا دن گلی کے نکڑ پر کھڑا رہتا ہے پتا نہیں اس کی کیا مجبوری ہے یہ بات میری سمجھ میں تو بالکل نہیں آتی دراصل نسرین تمہارے لاڈ پیار نے فراز کو بگاڑ دیا ہے۔''

''اچھا جی تو جب میں فراز کو بگاڑ رہی تھی تب

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

آپ کہاں تھے؟ میرے ساتھ ساتھ آپ کی بھی ذمہ داری ہے۔''

''نسرین یہ بحث کا وقت نہیں ہے اور نا ہی میں بحث کے موڈ میں ہوں تم بتاؤ کوئی مشورہ دو فراز کو کیسے راہ راست پر لایا جائے میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آ رہا تمہارا بیٹا میری سنتا ہی کب ہے؟''

نسرین نے مشورہ دیتے ہوئے کہا۔

''شفیق صاحب میرا تو خیال ہے کہ فراز کی شادی کردی جائے آنے والی بہو اس کو خود ہی سیدھا کرلے گی۔''

''لیکن اس نکھے کو اپنی بیٹی کون دے گا؟''

''شفیق صاحب اب ایسی بھی کوئی بات نہیں میرے بیٹے کے لیے رشتے بڑے۔'' پھر فراز کی ذات کے فرضی مثبت پہلو تخلیق کر کے شفیق صاحب اور نسرین بی بی نے اپنی کمر کس لی نکھٹو بیٹے کے رشتے کے لیے وقت تو لگا لیکن مسئلہ حل ہوگیا۔ مفلس ماں باپ کی ادھیڑ عمر بیٹی مل ہی گئی اور یوں فراز کی شادی مریم سے ہوگئی۔

☆......☆......☆

نسرین بی بی اب سارا دن محلے میں چکر لگاتی گھر کے کام کاج کے لیے بہو تھی شفیق صاحب بھی اب مطمئن تھے کہ فراز اب گلی کی نکڑ پر نہیں کھڑا ہوتا لیکن جہاں شفیق صاحب اور نسرین بی بی مطمئن تھے وہاں فراز پریشان کھڑا تھا کیونکہ اب فراز کو واضح طور پر نظر آ رہا تھا کہ اب آگے چل کر گزارا مشکل ہوگا لہٰذا جتنی جلدی ہو سکے آمدنی کی طرف قدم بڑھایا جائے ورنہ بہت مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔

مریم فراز کی پریشانی سے باخوبی واقف تھی اس نے اپنا زیور اس کو دے دیا اور کہا۔

''میرا چار دن کا شوق تھا جواب پورا ہوگیا لہٰذا

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

غزل

نظریں ویران
لبوں پر جامد خاموشی
تیری آس محبت میں
سوچ کے احساس میں
میں کچھ اس طرح سے
محو ہوں
کہ......!
جینے اور مرنے کا
"فرق"
کچھ خاص نہیں

عابدہ مغل۔کراچی

آپ اس کو بیچ کر کوئی کام کاج کر لیں۔"

لیکن جس نے سارا وقت آوارگی میں گزارا ہو اس کے پاس کاروبار کا تجربہ کہاں سے آتا اور نا ہی پلے کوئی ہنر تھا لے دے کے جو بچی تھی وہ مزدوری تھی لیکن طبیعت کی نازکی اُس کی اجازت نہیں دیتی تھی لہٰذا فراز نے اپنے دنیا میں آنے والے بچے کے حال کو چھوڑ کر اس کے بہتر مستقبل کی خاطر بیرونِ ملک چلا گیا غریب کو روٹی کی بڑی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے۔

شفیق صاحب اب گھر پر ہی رہتے ہیں مریم نے اپنے سینے پر پتھر رکھ لیا اور اطمینان سے اپنا فرض ادا کرتی رہی فراز کی ماہوار تنخواہ آ جاتی جس سے گزر بسر ہوتی رہی وقت برق رفتاری کے ساتھ چلتا رہا مریم گھر بڑی کفایت شعاری کے ساتھ چلاتی رہی۔

مفلس ماں باپ کی بیٹی مریم نے اپنی ذات کو ہمیشہ زندگی کے میدان میں تنہا پایا زمانے کی تلخیوں سے وہ تنہا لڑی اور کبھی جو بھولے سے اپنی ذات کا خیال آتا تو دل کو یہ کہہ کر تسلی دے دیتی کہ اب تو میری ذات بٹ چکی ہے میرے بچوں کی صورت میں۔

فراز ہر دو سال بعد آتا دو تین ماہ رہ کر چلا جاتا یہ کہہ کر یہ اب میں آخری بار جا رہا ہوں اگلی دفعہ پکا پکا آ جاؤں مریم فراز کی اس بات کو مسکرا دیتی۔

پتا نہیں کب اور کیسے وقت گزر گیا شفیق صاحب اور نسرین بی بی فراز کی راہ تکتے تکتے کوچ کر گئے بچے اب بڑے ہو گئے تو مریم نے اُن کی شادیاں کر دیں زندگی کا ایک طویل عرصہ باہر گزار کر فراز جب وطن واپس آیا تو تمام عزیز و اقارب کی دعوت رکھی گئی جس میں مریم نے کہا۔

"اگر میری زندگی میں فراز جیسا محنتی اور کامیاب انسان نہ ہوتا تو میں شاید اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو پاتی میری کامیابی اور خوشحالی کے پیچھے فراز کا ہاتھ ہے فراز نے اپنی ساری زندگی پردیس میں گزار دی صرف اور صرف ہمارے لیے میرے پاس تو سہارا تھا اپنی اولاد کا اور فراز کے پاس صرف اور صرف ہماری یادیں تھیں اور اس طرح نیک دل مریم نے اپنی ساری کاوشوں کا سہرا فراز کے سر پر باندھ دیا۔

کون کہتا ہے کہ عورت کمزور ہوتی ہے۔ فیصلہ کرنے کی طاقت نہیں رکھتی جو عورت اپنی کامیابیوں کا سہرا کسی اور کے سر پر باندھ دے اُن سے زیادہ بہادر تو کوئی اور ہو ہی نہیں سکتا ایثار اور قربانی کی اعلیٰ ترین مثال فقط عورت ہی ہے۔

اور مریم جیسی عورتیں ہی ہیں جنھوں نے معاشرے کا توازن برقرار رکھا ہوا ہے جس کو ماں باپ نہیں سنبھال سکتے اُس کو بیوی سنبھال لیتی ہے۔

☆☆......☆☆

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

راولپنڈی سے ارسال کردہ سچی کتھا

دعاؤں کا حصار

حاجرہ دعاؤں کے حصار میں تھی تو کیوں نہ خوشیاں اُس کی جھولی میں گرتیں......

فوزیہ سرور

کمرہ گلاب کے پھولوں کی بھینی بھینی خوشبو سے معطر تھا یہ خوشبو کمرے کے عین وسط میں شان سے سجے جہازی سائز بیڈ کے اطراف لٹکتی گلاب کے پھولوں کی لڑیوں سے پھوٹ رہی تھی۔ جہازی سائز بیڈ کے بیچوں بیچ وہ اپنے گلاب کی پتیوں سے سرخ کامدار لہنگے کے گھیر کو پھیلائے دلہن بنی لبوں پر شرمیلی مسکان سجائے اپنے من کے میت کی شدت سے منتظر تھی۔ ذرا سی بازوؤں کی جنبش چوڑیوں کا جلترنگ بجا دیتی تو وہ خود مسحور ہونے لگتی۔ کمرے کا ماحول پُرفسوں تھا۔ دروازے کی ناب گھومنے کی آواز پر اس کا وجود گنگنا اٹھا۔ دھیرے دھیرے قریب آتے قدموں کی مدھم چاپ اس کے دل کی دھڑکنیں مرتعش کر گئی۔

مردانہ پرفیوم کی دلفریب خوشبو سے معطر وجود اس کے سامنے بیڈ پر براجمان ہو گیا شرم و حیا کی یلغار سے اس کی دراز پلکوں کی گھنیری چلمن لرزنے لگی۔ حنا کے نقش و نگار سے سجے ہاتھ کو مضبوط ہاتھ نے تھاما تو گویا دل ہاتھ میں دھڑک اٹھا۔ سماعتوں میں مدھر گھمبیر سرگوشی ابھری۔

"نی حاجرہ...... کدھر مر کھپ گئی ہے۔" اماں سعیدہ کی پاٹ دار آواز صور اسرافیل بن کر حاجرہ کی سماعتوں میں بازگشت بن کر ٹکرائی تو ہاتھ میں تھاما سرخ کامدار نگوں سے مزین لہنگا حاجرہ کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ اس لہنگے کو دیکھتے دیکھتے ہی تو حاجرہ خوابوں کے خوبصورت جہان میں پہنچی ہوئی تھی۔ خوابوں کے شہزادے کی گھمبیر مدھر سرگوشی کی بجائے اماں سعیدہ کا صور کان کے پردے کو ہلا گیا تھا۔

اماں کی چنگھاڑتی آواز نے گویا اسے جھنجوڑ ڈالا تھا۔ لمحوں میں سارا فسوں بھک سے اڑا تھا۔ مرے مرے انداز سے کامدار لہنگا اچھی طرح پیک کر کے واپس لوہے کے ٹرنک میں رکھا۔ تالا لگانے کے بعد چابی پرانے گلدان میں رکھ دی۔ جو خاصا اونچائی پر الماری کے خانے میں رکھا تھا۔

"نی حاجرہ...... جلدی باہر آ...... کیا سو گئی ہے یا منہ میں گنگنیاں ڈال کر بیٹھ گئی ہے۔ اماں کی

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

دوبارہ گونجنے والی دھاڑ نے حاجرہ کو پل بھر میں اماں کے دربار میں پیش کر دیا۔ جو صحن کی دیوار کے ساتھ بچھی چارپائی پر لگا تھا۔ اماں سعیدہ چارپائی پر بیٹھی دھڑا دھڑ جرسیوں کو ادھیڑ رہی تھی۔ حاجرہ کو سامنے دیکھ کر خوب گھوری سے نوازا۔

''کیا ہے اماں...... کیوں رولا ڈال رکھا ہے۔'' حاجرہ کو خوابوں کے شہزادے کی مدھر سرگوشی نہ سننے کا دکھ تھا۔ اسی دکھ میں بدتمیزی کر گئی جو خاصی مہنگی پڑی۔

''تجھے تو میں بتاتی ہوں...... رولا ڈالتی ہوں میں تجھے کمرے میں جا کر سَپ (سانپ) کیوں سونگھ جاتا ہے۔ ٹرنک میں ایسا کون سا خزانہ دفن ہے جو تجھے اپنے ساتھ اتنی زور سے باندھ لیتا ہے کہ تو اپنی ماں سے ہی لاپرواہ ہو جاتی ہے۔'' اماں سعیدہ کا جلال عود کر آیا تھا۔

''اماں تو جانتی تو ہے۔ ٹرنک میں کیسا خزانہ دفن ہے پھر بھی پوچھتی ہے۔'' اب حاجرہ کا لہجہ دھیما تھا۔

''ایک لہنگا بنا کر تُو نے خود کو دلہن ہی سمجھ لیا۔ ارے حاجرہ غریب کی کٹیا میں لہنگے نہیں جچتے' اتنی رقم ڈبو دی تو نے' لہنگا بنانے میں' اگر تیری تائی مان جائے تو پھر تو لہنگا کام آ جائے گا ورنہ کوئی غریب ہی متھے لگے گا۔ میں تو کہتی ہوں بیچ ڈال اسے...... کچھ پیسے ہاتھ آ جائیں گے۔ آج کل میں رمضان کا چاند نظر آ جائے گا۔ گھر میں راشن ڈلوائیں گے سحری ویلے اور افطاری کے وقت ہم بھی کچھ چنگا کھا لیں گے۔'' اماں نے لہنگا بیچنے کی بات کر کے گویا حاجرہ کے دل پر گھونسہ دے مارا۔ حاجرہ بلبلا اٹھی۔

''اماں لہنگا میں نے بڑے چاؤ اور محبت بھرے ارمانوں سے بنایا ہے۔ ایک ہی تو خوشی کا احساس

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

ہے میرے پاس' تو اس سے تو محروم نہ کر مجھے...... غریب کے پاس خواب ہی تو ہوتے ہیں۔ کیا خواب دیکھنا بھی چھوڑ دوں۔ یہ لہنگا مجھے بڑے حسین خواب دکھاتا ہے۔" حاجرہ کا لہجہ کھویا کھویا تھا۔

"اچھا چل دیکھتی رہ خواب' اب جا کے مشین سنبھال' کپڑوں کا آرڈر وقت پر دینا ہے۔ عید پر تو کپڑوں کی مانگ بڑھ جاتی ہے زیادہ کپڑے سلائی کرے گی تو روزے بھی سوکھے (آسانی) گزر جائیں گے اور عید بھی' نقشی دبکے کے سوٹ بھی تیار کرنے ہیں۔ ہمت کرے گی تو آسانی ہوگی نا...... میرا بھی وان (بان) بس تیار ہی ہے اس کو بھی کل پرسوں تک بیچ دوں گی۔ چار پیسے ملیں گے تو سکون ہوگا۔ سو ضرورتیں منہ کھولے بیٹھی ہیں۔ تیری شکل بھی چوہی امی جیسی نکل آئی ہے۔ روزوں میں روزے کی حالت میں کام کرنا پڑے گا۔ کچھ کھلا پلا دوں تجھے ماں کا دل تو دکھتا ہے نا۔ اماں سعیدہ کا لہجہ مسلسل بولتے بولتے گلوگیر ہوگیا۔

اماں تو دل چھوٹا نہ کر...... اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ ہمارے پاس سر چھپانے کو چھت تو ہے نا۔ ہاتھ پاؤں سلامت ہیں۔ محنت کرکے روزی کماتے ہیں اور عزت سے کھاتے ہیں۔ دوسروں کے آگے ہاتھ پھیلانے کی بجائے مجبور کی مدد بھی کر دیتے ہیں۔ اللہ کا اس سے بڑا کرم اور کیا ہوگا۔ وہ ہمارے دن مزید پھیر دے گا۔ حاجرہ کے لہجے میں یقین اور توکل کی دولت کی بھرمار تھی۔

"نی حاجرہ تو تو بڑی سیانی ہوگئی ہے۔ اتنی گوڑی (گہری) باتیں تو نے کہاں سے سیکھیں۔" اماں سعیدہ کو بیٹی پر ٹوٹ کر پیار آیا۔

"اماں مجھے یہ باتیں ڈائجسٹ سکھاتے ہیں۔ جنہیں پڑھنا اور خریدنا تو وقت اور پیسوں کی بربادی سمجھتی ہے بھلا مڈل پاس حاجرہ کہاں سے سیکھتی ایسی باتیں' اچھا یہ ڈیجسٹ (ڈائجسٹ) اتنی اچھی باتیں سکھاتے ہیں۔ چل اب تو خوش ہو جا میں خود خرید کر لا دیا کروں گی پھر تو مجھے بھی پڑھ کر سنانا۔" سچ اماں حاجرہ وفور مسرت سے چلا اٹھی۔

"ہاں بالکل سچ' اب تو جا کر مشین سنبھال' مجھے لگتا ہے آج چاند ضرور نظر آئے گا۔ اس لیے مغرب سے پہلے کام نبٹ جائے تو اچھا ہے۔" اماں سعیدہ محبت سے کہہ کر جرسی کی اون کا گولہ بنانے لگی۔ وہ اسی اون سے چارپائیاں بننے والا بان بناتی تھی اور بیچ آتی تھی۔ اب بھی اماں سعیدہ تندہی سے وان بنانے میں جت گئی۔ حاجرہ کمرے کی جانب بڑھ گئی۔ لیکن بیرونی دروازے سے داخل ہوتے اشفاق کے بلند آواز میں سلام کرنے پر قدم وہیں ٹھہر گئے۔

"السلام علیکم چاچی۔" اشفاق مٹھائی کا ڈبہ ہاتھ میں پکڑے چارپائی پر بیٹھی اماں سعیدہ کی طرف بڑھا۔ اشفاق کو دیکھ کر جہاں اماں سعیدہ کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا تھا وہیں منجمد ہوئی حاجرہ کے چہرے پر خفگی بھرے تاثرات سج گئے۔

"اونہہ ہر چوتھے روز آ جاتا ہے نئی نئی کہانیاں سنانے۔" اس کی اماں کو ہم ایک آنکھ نہیں بھاتے۔

"وعلیکم السلام پتر اشفاق' بڑے دنوں بعد چکر لگایا تو نے۔ تیری اماں اور ابا تو ٹھیک ہیں نا۔ اماں سعیدہ نے محبت سے استفسار کرتے اشفاق کے بیٹھنے کے لیے چارپائی پر جگہ بنائی۔ اشفاق نے چارپائی پر بیٹھ کر ڈبہ اماں سعیدہ کو پکڑایا۔ جسے انہوں نے محبت سے تھام کر حاجرہ کو آواز لگائی۔

"حاجرہ لے مٹھائی پکڑ...... اور پلیٹ میں ڈال کر میرے اور اشفاق کے لیے لا...... چائے

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

بھی بنالینا۔" حاجرہ پلٹ کر نپے تلے قدموں سے چلتی اماں کی طرف بڑھی سانولے سلونے دلکش چہرے پر خفگی ابھی بھی رقم تھی۔ اشفاق کے قریب حاجرہ نے ٹھہر کر ہاتھ اماں کی جانب بڑھایا اور ایک نروٹھی نگاہ خود کو دیکھتے اشفاق پر ڈالی۔ اشفاق کے گھنی مونچھوں تلے لب مسکرا اٹھے۔

"یہ گھنی بلی کچھ زیادہ ہی روٹھنے لگی تھی۔"

"اماں تو نے یہ تو پوچھا ہی نہیں یہ مٹھائی ہے کس خوشی میں، کہیں تیرے پتر کی بات تو پکی نہیں ہوگئی۔" سنجیدہ بھرا لہجہ اشفاق کی نگاہوں میں شکوہ مچلا۔

"مجھے ایسا سمجھتی ہے۔" جسے حاجرہ نے سرے سے درخوراعتنا نہ جانا۔ اماں سعیدہ نے حاجرہ کی بات پر اپنے سر پر ہاتھ مارا۔ وہ اشفاق کو دیکھ کر جوش اور خوشی میں پوچھنا ہی بھول گئی تھی۔

"ہاں بتا اشفاق پتر مٹھائی کس خوشی میں لایا ہے۔" دل میں اندیشوں کے ناگ سرسرانے لگے۔

"کہیں سچ مچ رشتہ تو طے نہیں ہوگیا۔"

"چاچی مجھے نوکری مل گئی ہے۔" اشفاق جوش سے بولا تو اماں سعیدہ کا وجود گویا ہلکا پھلکا ہوگیا۔ خوشی اور محبت سے اشفاق کا ماتھا چوم ڈالا۔

"جا حاجرہ جلدی سے مٹھائی اور چائے لے کر آ......" حاجرہ مٹھائی کا ڈبا تھام کر دھیمے لہجے میں بولی۔

"مبارک ہو......"

"خیر مبارک......" اشفاق زیرِ لب بولا۔

حاجرہ برآمدے کے کونے میں بنے چھوٹے سے کچن میں چلی گئی۔

"پتر تجھے بہت بہت مبارک ہو۔ جمیلہ بھرجائی اور بھائی شکور کو میری طرف سے بہت بہت مبارکباد دینا۔ آج رات کا کھانا سب کا میرے گھر، اپنی اماں اور ابا کو لے کر آنا۔" اماں سعیدہ نے خوشی میں جھٹ کھانے کی دعوت دے ڈالی۔

"ضرور چاچی، اماں اور ابا کو لے کر آؤں گا رات کو۔" اشفاق نے یقین دلایا۔

"اونہہ جیسے تائی تو آ ہی جائے گی۔" چائے کپوں میں انڈیلتی حاجرہ بڑبڑائی۔

"جلدی چائے لے آ حاجرہ۔" اماں سعیدہ کی پکار پر حاجرہ ٹرے میں دو کپ اور مٹھائی والی پلیٹ رکھ کر چارپائی کے قریب چلی آئی۔ اماں سعیدہ نے چارپائی پر ٹرے رکھی اور اشفاق کو کپ تھمایا۔ اشفاق نے محبت سے لو دیتی نگاہوں سے حاجرہ کو دیکھا اور کپ تھام کر لبوں سے لگالیا۔ حاجرہ نے ایک پل کے لیے ان نگاہوں میں دیکھا پھر پلٹ کر کمرے میں چلی گئی۔ دل دھڑک اٹھا تھا لیکن دل کو لگام ڈالنا اُسے آتی تھی۔ مشین پر کپڑوں کی سلائی شروع کرتے ہوئے بھی اس کے دھیان کی ساری ڈوریں باہر صحن میں بندھی تھیں۔ باہر صحن میں اشفاق چائے ختم کر کے اٹھ کھڑا ہوا۔

"اچھا چاچی...... اب چلتا ہوں۔ شام کو یا رات کو اماں اور ابا کو ضرور لاؤں گا۔" اشفاق نے ادب سے اجازت چاہی۔

"چل ٹھیک ہے پتر...... ضرور لانا اپنے اماں ابا کو۔" اماں سعیدہ نے محبت سے الوداعی ہاتھ اشفاق کے گھنے بالوں پر پھیرا۔

"اچھا چاچی...... اللہ حافظ۔" باہر کی طرف قدم بڑھاتے اشفاق نے اپنی آواز دانستہ بلند رکھی۔ جس کو سنانا مقصود تھا اس نے بہت محبت بھری توجہ سے اس کا اللہ حافظ سنا اور مشین پر جھکے وجود کے لبوں پر دھیرے سے اللہ حافظ آ گیا۔

شکور اور غفور دو ہی بھائی تھے۔ ایک ہی محلے

www.urdusoftbooks.com

میں الگ الگ گلیوں میں رہائش پذیر دونوں بھائیوں کی بازار میں پرچون کی دکان تھی۔ دکان دونوں کی خوب چلتی تھی۔ شکور کی ایک ہی اولاد نرینہ تھی۔ بیٹی تھی نہیں شکور کی بیوی جمیلہ کو بیٹے کی ماں ہونے کا غرور تھا۔ بیٹا بھی قابل' پڑھنے لکھنے کا شوقین' جمیلہ کا غرور دو آتشہ ہو گیا۔ غفور اور سعیدہ کی ایک ہی بیٹی حاجرہ تھی۔ اولاد نرینہ نہ ہونے کا دکھ کبھی کبھی جاگتا لیکن دونوں میاں بیوی رب کی رضا میں راضی رہتے۔ حاجرہ مڈل میں تھی جب غفور کا ایکسیڈنٹ میں انتقال ہو گیا۔ شکور نے بھائی کی دکان میں رکھا سامان خرید کر رقم سعیدہ کے حوالے کر دی۔ مکان ذاتی تھا کرائے کا جھنجھٹ نہ تھا۔ ایک سال اسی رقم سے کھینچ تان کر گزارا کیا حاجرہ کے آٹھویں کے امتحان دیتے ہی سعیدہ نے اسے سلائی' کڑھائی' نقش دبکی اور نگوں کو ٹانکنے کا کام سکھانے اسکول میں ڈال دیا۔ خود لنڈے سے جرسیاں خرید کر ادھیڑ کر بان بنا کر بیچنے لگی۔ زندگی کی گاڑی رینگنے لگی۔ سعیدہ کی خودداری نے کبھی اجازت نہ دی کہ وہ جیٹھ سے کسی قسم کی مدد لے۔ سال بعد ہی حاجرہ سارے کاموں میں طاق ہو گئی۔ گزارا آسانی سے ہونے لگا۔

سعیدہ فیکٹری سے کپڑوں کی سلائی کا آرڈر لیتی حاجرہ سلائی کر دیتی۔ انہی دنوں حاجرہ کے ہاتھ اخبار کا ایک صفحہ لگا۔ جس پر فیشن شو میں ماڈل دلہنوں کی تصاویر تھیں۔ حاجرہ جدید ڈیزائن کے دیدہ زیب لہنگے دیکھ کر مبہوت رہ گئی۔ ایک لہنگے پر تو حاجرہ کا دل بری طرح ٹک گیا۔ حاجرہ نے صفحہ سنبھال کر رکھ لیا۔ منت ترلا کر کے اماں سعیدہ سے بالآخر لہنگا بنانے کی اجازت لے لی۔ حاجرہ دو سال پیسوں کی بچت کر کے اتنی رقم اکٹھی کرنے میں کامیاب ہو گئی کہ وہ لہنگا بنانے کے لیے مطلوبہ سامان خرید سکے۔ باقی کام تو اس نے خود ہی کرنا تھا۔ اس کی انتھک محنت سے جو لہنگا تیار ہوا اس کو دیکھ کر حاجرہ تو کیا اماں سعیدہ کی نگاہیں بھی خیرہ ہو گئیں۔

آبدیدہ ہو کر بیٹی کے بلند نصیب کی دعا مانگی۔

دوسری طرف اشفاق بھی پڑھ لکھ گیا جمیلہ کی گردن کا سریا مزید اکڑتا گیا۔ شکور نے دوسرے گھر میں تین مرلے مزید خرید کر شامل کر لیے پانچ مرلے کے گھر پر بہترین گھر تعمیر کیا اب تو جمیلہ دونوں ماں بیٹی کی صورت دیکھنے کی روادار نہ رہی۔ شکور کی پرچون کی دکان چھوٹے سے جنرل اسٹور میں ڈھل گئی تھی۔ دکان کی تعمیر اسی جنرل اسٹور سے ہونے والی آمدن کی مرہون منت تھی۔

اماں سعیدہ کی دلی آرزو تھی۔ شکور بھائی حاجرہ کا رشتہ اشفاق کے لیے مانگ لے۔ حاجرہ کے بھی خوابوں کا شہزادہ اشفاق ہی تھا لیکن تائی جمیلہ کے تیور اس کے دل کو اس کی اوقات باور کراتے رہتے تھے۔ حاجرہ کو اپنی عزت اور خودداری بے حد عزیز تھی۔ اس لیے اس نے ہمیشہ اشفاق سے لیے دیے انداز میں بات کی۔ اماں سعیدہ کی خواہش کے باوجود حاجرہ کا رشتہ تو اشفاق سے طے نہ ہوا۔

لیکن حاجرہ کا جب بھی دل چاہتا ٹرنک میں حفاظت سے رکھے لہنگے کو نکال کر دیکھنے لگتی اور خوابوں کے جہان میں پہنچ جاتی پھر اماں سے کبھی کبھار خوب ڈانٹ پڑتی۔ لیکن حاجرہ ہر تیسرے روز ٹرنک کھول کر بیٹھ جاتی۔ تائی جمیلہ کو تو حاجرہ زہر لگتی تھی۔ سانولی رنگت والی حاجرہ میں اسے کوئی کشش محسوس نہ ہوتی تھی۔ وہ دونوں ماں بیٹی کو غریب غربا سمجھ کر منہ نہ لگاتی تھی۔ اب اشفاق نوکری پہ لگ گیا تھا۔ دونوں ماں بیٹی کے دل میں خدشہ تھا اب جمیلہ شاید ان کے غریب خانے پر آنا

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

پسند نہ کرے۔ پھر بھی سعیدہ نے کھانے کی دعوت دے ڈالی تھی۔ حاجرہ عصر کے بعد چولہے کے پاس آ بیٹھی اس کا ارادہ چکن پلاؤ اور بھنڈی گوشت پکانے کا تھا۔ حاجرہ نے دل لگا کر کھانا تیار کیا۔ رائتے میں کھیروں کا کچومر سلاد بھی ڈالا۔

شام سے کچھ وقت پہلے کھانا بالکل تیار تھا۔ روٹیاں مہمانوں کی آمد پر حاجرہ نے پکانی تھیں گرمی اور حبس نے حاجرہ کو نڈھال کر دیا تھا۔ کھانا پکانے کے دوران پسینہ اس کی چوٹی سے ایڑھی تک بہنے لگا تھا۔ حاجرہ نہانے کے لیے غسل خانے میں گھس گئی۔ اماں سعیدہ کی نگاہیں دروازے پر گویا کیل بن کر گڑ گئی تھیں۔ حاجرہ نہادھو کر صاف ستھرے کپڑے پہن کر تیار بھی ہو گئی۔ تایا اور تائی کی آمد نہ ہوئی۔ حاجرہ چھت پر چلی گئی۔ اسے رمضان کا چاند دیکھنا تھا۔ آسمان کو بغور دیکھتے اسے پتلی سی کمان نظر آ ہی گئی۔ اس کا دل جھوم اٹھا۔ جھٹ ہاتھ رب کی بارگاہ میں اٹھ گئے۔ آنکھیں بند کر کے رب سے مناجات کر کے چہرے پر ہاتھ پھیرا ہی تھا جب مانوس قدموں کی چاپ قریب ہی ابھری۔ سرگوشی ساعتوں کو گرما گئی۔

''کیا مانگا رب سے؟''

''اپنے رب سے میں نے اس کی رضا مانگی ہے۔'' حاجرہ پُرسکون انداز میں کہہ کر لکڑی کی سیڑھی کی طرف بڑھی۔ اس کی بے نیازی پر اشفاق کے لبوں کے کنارے مسکراہٹ سے بھیگ گئے۔ اشفاق کی آمد نے حاجرہ کو تایا تائی کی آمد کا پتہ دیا تھا۔ وہ سیڑھی سے اتری تو نگاہ سیدھی تائی جمیلہ پر پڑی جو کڑے تیوروں سے حاجرہ کو گھور رہی تھی۔ اشفاق کا چھت پر جانا جمیلہ کو بری طرح کھلا تھا۔ جانتی تھی بیٹا حاجرہ سے شادی کا خواہش مند ہے لیکن وہ اس کالی کلوٹی غریب گھر کی لڑکی کو منہ کیوں لگاتی۔ حاجرہ کا سانولا رنگ جمیلہ کو کالا ہی لگتا۔ حاجرہ نے تائی کے تیور نظر انداز کر کے ادب سے تایا تائی کو سلام کیا۔ تایا شکور نے محبت سے سر پر ہاتھ پھیرا۔ جبکہ تائی نے رخ ہی پھیر لیا سعیدہ کے دل پر گھونسہ پڑا لیکن چہرے پر ضبط کی سرخی کے باوجود مسکراہٹ تھی۔ حاجرہ نے جھٹ پٹ تازہ روٹیاں پکا کر دسترخوان سجا دیا۔

اشفاق بھی چھت سے نیچے آ چکا تھا۔ سب کے بیٹھتے ہی حاجرہ بھی ماں کے اشارے پر مٹھائی بڑی پلیٹ میں ڈالے چلی آئی۔ اماں سعیدہ نے اپنی ازلی سادگی سے اشفاق کے مٹھائی لانے کی بابت بتا دیا۔ تائی جمیلہ گویا جلتے توے پر جا بیٹھی۔ حاجرہ اماں کے ساتھ بیٹھ کر پلیٹوں میں سالن اور چاول ڈال کر تایا اور تائی کے سامنے رکھنے لگی۔ اشفاق کو مکمل نظر انداز کیا۔ حاجرہ کے کھانا پیش کرنے پر تائی جمیلہ بارود بن کر بھڑک اٹھیں۔ زیادہ آگ تو مٹھائی کی لگی تھی اشفاق نے ان ماں بیٹی کو نوکری لگنے کا کیوں بتایا' حاجرہ اور سعیدہ پر گویا جلتے انگارے پھینکے۔

''بند کرو یہ چونچلے...... اشفاق کو مٹھی میں کرنے کے گُر سیکھے بیٹھی ہیں دونوں ماں بیٹی' سب کرتوت جانتی ہوں تم ماں بیٹی کے۔'' بنا شوہر اور بیٹے کا لحاظ کیے تائی جمیلہ نے دونوں ماں بیٹی کا دل ادھیڑ کر رکھ دیا۔ حاجرہ کا وجود بھربھری مٹی میں ڈھل گیا۔ اتنی اہانت و ذلت اشفاق نے دکھ اور شرمندگی کی ملی جلی کیفیت سے حاجرہ کا سرسوں کا پھول بنا چہرہ دیکھا' تایا شکور بیوی کی بدزبانی پر آگ بگولا ہوا اٹھے۔ گرج کر بولے۔

''زبان سنبھال کر بات کر جمیلہ' میری بھابی اور بھتیجی کے بارے میں بات کرتے وقت سوچا سوچا کر' زیادہ ہی منہ کھل گیا ہے تیرا۔ حاجرہ مجھے

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

بھی اشفاق کے لیے پسند ہے۔ تُو کون ہوتی ہے اعتراض کرنے والی۔'' تایا شکور نے اچھی طرح بیوی کی طبیعت صاف کی۔

''ماں ہوں میں اشفاق کی جہاں میں چاہوں گی وہیں اشفاق کا رشتہ طے ہوگا۔ لوکر لوگل چاچی کے گھر عشق معشوقی کا کھیل چل رہا ہے۔ ذرا جو شرم ہو سعیدہ کے دیدوں میں۔'' جواباً جمیلہ نے گویا پورے ٹینک کے گولے داغ دیے۔ سعیدہ کا وجود ریزہ ریزہ ہوکر بکھرنے لگا۔ حاجرہ کے تو کاٹو بدن میں لہو نہیں۔ مزید بیٹھنا دشوار ہوگیا۔ بجلی کی سی تیزی سے اٹھی اور کمرے میں غائب ہوگئی۔ مجھے بھی یہاں بیٹھنے کا کوئی شوق نہیں۔ یہ تو اشفاق پیچھے ہی پڑ گیا تو مجھے آنا پڑا۔ جا رہی ہوں میں۔'' حاجرہ کے اٹھنے پر تائی جمیلہ انگارے چباتی اٹھی اور چند ہی لمحوں میں بیرونی دروازہ پار کرگئی۔ تایا شکور تائی جمیلہ کی اتنی جرأت پر انگشت بدنداں، ذرا جو اپنے مجازی خدا کی موجودگی کا لحاظ کیا ہو بدزبان عورت نے، غصے سے کھول کر رہ گئے۔ دسترخوان پر سجا کھانا الگ اپنی بے قدری پر نالاں تھا۔ اماں سعیدہ سر نیہوڑائے غم و اندوہ کی تصویر بنی بیٹھی تھیں۔ تایا شکور اٹھ کھڑے ہوئے تو سعیدہ کا جھکا ہوا سر تب بھی نہ اٹھا۔ تایا شکور نے سعیدہ کے سر پر ہاتھ رکھ کر گویا ڈھارس دی اور بنا کچھ کہے گھر کی دہلیز پار کرلی۔ جمیلہ کی تو گھر جاکر خبر لینی تھی۔ اشفاق دکھی دل لیے اٹھا اور کمرے میں چلا گیا جہاں حاجرہ پلنگ پر بمشکل سسکیاں دباتی بیٹھی تھی۔ اماں نے جو کچھ کہا۔

''مجھے اس کا بہت زیادہ دکھ اور پشیمانی ہے۔'' حاجرہ کے قریب کھڑے ہوکر اشفاق بولا تو لہجہ اُن کہے کرب کی آنچ میں لپٹا تھا۔ حاجرہ کے وجود میں جنبش تک نہ ہوئی۔ اشفاق حاجرہ کی نگاہوں کے سامنے جم کر کھڑا ہوگیا۔ حاجرہ کی نم آلود نگاہیں اشفاق کی محبت سے لو دیتی نگاہوں سے ٹکرائیں تو حاجرہ بولی۔ لہجے میں تلخی گھلی تھی۔ میں مڈل پاس تم ایم اے پاس، میرا تمہارا کیا جوڑ، بہتر یہی ہے اپنی اماں کی بات مان لو، مجھے محبت سے زیادہ عزت کی چاہ ہے۔ وہ تمہاری اماں کے پاس میرے لیے نہیں ہے۔ خود کو اور مجھے مشکل میں نہ ڈالو، اشفاق نے حاجرہ کا تلخی میں ڈوبا لفظ لفظ سماعتوں میں اتارا۔ کچھ پل خاموشی کی نذر ہوگئے اشفاق نے خاموشی کے سکوت کو توڑا۔

''محبت بھی دوں گا اور عزت بھی یہ میرا تم سے وعدہ ہے۔'' لہجہ مضبوط اور اٹل تھا۔

''دیکھتے ہیں۔'' حاجرہ نے بے نیازی سے کندھے اچکائے۔

''دیکھ بھی لوگی اور مانو گی بھی.....'' اشفاق پُرعزم لہجے میں کہتا پلٹ گیا حاجرہ کی نگاہوں نے دروازے سے نکلنے تک اشفاق کا تعاقب کیا۔

آسمان پر کالی گھنگور گھٹائیں چھائی تھیں۔ انیسواں روزہ، مدھر چلتی نسیم فزا ہر روزے دار کی روح کو فرحت بخش احساس بہم پہنچا رہی تھی۔ اماں سعیدہ اور حاجرہ صحن میں ہی جائے نماز بچھا کر نماز ظہر کی ادائیگی کے بعد تلاوت قرآن پاک میں مشغول تھیں۔ جب ادھ کھلے بیرونی دروازے سے گزر کر بتول بی بی جو محلے کے دوسرے کونے پر رہائش پذیر تھی دونوں کے قریب آرکی۔ اس محلے میں دروازہ سب گھروں کا شاذ و نادر ہی بند ہوتا تھا۔ دروازوں کے سامنے کپڑے کا پردہ لٹکا ہونے کے باعث دروازہ زیادہ تر کھلا ہی رہتا تھا۔ بتول بی بی کو دیکھ کر اماں سعیدہ نے تلاوت روک دی۔ اور نشانی رکھ کر قرآن پاک بند کردیا۔

بتول بی بی کے چہرے پر غم کی گہری

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

پرچھائیاں تھیں۔ شاید اسی وجہ سے وہ سلام کرنا تک بھول گئی تھی۔ حاجرہ نے بھی تلاوت روک کر بتول خالہ کا غمزدہ چہرہ دیکھا تو دل دکھ سے بھر گیا۔ بتول خالہ بھی بیوہ عورت تھی ایک اکلوتی بیٹی ثوبیہ اس کی کل متاع تھی۔ جس کا رشتہ طے تھا' بتول خالہ بیٹی کے رشتہ طے ہونے پر اللہ کا شکر ادا نہ کرتے تھکتی تھیں۔

اب نہ جانے کیا پریشانی تھی جو بتول خالہ کے چہرے سے چھلک رہی تھی۔ اماں سعیدہ قرآن پاک حاجرہ کو الماری میں رکھنے کا کہہ کر خود جائے نماز سے اٹھ کھڑی ہوئیں اور بتول خالہ کو مکان کے واحد کمرے میں لے گئی۔ حاجرہ نے بھی نشانی رکھ کر قرآن پاک بند کر کے غلاف چڑھایا اور رقت سے دعا مانگی اور چہرے پر ہاتھ پھیرنے کے بعد دونوں قرآن پاک برآمدے میں بنی الماری میں رکھ کر جائے نماز تہہ کرنے لگی۔ سماعتیں کمرے سے آنے والی آوازوں پر مرکوز کر دیں۔

"کیا پریشانی ہے' بتول اب بتاؤ؟" اماں سعیدہ نے نرم لہجے میں استفسار کیا۔ بتول بی بی کی غمزدہ آنکھوں سے آنسو ٹوٹ ٹوٹ کر جھریوں میں گم ہونے لگے۔ اماں سعیدہ کا دل آنسوؤں میں گویا ڈوب گیا۔

"کچھ تو بول بتول...... میرا دل کیوں ہولا رہی ہے۔" اماں سعیدہ کا لہجہ پریشانی سے اٹا تھا۔

"سعیدہ ثوبیہ کا ویاہ مانگتے ہیں لڑکے والے' میں کہا بھی سال ٹھہر جاؤ لیکن بس ایک ہی رٹ' عید کے بعد ویاہ رکھو۔ جہیز لینے سے تو انہوں نے انکار کر دیا مہربانی ان کی' لیکن ویاہ کے باقی خرچے کہاں سے پورے کروں۔ ثوبیہ کو شادی کے دن کون سا جوڑا پہنا کر رخصت کروں گی۔ ہاتھ وچ دھیلا نہیں۔ کچھ سمجھ نہیں آتا۔ کیسے ویاہ ہوگا۔ سب گھروں سے ڈھکے چھپے امداد مانگی ہے۔ لیکن کسی نے مدد کی ہامی نہیں بھری سب سے مایوس ہو کر تیرے گھر آ گئی۔ جانتی ہوں تو بھی کہاں کی امیر ہے۔ غریب بیوہ عورت ہے لیکن تیرے پاس سب سے قیمتی چیز احساس کرنے والا دل ہے۔ جو اس محلے کے کسی صاحب حیثیت گھر کی کسی عورت کے پاس بھی نہیں۔ تیری جٹھانی نے بھی یہ کہہ کر ٹال دیا دیکھتی ہوں اگر کچھ ہو سکا تو ضرور مدد کروں گی۔ اب تو ہی بتا میں کیا کروں سعیدہ۔"

بتول بی بی پھپک پھپک کر رو پڑی۔ برآمدے میں کھڑی حاجرہ کی سماعتیں رونے کے کرب سے لرز گئیں۔ سعیدہ بھی گم صم بیٹھی تھی۔ وہ بتول کی مدد کہاں سے کرتی' رقم کبھی جمع ہوئی ہی نہیں۔ جو کمایا جاتا وہ گھر کی ضرورت میں اٹھ جاتا۔ یک لخت اماں سعیدہ کے ذہن میں جھماکا ہوا۔

حاجرہ بتول خالہ کے شدت سے گریہ زاری پر سوچ میں پڑ گئی کہ بتول خالہ کی مدد کیسے کی جائے۔ عین اسی لمحے جب سعیدہ کے ذہن میں خیال کا جھماکا ہوا تھا اسی پل حاجرہ کے ذہن میں بھی ایک خیال بجلی کے کوندے کی مانند لپکا۔ حاجرہ سرعت سے کمرے میں گئی۔ بتول خالہ رونے میں مشغول' اماں سعیدہ نے حاجرہ کے چہرے پر پھیلی فیصلے کی روشنی کو خود میں سرایت کرتے پایا۔ دونوں ماں بیٹیوں نے ایک ہی فیصلہ کیا تھا۔ سعیدہ کو حاجرہ سے بات کرنے کی ضرورت ہی نہ پڑی تھی۔ اس کی گنوں والی نیک فطرت بیٹی' سعیدہ کا دل بیٹی کے لیے دعا گو ہو گیا۔ حاجرہ نے ٹرنک کا تالا کھول کر اپنی محنت اور ارمانوں سے بنایا لہنگا دونوں ہاتھوں سے اٹھایا اور بتول خالہ کی گود میں رکھ دیا۔ بتول خالہ رونا دھونا بھول کر حیرانگی سے اتنے خوبصورت آنکھوں کو خیرہ کر دینے والے لہنگے کو دیکھنے لگی۔ قوت گویائی گویا سلب ہو گئی۔ حاجرہ نے

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

ماہ رمضان میں اپنے رب کی رضا کی خاطر اپنی سب سے قیمتی چیز قربان کردی تھی۔
اس کا دل سکون کے رنگوں سے بھرنے لگا تھا۔
بتول خالہ کچھ لمحوں بعد بولنے کے قابل ہوئیں تو لڑکھڑاتے لہجے میں بولیں۔
''اتنا سوہنا لہنگا حاجرہ...... کیا تو نے ثوبیہ کے لیے دے دیا۔'' لہجے میں بے یقینی سی بے یقینی تھی۔
''جی خالہ...... اب ثوبیہ کا ہے یہ...... تُو فکر نہ کر۔ عید کے دن تک کچھ رقم بچانے کی کوشش کروں گی۔'' حاجرہ کا لہجہ انکساری لیے ہوئے تھا۔
''جیتی رہ میری بچی...... اللہ تجھے دو جہانوں کی خوشیاں دے' تو نے میری کتنی بڑی فکر کم کردی اتنا سوہنا لہنگا دیکھ کر تو ثوبیہ خوشی سے دیوانی ہوجائے گی۔ سعیدہ بڑی چنگی تربیت کی ہے تُو نے حاجرہ کی۔ تم دونوں کو اللہ اتنا سکون اور خوشیاں دے جتنا سمندروں میں پانی ہے۔'' بتول بی بی کے دونوں ہاتھ رب کی بارگاہ میں اٹھے تھے۔ دعاؤں کا جھرنا تھا جو دہن سے بہے جا رہا تھا۔ حاجرہ اور اماں سعیدہ بھی آبدیدہ ہوگئیں طمانیت دونوں کے رگ و پے میں سرایت کرگئی تھی۔ بتول بی بی ان کے گرد دعا کا حصار کھینچ کر لہنگا لے کر چلی گئی۔
گرمی کا زور مسلسل ہونے والی بارشوں توڑ دیا تھا۔ آخری عشرہ رحمت وانوار کی تجلیاں ہر مومن پر گرائے خراماں خراماں اختتام کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اشفاق نے اُس دن کے بعد پھر چکر نہ لگایا تھا۔ اماں سعیدہ کی بھی اب امید دم توڑ چکی تھی۔ حاجرہ افطاری بنانے میں مگن تھی چھبیسویں روزے کی بابرکت رات اسے عبادت کرنا تھی۔ آج اس کی نیت پوری رات جاگنے کی تھی۔ افطاری میں اس کا دل چکن کے پکوڑے کھانے کو چاہا تو اماں سے چکن منگوالیا۔ اماں نے اس ماہ کے ڈائجسٹ بھی لادیے تھے۔ حاجرہ نے عید کے دن ڈائجسٹ پڑھنے تھے۔ اس وقت وہ پکوڑے تلنے میں مصروف تھی۔ پکوڑوں کی اشتہا انگیز خوشبو چھوٹے سے گھر میں پھیلی تھی۔ اماں سعیدہ صحن میں بچھی چارپائی پر بیٹھی آسمان پر اڑتے پرندوں کو دیکھنے میں گم تھی۔ دل بے حد اداس تھا۔ لب چپکے چپکے رب سے مناجات میں مصروف تھے۔
''میرے سوہنے اللہ...... میری بیٹی کے نصیب کا رشتہ بھیج دے۔'' دروازے پر کھٹکا ہوا۔ حاجرہ نے چونک کر دروازے کی جانب دیکھا۔ اماں سعیدہ کے دھیان کی ڈوریں رب کے ساتھ بندھی تھیں۔ کھٹکے پر توجہ نہ دی۔ لٹکتے پردے کے پیچھے سے نمودار ہوتے تایا اور تائی کو دیکھ کر حاجرہ کا وجود منجمد ہوگیا۔ اس کے وجود کا انجماد تایا تائی کی آمد کے باعث نہیں تھا بلکہ تائی کے ہنستے مسکراتے چہرے کے باعث تھا۔
''السلام علیکم!'' تایا شکور کی پُرجوش آواز پر اماں سعیدہ کرنٹ کھا کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔ چہرے پر خوشی' نگاہوں میں حیرانگی لیے اماں سعیدہ جھٹ وعلیکم السلام بولیں۔ آواز وفور مسرت سے کانپ رہی تھی۔
''کیا حال ہے سعیدہ......'' تائی جمیلہ نے مسکرا کر حال پوچھا تو سعیدہ مارے حیرت کے بے ہوش ہوتے ہوتے بچی' یہ کایا کیسے پلٹ گئی۔
''میں ٹھیک ہوں بھرجائی...... آؤ آؤ اندر کمرے میں چلو' باہر حبس ہے پنکھے کے نیچے سکون ہے۔'' سعیدہ دونوں کو ہمراہ لیے کمرے کی جانب بھی لیکن اس کی حیرت دوچند ہوگئی جب جمیلہ نے حاجرہ کو بھینچ کر گلے لگا کر ماتھا چوما۔ حاجرہ اتنی محبت پر آبدیدہ ہوگئی وہ بھی حیرانگی کے جنگل میں سرگرداں تھی تائی جمیلہ اتنی محبت کرنے والی تائی

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

کیسے بن گئی۔ تایا اور تائی کے کمرے میں جاتے ہی حاجرہ میں پھرتی آ گئی۔ سرعت سے پلاسٹک کی بالٹی میں چاول چھک کیے۔ ایک کلو چاول دیکھ کر جھٹ چکن پلاؤ بنانے کا خیال ذہن میں ابھرا۔ تھوڑا سا چکن اس نے سالن بنانے کے لیے بچایا تھا۔ اسے افطاری تک مزیدار سا کھانا تیار کرنا تھا۔

''سعیدہ...... حاجرہ کو میری بیٹی بنا دو۔ میرا اشفاق حاجرہ کو بہت خوش رکھے گا۔'' تائی جمیلہ کا لہجہ محبت بھرا اور شہد آگیں تھا۔ سعیدہ پر تو شادی مرگ کی کیفیت طاری ہوگئی۔ سوہنے رب نے اس کی دم توڑتی امید کو پل بھر میں زندگی عطا کی تھی۔ اماں سعیدہ کو بتول بی بی کی دعا کے کھینچے گئے حصار کی قبولیت کا یقین آ گیا۔ جمیلہ بھرجائی کا مان جانا اسے دعا کی قبولیت کا نتیجہ ہی لگا تھا اتنا قابل' خوبصورت نوجوان ان کی بیٹی کا نصیب رب نے بنا دیا تھا۔

''بھئی سعیدہ انکار نہ کرنا...... مجھے تو حاجرہ اشفاق کے لیے اول دن سے پسند ہے۔ جس دن یہ دنیا میں آئی تھی۔'' تایا شکور سعیدہ کی خاموش پر محبت سے گویا ہوا۔ یا اللہ اتنی خوشیاں کیسے سمیٹوں میں کہیں میرا دامن تنگ نہ پڑ جائے۔ نگاہوں میں نمی' لہجے میں خوشی کی کھنک لیے اماں سعیدہ عاجزی وانکساری سے گویا ہوئی۔

''بھائی شکور حاجرہ تم دونوں کی ہی بیٹی ہے جب چاہو آ کر اپنی امانت لے جانا۔''

''پھر حاجرہ کو بلاؤ شگن تو کرلوں۔'' تائی جمیلہ کا لہجہ اندرونی خوشی کا غماز تھا۔

''حاجرہ کمرے میں آ جلدی......'' اماں سعیدہ کی خوشی کا ٹھکانا نہیں تھا' جھٹ حاجرہ کو پکارا۔ شرمائی لجائی حاجرہ کمرے میں داخل ہوئی تو تائی جمیلہ سرعت سے اٹھی اور حاجرہ کو ساتھ لگائے چارپائی پر آ بیٹھی۔ حاجرہ کی آنکھیں خوشی کے بے پایاں احساس سے نم ہوگئیں۔ چاول بھگو کر رکھے ہی تھے جب اماں کی پکار اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تھی۔ تائی جمیلہ نے ہزار کا نوٹ حاجرہ کی ہتھیلی پر رکھ کر بات پکی کر دی۔ تایا شکور نے بھی اٹھ کر حاجرہ کو محبت سے ساتھ لگا لیا۔ اماں سعیدہ کا چہرہ خوشی سے گلنار تھا۔

''اشفاق افطاری کے بعد مٹھائی لے کر آئے گا۔ پھر سب کا منہ میٹھا کرواؤں گی۔'' تائی جمیلہ خوشی سے کھنکتے لہجے میں بولی تو حاجرہ نے شرما کر سر جھکا لیا۔ خوشی اس کے لہجے میں وہ اپنے بھگو کر رکھے چاولوں کو بھی بھول گئی۔ اُسے نہ جانے کیوں یقین ہو چلا تھا یہ بتول خالہ کی دعا کا حصار تھا جس نے اس کی سونی زندگی میں رنگ بھر دیے تھے۔ اماں سعیدہ کی سوچ بھی اسی نکتے پر ٹھہری تھی دونوں ماں بیٹی کے ذہن میں بیک وقت ایک ہی خیال روشنی بن کر چمکا تھا بتول خالہ کی صدق دل سے دی گئی دعاؤں کی قبولیت تائی جمیلہ کی آمد کی صورت ان کے سامنے تھی۔

''جا حاجرہ جا کے افطاری بنا۔'' اماں سعیدہ نے حاجرہ کو مخاطب کیا۔ حاجرہ اٹھی اور دھیرے سے چلتی کمرے سے نکل گئی۔ تائی جمیلہ کی محبت بھری نگاہوں نے حاجرہ کے کمرے سے نکلنے تک حاجرہ کا پیچھا کیا۔ حاجرہ کو بہو بنانے کا خیال بھی اس کے ذہن و دل پر حاوی نہ ہوتا اگر اس کی ملاقات بتول بی بی سے نہ ہوتی۔ بتول نے جمیلہ سے بھی امداد طلب کی تھی تب تو جمیلہ نے ٹرخا دیا تھا ایک دن یونہی بیٹھے بیٹھے دل میں نیکی کمانے کا جذبہ پوری شدت سے اجاگر ہوا۔

پانچ ہزار لے کر بتول بی بی کے گھر پہنچ گئی۔ ایک کمرے پر مشتمل گھر میں کسمپرسی کا عالم تھا۔ بتول بی بی جمیلہ کو اپنے غریب خانے پر دیکھ کر حیرت سے

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

گنگ رہ گئی۔ جمیلہ تو گھر جانے پر سیدھے منہ نہیں بلاتی تھی کجا اس کے گھر میں آمد...... لیکن جمیلہ اس کے گھر میں موجود تھی۔ بتول بی بی نے احترام سے جمیلہ کو بوسیدہ موڑھے پر بٹھایا' جمیلہ حیرانگی سے گھر کی حالت زار دیکھ کر سوچ میں گم تھی ثوبیہ کا رشتہ لے کیسے لیا ان لوگوں نے......

یہی سوال زبان کی نوک پر مچل گیا۔ بتول بی بی عاجزی میں پور پور ڈوبے لہجے میں بولی۔

''بس مولا کا کرم ہو گیا وہ اپنے بندوں پر بہت مہربان ہے۔ دن رات اپنی ثوبیہ کے لیے دعائیں مانگیں اللہ نے کرم کیا رشتہ بھیج دیا۔ لڑکے کی اپنی پھلوں کی ریڑھی ہے گلی گلی بیچتا ہے۔ من کا کھرا' دید لحاظ والا...... مانو میری ثوبیہ کا نصیب کھل گیا۔''

''اچھا یہ لے رقم...... ثوبیہ کی شادی کے دن والا سوٹ لے لینا......'' بتول بی بی کی بات مکمل ہونے پر تائی جمیلہ نے پانچ ہزار کا نوٹ اس کی جانب بڑھایا جسے اس نے عقیدت سے تھام لیا۔ تائی جمیلہ اتنی گرمی اور حبس سے گھبرا کر اٹھنے کو پر تولنے لگی جب بتول بی بی کی بات نے اسے چارپائی سے گویا باندھ دیا۔

''ثوبیہ کی شادی والے جوڑے کا انتظام ہو گیا ہے۔ یہ رقم دوسرے خرچوں میں کام آجائے گی۔''

''کیسے انتظام ہوا؟'' جمیلہ نے بے اختیار استفسار کیا۔ جاننے کی بے چینی تھی آخر کس نے اتنی رقم فراہم کی۔ تجسس آڑے آچکا تھا۔

''اپنی حاجرہ نے اپنا اتنا سوہنا لہنگا ثوبیہ کے لیے دیا ہے۔ میں لا کر دکھاتی ہوں۔'' بتول بی بی جوش سے اٹھ کر لوہے کے ٹرنک کی طرف بڑھی۔ ثوبیہ کمرے کے ایک کونے میں سلائی مشین سنبھالے بیٹھی تھی۔ اس نے تائی جمیلہ کو دھیمے لہجے میں سلام کیا تھا جو جمیلہ نے سنا ہی نہیں تھا ثوبیہ پھر کام میں جت گئی تھی۔ اب کمرے میں اس کا ہونا نہ ہونا برابر تھا۔ لیکن ثوبیہ نے مشین چلانی روک کر خوشی چھلکاتی نگاہوں سے اپنی اماں کو لہنگا تائی جمیلہ کی طرف لے جاتے دیکھا اور پھر نگاہیں جھکا کر مشین چلانے لگی۔ جمیلہ کی نگاہیں اتنا خوبصورت نگوں سے مزین جھلمل کرتا لہنگا دیکھ کر تحیر کے باعث پھیل گئیں۔

''یہ لہنگا حاجرہ کے پاس کہاں سے آیا؟'' دونوں ماں بیٹی کی غربت اس کی نگاہوں سے مخفی تو نہ تھی۔

''حاجرہ نے خود بنایا تھا اپنے ہاتھوں سے اپنے لیے۔ سعیدہ نے مجھے بتایا تھا' حاجرہ نے بچت کر کے رقم اتنی اکٹھی کر لی پھر یہ لہنگا بنایا۔ دل کی اتنی ستھری اور نیک' درد مند دل رکھنے والی میرے مجبوری بیان کرنے پر جھٹ لہنگا میری گود میں لا رکھا۔ خالہ یہ ثوبیہ کا ہوا' اتنی اچھی فطرت' اللہ اس کے نصیب بلند کرے۔ جس گھر میں جائے گی چراغاں کر دے گی اپنی اچھی عادات سے...... ثوبیہ تو اتنی خوش ہوئی لہنگا دیکھ کر...... حاجرہ نے میری بیٹی کا دل خوش کر دیا۔ میرا دل حاجرہ کے گرداب ہمہ وقت دعاؤں کا حصار کھینچتا رہتا ہے۔ اللہ حاجرہ کا دل بھی خوشیوں سے آباد کرے۔'' تائی جمیلہ کا دل تو حاجرہ کے اتنا قیمتی لہنگا دینے پر ہی نرم موم میں ڈھل چکا تھا۔ دل کی خوشی کی بات پر اشفاق کا چہرہ نگاہوں کے سامنے پھرنے لگا۔ اشفاق کے دل کی خوشی تو حاجرہ تھی یقیناً حاجرہ کے دل کی خوشی بھی اشفاق ہوگا۔ وہ دو دلوں کو خوشیوں سے دور کرنے کا گناہ کیوں کماتی۔ حاجرہ کا دل تو خاص تھا۔ اس خاص دل والی کو ہی اب اسے اپنی بہو بنانا تھا۔ فیصلہ اسی پل ہو گیا تھا۔ اس پر یقین کی مہر ثبت اب جمیلہ نے کر دی تھی۔ حاجرہ کی ہتھیلی پر ہزار کا نوٹ رکھ کر

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

اسے وہ پل کیسے بھول سکتا تھا جب اس نے اپنے شوہر اور بیٹے کے سامنے حاجرہ کے لیے رضامندی دی تھی۔ تایا شکور نے محبت سے بیوی کو دیکھا تھا۔ اشفاق نے تو باقاعدہ خوشی سے بھنگڑا ڈالا تھا۔ گھر کے در و دیوار خوشی سے گنگنانے لگے تھے۔ جس کی وجہ سے اس گھر کے در و بام سے خوشیاں لپٹی تھیں وہ اسے گھر میں کیوں نہ لاتیں۔ حاجرہ کمرے سے جا چکی تھی تائی جمیلہ نے بھی سوچوں کے حصار سے نکل کر اماں سعیدہ کی طرف دیکھا جو جیٹھ سے محوِ گفتگو تھی لیکن گاہے بگاہے نگاہ جٹھانی کے چہرے کی طرف بھی اٹھ جاتی۔ تائی جمیلہ نے مسکرا کر سعیدہ کو دیکھا اور ان کی گفتگو میں شامل ہو گئی۔ جو اشفاق اور حاجرہ کی شادی کے متعلق تھی۔

مزیدار افطاری کرنے کے بعد نمازِ مغرب ادا کر کے سعیدہ اور جمیلہ کمرے میں چلی گئیں۔ تایا شکور مسجد سے نہ لوٹے تھے۔ حاجرہ نماز مغرب کی ادائیگی کے بعد برتن سمیٹ رہی تھی۔ جب مانوس قدموں کی چاپ قریب ہی ابھری۔ دل دھڑک اٹھا لیکن لہجے میں حتی المقدور بے نیازی سمو کر پلٹ کر گویا ہوئی۔

"یہ چوروں کی طرح دبے پاؤں کیوں آئے ہو۔"

"بھئی سنا ہے کسی کو ہمارا آنا ناگوار گزرتا ہے۔"

لہجے میں شوخی نگاہوں میں شرارت لیے دونوں ہاتھوں میں پانچ کلو مٹھائی کی ٹوکری تھامے اشفاق کی گھمبیر سرگوشی نے حاجرہ کے گال پر گویا سرخ گلاب کی پتیوں کو بکھیر دیا گیا ہو۔ اشفاق نے دلچسپی اور محبت بھری محویت سے سرخ رنگ کی بہار کو ملاحظہ کیا۔

"جاؤ اندر کمرے میں......" حاجرہ کی اس کے دیکھنے کی محویت پر ساری بے نیازی ہوا ہو گئی۔ گڑبڑا کر بولی۔ اس سے قبل اشفاق کچھ کہتا۔ تائی جمیلہ غالباً اس کی آواز سن چکی تھی۔ پکار کر اشفاق کو کمرے میں بلایا۔

"بعد میں بات کروں گا تجھ سے۔ اماں کی بات سن لوں۔" اشفاق دھیرے سے دھیمے لہجے میں بولتا کمرے کی جانب بڑھ گیا۔ حاجرہ نے تشکر بھری نگاہیں آسمان کی جانب اٹھا دیں۔

"سوہنے رب نے اس کے دل کو خوشیوں سے بھر دیا تھا شکر واجب تھا۔ صحن میں بچھی چٹائی سے برتن وہ اٹھا چکنے کے بعد اب چٹائی اُٹھا کر برآمدے میں رکھ ہی رہی تھی۔ جب سعیدہ کمرے سے نکلی۔

"حاجرہ پلیٹیں دو مجھے...... اور چائے بنا کر لے آنا اندر کمرے میں' تیرا تایا بس آتا ہی ہوگا۔" خوشی سے چہکتے لہجے میں بولتی اماں سعیدہ گویا پھر سے جوان ہو اٹھی تھی۔ حاجرہ نے پلیٹیں پکڑائیں تو وہ کمرے میں غائب ہو گئی۔ حاجرہ درود پاک سے ورد کرتی چائے کا پانی رکھنے لگی۔ جب تک چائے تیار ہوئی تایا شکور بھی آ گئے۔ حاجرہ نے چائے کپوں میں انڈیل کر کپ ٹرے میں سجائے اور کمرے میں داخل ہو گئی۔

"لو میری دھی (بیٹی) آ گئی ہن منہ میٹھا کرا جمیلہ......" تایا شکور محبت سے بولے تائی جمیلہ نے اپنے دونوں اطراف حاجرہ اور اشفاق کو بٹھالیا۔ برفی کا ٹکڑا پکڑ کر اشفاق کو کھلایا اور پھر حاجرہ کے منہ کی جانب بڑھایا۔ حاجرہ نے منہ کھولتے ہوئے پل بھر کے لیے اشفاق کو دیکھا لیکن اس کی نگاہوں میں مچلتی محبت اور احترام دیکھ کر نگاہیں جھکا لیں۔ رب نے اس کی جھولی میں محبت کے ساتھ احترام اور عزت بھی ڈال دی تھی۔ دعا کے حصار نے اس کے وجود کا اس شدت سے گھیراؤ کیا تھا کہ وہ مالا مال ہو گئی تھی۔ اس کے خوابوں کا شہزادہ اسے مل چکا تھا۔

☆☆......☆☆

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

کراچی سے سچی کہانی

اچھی بیٹی

اچھی لڑکیاں کبھی والدین کی عزت کو پیروں تلے نہیں روندتیں......

فوزیہ اختر

آج میں جب اس قسم کے واقعات سنتی ہوں کہ لڑکی اپنے عاشق کے ساتھ بھاگ گئی یا دونوں کے گھر والوں نے دو پیار کرنے والے جوڑے کو قتل کر دیا تو میرا دل بے حد غمزدہ ہو جاتا ہے محبت کرنا کوئی جرم نہیں، مگر آج کے دور میں محبت کو ایک کاروبار بنا دیا گیا ہے۔

جس طرح لوگ اپنا موبائل چینج کرتے ہیں بالکل اسی طرح اپنی محبت کو بھی بدل لیتے ہیں، محبت صرف پا لینے کا نام نہیں ہے بلکہ محبت میں ایک دوسرے کا احترام اور عزت لازم ہے اگر یہ نہ ہو تو محبت، محبت نہیں رہتی بلکہ ہوس بن جاتی ہے۔

یہ اُن دنوں کی بات ہے جب میں آٹھویں کلاس کی طالبہ تھی۔ پڑھنے میں اچھی تھی گھر میں والدہ ہی مجھے پڑھاتی تھیں، کیونکہ وہ میٹرک پاس تھیں۔

1980ء کی بات ہے اُس زمانے میں ٹیوشن سینٹر نہ ہونے کے برابر تھے۔ زیادہ تر بچے گھر ہی میں پڑھتے تھے۔

میری دوست روبینہ میری بہت گہری سہیلی تھی۔ ایک دن روبینہ اسکول سے غیر حاضر تھی میں اسکول گئی تو پتہ چلا کہ روبینہ کو بخار ہے اس لیے وہ اسکول نہیں آسکی ہے۔

روبینہ کا گھر میرے گھر سے کافی دور تھا اور مجھے کسی سہیلی کے گھر جانے کی اجازت نہ تھی۔ لہٰذا گھر آکر میں نے روبینہ کو فون کیا تاکہ اُس کی طبیعت معلوم کرسکوں۔

اُس زمانے میں زیادہ تر پی ٹی سی ایل فون ہوا کرتے تھے۔ میں نے روبینہ کا نمبر ڈائل کیا تو نہایت خوبصورت آواز میں ایک نوجوان نے فون اٹھایا میں نے کہا کہ میں روبینہ سے بات کرنا چاہتی ہوں۔

اُس نوجوان نے اپنا نام منصور بتایا اور کہا کہ آپ نے غلط نمبر ڈائل کیا ہے؟ اگر آپ چاہیں تو مجھ سے بات کرسکتی ہیں کیونکہ میں بھی اس وقت بور ہو رہا ہوں۔

www.urdusoftbooks.com

وہ شخص باتوں سے انتہائی مذہب اور شائستہ لگ رہا تھا اور بات کرنے پر بضد بھی تھا۔ جانے کیوں میرے دل میں خیال آیا کہ کیوں نہ بات کر لی جائے۔

اُس شخص کی گفتگو کا انداز بہت اچھا تھا میں بھی اس سے باتیں کرنے لگی۔

اُس نے اپنے بارے میں بتایا کہ وہ اپنی بہن کے گھر رہتا ہے۔ سیکنڈ ایئر کا امتحان دیا ہے اور ساتھ ہی اپنے بہنوئی کے ساتھ اسٹیٹ ایجنسی کا کام بھی کر رہا ہے۔

اُس نے مجھے اپنا نمبر بھی دیا۔ اس طرح یہ روز کا معمول بن گیا۔ دوپہر کے وقت جب گھر والے سو جاتے تو میں اُسے فون کرتی اور ہم باتوں میں مصروف ہو جاتے۔ رفتہ رفتہ ہم ایک دوسرے کے عادی ہو گئے۔ اب اگر ایک دن بھی فون نہ آتا تو میں پریشان ہو جاتی اور میرا ذہن اُدھر ہی بھٹکتا رہتا تھا۔

کسی دن میں بات نہ کرتا تو وہ بھی سارا دن پریشان رہتا اور دوسرے دن کہتا۔

''نادیہ تم پلیز مجھے فون پر اپنی آواز ہی سنا دیا کرو میرے دل کو تسلی ہو جائے گی۔''

یہاں میرے گھر والوں کو بھی کچھ شک سا ہو گیا کہ نادیہ آخر کس سے گھنٹوں باتیں کرتی ہے ایک دن میں نے اپنی ایک دوست کو ساری

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

صورت حال بتائی اور کہا کہ میرے گھر والوں کو مجھ پر شک ہوگیا ہے آخر مجھے کیا کرنا چاہیے' روبینہ نے مجھے سمجھاتے ہوئے کہا۔

''بہتر ہے تم اُس سے بات کرنا چھوڑ دو۔ وہ ایک انجان شخص ہے جسے تم نے دیکھا بھی نہیں۔ مگر اس دل کا کیا کیا جائے جو کسی صورت مانتا ہی نہیں۔ دیکھتے دیکھتے دو سال کا عرصہ گزر گیا اب میں میٹرک میں آ چکی تھی اور ہماری فون پر باتوں کا سلسلہ یونہی جاری تھا۔

اب تو دل میں صرف یہی خواہش تھی کہ میں ایک بار اُس شخص کو دیکھوں وہ کون ہے اور کیسا ہے؟

اتفاق سے ہمارے محلے میں شادی تھی' اُس دن منصور کا فون آیا تو اُس نے مجھ سے ملنے کی خواہش ظاہر کی میں بھی ملنا چاہتی تھی مگر ڈرتی تھی۔

شاید اسی کا نام محبت ہے مگر یہ کیسی محبت ہے نہ اُس نے مجھے دیکھا اور نہ ہی میں نے اُسے دیکھا پھر بھی ایک دوسرے کے بغیر اتنے بے چین تھے۔ سچ ہی کہتے ہیں کہ پہلا پیار بھلائے نہیں بھولتا۔ اُس نے مجھ سے وعدہ کیا کہ وہ صرف ایک جھلک دیکھ کر چلا جائے گا اور ہرگز کبھی پریشان نہیں کرے گا۔

میں نے ہمت کی اور اُسے بتایا کہ ''میں آج شادی میں شرکت کرنے آؤں گی۔''

تم بھی اس جگہ آ جانا ہم نے ایک دوسرے کو کپڑوں کے رنگ بتائے جب وہ ملنے آیا تو ہم نے ایک دوسرے کو پہچان لیا۔

اور دور سے ایک دوسرے کو دیکھ لیا' آج میں بہت خوش تھی۔

اُس نے مجھے کہا کہ تم بالکل ویسی ہو جیسا میں نے سوچا تھا۔ آج سے تمہیں چندہ کہا کروں گا۔ تم میرے خوابوں کی شہزادی ہو۔''

میرے میٹرک کے امتحانات ہونے والے تھے میں اُس کی تیاری میں مصروف ہوگئی ایک دن اُس نے فون کیا کہ وہ اپنی والدہ سے ملنے لاہور جا رہا ہے اور جلد واپس آ جائے گا۔ اُس نے کہا کہ وہ وہاں پہنچ کر مجھے فون کر دے گا۔

میرے امتحانات ہو چکے تھے اور منصور بھی واپس آ چکا تھا اُس نے کہا۔

''میں تم سے ملنا چاہتا ہوں اور تمہیں سامنے بٹھا کر بات کرنا چاہتا ہوں تا کہ میرے دل کو کچھ قرار آ جائے۔'' میں نے اُس سے ملنے کا وعدہ کر لیا۔ اُسے ایک پارک کا بتایا۔

''تم یہاں آ جاؤ میں شام میں اِس پارک میں آؤں گی۔'' اس طرح یہ میری اُس سے باقاعدہ پہلی ملاقات تھی۔ ہم دونوں ایک دوسرے سے باتیں کرتے رہے اس دوران اُس نے کوئی بھی نازیبا حرکت نہیں کی اور نہ ہی ایسی کوئی بات جس سے میرا مان ٹوٹ جائے۔

اس طرح ہماری ملاقاتوں کا سلسلہ جاری ہوگیا محبت کی دنیا بھی کتنی عجیب ہوتی ہے مل جائے تو دنیا حاصل ہو جاتی ہے اور نہ ملے تو دل کی دنیا اجڑ جاتی ہے۔

میں اب کالج میں آ چکی تھی۔ اکثر کالج کے بہانے اُس سے ملنے جاتی پیار اور محبت کی باتیں ہوتی اور زندگی بھر ساتھ نبھانے کی قسمیں بھی کھالی۔

مگر شاید زندگی بھر کا ساتھ ہمارے مقدر میں نہیں تھا ایک دن منصور نے بتایا۔

''اس کے بہنوئی کو کاروبار میں خسارہ ہوا ہے لہٰذا وہ آج کل سخت پریشان ہے۔''

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

میں نے اُسے تسلی دی اور کہا۔
''تم پریشان نہ ہو اللہ کوئی نہ کوئی راستہ نکالے گا۔'' میں نے اُس سے کہا۔
''آخر ہم اس طرح کب تک ملتے رہیں گے۔ تمہیں چاہیے کہ تم اپنے گھر والوں سے بات کرو تا کہ ہم ایک ہو جائیں۔''
اُس نے کہا۔
''اس عید پر جب وہ اپنے گھر جائے گا تو اپنی امی سے ضرور بات کرے گا۔'' پھر وہ عید پر ملنے چلا گیا اس نے اپنے گھر والوں سے بات کی کہ وہ ایک لڑکی کو پسند کرتا ہے اور اُس سے شادی کا خواہش مند ہے۔
مگر اُس کی والدہ نے سختی سے منع کر دیا کہ ہم تمہاری شادی تمہاری خالہ کے گھر کرنا چاہتے ہیں۔
اُس نے جب مجھے یہ خبر سنائی تو میرا رو رو کے برا حال ہو گیا۔ اُس نے مجھے تسلی دی اللہ پر بھروسا رکھو میں دوبارہ اپنی والدہ سے بات کروں گا اور انہیں سمجھاؤں گا۔
اب میرا دل بہت اُداس رہتا تھا اور پڑھائی میں بالکل نہیں لگتا تھا۔ میں اکثر روتی رہتی تھی۔
اس بار اُس نے اپنی بڑی بہن سے بات کی اور اپنی والدہ سے بات کرنے کو کہا مگر اُس کی ماں راضی نہ ہوئی۔ دوسری طرف کاروبار کی تباہی کا افسوس تھا۔
میں نے کہا۔ ''ہم آئندہ ایک دوسرے سے نہیں ملیں گے۔ میں نے اُس سے بات کرنا چھوڑ دی۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ سخت بیمار ہو گیا اور اُسے اسپتال میں منتقل کر دیا گیا۔
میں جانتی تھی کہ وہ مجھ سے بے حد محبت کرتا ہے اور میں بھی اُس سے بے حد محبت کرتی تھی۔

غزل

یہ اور بات کہ تجھ کو کبھی پکارا نہیں
کوئی بھی لمحہ ترے بغیر مگر گزارا نہیں

اگرچہ کھو دیئے ہیں تمام خون کے رشتے
تمہیں جو پا لیا ہے تو پھر خسارہ نہیں

ستارے راہ میں اُس کی بچھا دیئے ہم نے
مگر وہ شخص کسی طور بھی ہمارا نہیں

تمہاری یاد سے کنارہ کش تو ہو جاؤں
مگر یہ دل کہ اب بھی اِسے گوارہ نہیں

کبھی نہ صبح طلوع ہو ندیمؔ وصل کی شب
یہی سوچ کر تیری زلف کو سنوارا نہیں

شفیق احمد ندیمؔ

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

مگر ہم کوئی ایسا قدم نہیں اٹھانا چاہتے تھے جو ہمارے والدین کی بدنامی کا سبب بنے میں نے اُس کی بڑی بہن کو فون کیا اُس نے مجھے بتایا کہ کل منصور گھر آ جائے گا۔ جب وہ گھر آیا تو میں نے اُس سے بات کی اور تسلی دی۔

”میں جانتی ہوں تم مجھ سے محبت کرتے ہو مگر جب ہم ایک نہیں ہو سکتے تو یہ دوستی کیا معنی رکھتی ہے ہماری محبت پاکیزہ ہے ہم نے کوئی ایسی حرکت نہیں کی جس پر ہمیں شرمندہ ہونا پڑے۔

بے شک میں تم سے پیار کرتی ہوں مگر میں وہ لڑکی نہیں جو اپنے والدین کی عزت کو روندھ کر تمہارے ساتھ چلی جائے گی۔

میں جانتا ہوں تم ایک اچھی لڑکی ہو' مگر میں مجبور ہوں میں اپنے والدین کے آگے بے بس ہوں میری اپنی کوئی جاب نہیں ہے۔ میں اپنے والدین کے بغیر کچھ بھی نہیں ہوں وہ ہرگز تمہیں قبول نہ کریں گے میں نہیں چاہتا کہ زندگی میں تم چھوٹی چھوٹی خواہشوں کے لیے ترسو۔ اگر میں نے خود کوئی قدم اٹھایا تو اُس کا مطلب ہے بغاوت......

میرے راستے میں صرف کانٹے ہیں اور کچھ نہیں' میری آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ تم مرد ہو کر مجبور ہو تو میں تو ایک لڑکی ہوں اور میں اپنے والدین کی دعاؤں میں رخصت ہونا چاہتی ہوں۔

مجھے تم سے محبت ہے مگر محبت خود غرض نہیں ہوتی محبت صرف پالینے کا نام نہیں ہے کبھی کبھی محبت قربانی مانگتی ہے۔

ہم اپنے والدین کو ناراض کر کے کبھی خوش نہیں رہ سکتے۔ ہمارے والدین کا پہلے ہم پر حق ہے۔

آج سے ہمارے راستے جدا ہیں یہ میری تم سے آخری ملاقات ہے۔ ہم اچھے دوست تھے اور رہیں گے۔

کچھ عرصے بعد منصور کی شادی ہو گئی اپنی خالہ زاد کے ساتھ...... میں نے اپنی تعلیم مکمل کی جاب کی کچھ عرصے بعد میرا رشتہ آیا میرے والدین نے لڑکے کو پسند کیا میں نے اپنی رضامندی ظاہر کر دی یوں میری شادی ہو گئی۔

میرے شوہر ایک بہت اچھے جیون ساتھی ثابت ہوئے آج میں اپنے گھر میں خوش ہوں۔

جس دن میری شادی ہوئی اُس دن میں نے ماضی کے تمام نقش اپنے دل سے مٹا دیے۔

اب سوچتی ہوں وہ ایک دھوکا تھا یا فریب یا پھر وقت گزاری کا بہانہ اگر ایسا تھا تو آج بھی کبھی کبھی میرا دل بے چین کیوں ہو جاتا ہے۔

پھر سوچتی ہوں وہ ایک مجبور انسان تو ہو سکتا ہے مگر غلط نہیں اگر وہ چاہتا تو تنہائی سے فائدہ اٹھا کر کچھ بھی کر سکتا تھا۔ مگر اُس نے کبھی کوئی ایسی حرکت نہیں کی جس سے میں بدنام ہوتی۔

وہ خاموشی سے میری زندگی میں آیا اور خاموشی سے میری زندگی سے نکل گیا اُس نے ہمیشہ میری عزت کی اور کبھی حد سے تجاوز نہ کیا۔

آج اس واقعے کو اتنا عرصہ گزر چکا ہے آج بھی میری سالگرہ کے دن ٹھیک ساڑھے نو بجے ایک خاموش فون آتا ہے کوئی خاموشی سے آواز سن کر فون بند کر دیتا ہے۔

میں جانتی ہوں کہ یہ کس کی کال ہوتی ہے مگر میں بہت خوش ہوں کہ میں نے ایک اچھی بیٹی ہونے کا ثبوت دیا اور کوئی غلط قدم نہیں اٹھایا جو یقیناً بعد میں صرف پچھتاوؤں کا سبب بنتا۔

☆☆......☆☆

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

ایک نہایت ہی منفرد دلچسپ پُراسرار سلسلہ جسے آپ عرصۂ دراز تک یاد رکھیں گے

املتاس

علامہ سید اجتبیٰ حسین رضوی کا خیال

اس دل کا تحیر تھا آئینہ' اس سر کا تصور تھا موقلم
تمثال پہ نقطے لگا کیے' تصویر بدلتی چلی گئی

(قسط نمبر 7)

شازلی سعید مغل

''املتاس کا درخت' اس کے پھول' املتاس' میری بچی۔'' صولت جہاں زیرلب بڑبڑا رہی تھیں۔ پورے بدن پر ایک اضطراری کیفیت طاری تھی۔

''بڑے ابا...... میں سمجھ چکی ہوں ہائے کیسی غلطی ہوگئی ہم سے۔'' ساتھ ہی وہ زار و قطار رونے لگیں حسن شیرازی کو تو چپ سی لگ گئی وہ ساکت بیٹھے تھے صولت جہاں کے اس گریہ وزاری سے چونک گئے۔

''پانی پیو......''

بڑے ابا نے پاس پڑی تپائی کی جانب اشارہ کیا جس پر پانی کا گلاس رکھا تھا حسن شیرازی نے لپک کر پانی کا گلاس اٹھایا اور صولت جہاں کی طرف بڑھایا جواب منہ پر دوپٹہ رکھے بے آواز آنسو بہا رہی تھیں۔

''پانی پیو...... صولت......'' بڑے ابا کی مشفق آواز دوبارہ کمرے میں ابھری صولت جہاں نے لرزتے وجود کے ساتھ پورا پانی کا گلاس خالی کردیا۔ پانی پینے کے بعد ان کے اوسان کچھ ٹھکانے پر آئے۔

''بڑے ابا...... بڑی غلطی ہوگئی ہم سے...... میں نے ہی اُسے املتاس کا نام دیا تھا۔'' وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولیں۔

''ہم نام بدل دیں گے اپنی بچی کا ٹھیک رہے گا؟'' وہ اپنے تئیں جیسے مسئلے کا حل نکال چکی تھیں اب بڑے ابا سے تصدیق چاہ رہی تھیں۔

''نام بدلنے والا مسئلہ ہوتا اور یہ حل ہوتا تو بتاؤ میں یوں اتنی دور تم لوگوں کو اس طرح بلاوا دیتا۔'' بڑے ابا نے صولت جہاں کی حالت کے پیش نظر اُن کے بچکانہ سے حل کا بڑے مشفق انداز میں جواب دیا۔

''نام بدلنے سے مسئلہ حل ہوتا تو میں فون پر ہی بتا دیتا کہ بچی کا نام بدل دو' تم لوگوں کو یوں نا بلواتا

www.urdusoftbooks.com

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

بھائی کسی کی زندگی اور موت کا مسئلہ جڑا ہے اس سارے قصے سے۔"

بڑے ابا کچھ جلال میں آ گئے۔

"اور مجھے خواہ مخواہ گھسیٹ لیا ہے اس نے...... جنگل میں جو آ پڑے ہیں ہم......" لمحہ بھر بڑے ابا کی کیفیت بدلی پھر انہوں نے خود پر قابو پالیا۔

"ہم نے ابھی تم سے کافی تفصیل سے بات کی ہے اس سلسلے میں تم لوگوں کا تعاون درکار ہے۔" پھر کتنی ہی دیر وہ دونوں میاں بیوی کو سنہری کاغذ میں درج باتوں اور اس سلسلے میں کی گئی احتیاط کے بارے میں بتانے لگے دوران گفتگو صولت جہاں کبھی پریشان ہو اٹھتی یا حسن شیرازی سراسیمگی کی کیفیت کا شکار نظر آنے لگتے۔

بات ہی ایسی تھی آئندہ پیش آنے والے جن حالات و واقعات سے ان کا واسطہ پڑنے والا تھا۔ وہ اُن کی اس دنیا سے تعلق نہیں رکھتے تھے اور جس انوکھی دنیا سے تعلق رکھتے تھے اس دنیا کے بارے میں تو انہوں نے کبھی سوچا تک نہ تھا کہ کیسے انجانے میں وہ دوسری دنیا سے جڑ گئے ہیں۔

بات ختم کر کے سید صاحب نے اچانک شنگرف کہہ کر ایک صدا لگائی۔

صدا لگانے کی دیر تھی کمرے کے دروازے پر کائنات کا حسن مجسم ہو کر سمٹ آیا۔ صولت جہاں نے جو نگاہ سامنے اٹھائی تو جھپکانا بھول گئیں۔ اُن کے خوابوں کی لڑکی اُن کے سامنے تھی۔ جس کے ارد گرد اسی مخصوص مہک کا ہالہ تھا جو اُن کے گھر میں املتاس کے درخت کے پاس جا کر اختتام پذیر ہوتا تھا۔

صولت بیگم اور حسن شیرازی وہاں سے چلے آئے۔ گھر میں داخل ہوتے ہی صحن سے گزرتے دونوں میاں بیوی نے غیر ارادی طور پر درخت کی جانب دیکھا اس مرتبہ ان کے دلوں کی کیفیت ہی الگ تھی۔ اندر سے املتاس کے رونے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ صولت جہاں جلدی سے اپنے کمرے میں داخل ہوئیں وہیں پر فائزہ املتاس کو بہلا رہی تھیں۔

"لاؤ مجھے دو یہ چپ نہیں ہوگی۔"

صولت نے روتی ہوئی املتاس کو سینے سے لگایا تھوڑی دیر میں روتی ہوئی املتاس یوں چپ ہوئی جیسے کبھی روئی ہی نہیں تھی۔

"بہت تنگ کیا اس نے مجھے رات یہیں سوئے ہم شاید اسے آپ کے ساتھ ساتھ اس جگہ کی بھی عادت ہوگئی ہے مگر اس کی نیند اُچاٹ ہی رہی۔" فائزہ بتانے لگی۔

"ایک دن آپ کیا گئیں اس نے تو گھر سر پر ہی اٹھا لیا۔ میں تو رات فون کرنے لگی تھی آپ کو کہ آئیں اور اپنی لاڈلی کو سلائیں نہ سو رہی ہے نہ کسی کو سونے دے رہی ہے۔" فائزہ مسکراتے ہوئے محبت بھرے انداز میں املتاس کی شکایت کر رہی تھیں۔ املتاس دادی کے سینے سے چپکی ٹکر ٹکر ماں کو دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔

"اچھا میں اس کا دودھ لے آؤں کل سے سونا تو سونا ٹھیک سے دودھ بھی نہیں پیا محترمہ نے۔" کہتے ہوئے فائزہ کچن کی جانب چلی گئیں۔ دودھ پیتے ہی املتاس گہری نیند میں سو گئی۔ فائزہ ساس سے سید صاحب کو دی گئی دعوت کا پوچھنے لگی۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

’’دعوت کب کی قبول کی اور کیا اہتمام کرنا ہوگا۔‘‘ صولت جہاں فائزہ کے ان سوالوں کا جواب انتہائی سنبھل کر دے رہی تھیں۔ دعوت دینے کا بہانہ کر کے گئے تھے دونوں میاں بیوی یہی فائزہ اور محسن کو معلوم تھا۔ اب قدم قدم پر اپنے تاثرات چھپانے تھے مبادا اُن کی کسی بات یا انداز سے بہو یا بیٹے کو کسی قسم کا شائبہ نہ ہو جائے کہ بات کیا ہے...... سید صاحب نے بھی ایک مخصوص وقت تک کی نشاندہی کی تھی۔ جب تک انہیں فائزہ یا اپنے بیٹے محسن کو کچھ بتانے کی اجازت نہ تھی۔

فائزہ کو انہوں نے نپے تلے انداز میں مطمئن کر دیا تھا۔ اس کے بعد اُن کی زندگی بدل کر ہی رہ گئی املتاس پہلے ہی اُن کے پاس رہتی تھی اس دن کے بعد مستقل اُن کے ساتھ ہی سونے لگی اگر فائزہ کبھی ساس کے آرام کے خیال سے املتاس کو اُٹھا کر لے جاتی تو نہایت بے چین ہو اُٹھتی پوری رات روتی جب تک کہ واپس صولت جہاں کے پاس واپس نہ چھوڑا جاتا۔

البتہ صولت جہاں کے پاس وہ پوری رات آرام سے سوتی ایک آدھ بار جاگتی تھی تو زیادہ تنگ نہ کرتی دوبارہ سو جاتی جوں جوں بڑی ہوتی جا رہی تھی یہ ایک آدھ بار کا جاگنا بھی ختم ہوتا جا رہا تھا اب وہ اپنے وقت پر سوتی اور صبح سویرے اذانوں کے ساتھ اٹھ جاتی صولت جہاں دودھ کی بوتل تیار کر کے دیتی اور املتاس پیتے پیتے دوبارہ نیند کی وادیوں میں گم ہو جاتی۔ صولت جہاں آرام سے نماز پڑھتی املتاس جوں جوں بڑی ہوتی جا رہی تھی اس کے کھانے پینے سونے جاگنے کے اوقات میں عام بچوں والی بے چینی اور بے ترتیبی نہ رہی تھی بالکل بھی تنگ نہ کرتی تھی اپنی ماں کو البتہ اس سے بڑا اورنگزیب ابھی تک فائزہ کو اس سلسلے میں تنگ کرتا تھا فائزہ اب بھی پورا دن اس کے آگے پیچھے گھومتی تھی جبکہ املتاس کی جانب سے وہ بالکل مطمئن بلکہ بے فکری رہنے لگی تھی اور اورنگزیب بہت تنگ کرتا تو شکر بھی ادا کرتی کہ املتاس کیسی صابر بچی

سچی کہانیاں میں شائع ہونے والا لازوال ناول ’تاشون‘ کتابی شکل میں دستیاب ہے

قدیم علوم کا سائنٹیفک نظریہ
ان کے ذاتی تجربات اور اصل حقائق و اثرات
سعادت و نحوست کا حساب، حیرت و تجسس پر مبنی ناول

تاشون

تحریر: شازلی سعید مغل

۲۵۰ صفحات

برصغیر میں علمِ تسخیر کے بانی حضرت کاش البرنیؒ کی
عاملیت و کاملیت، روحانیت، محبت، تصوف اور دوسری دنیا
کے تجربات و مشاہدات پر اسراریت کے نت نئے راز کھولتا ایک
سحر انگیز ناول جس کے مرکزی کردار حضرت کاش البرنیؒ ’’بنام‘‘
’’تاشون‘‘ ہیں

ابھی رابطہ کر کے اپنی کاپی بک کرائیں یا اپنے قریبی بکسٹال پر اپنا آرڈر بک کروائیں۔

Auraq Publishers, Ibrahim market, PIB Colony, Karachi 74800

www.urdusoftbooks.com

ہے اگر وہ بھی انہیں سنبھالنی پڑ جاتی تو وہ کیا کرتیں۔ انہیں اس بات کی خبر ہی نہ تھی کہ املتاس کو صولت جہاں بھی اب کہاں سنبھالتیں ہیں...... املتاس کو جو سنبھالتی ہے اگر وہ پورے دن اسے گود میں لیے بیٹھی رہے تو املتاس اُس کی گود کی سحر انگیزی اور سکون کے سبب آنکھ ہی نہ کھولے۔ سید صاحب (بڑے ابا) کے گھر 'دشنگرف' سے ملاقات کے بعد وہ ان سے ملتی رہی مگر اس وقت جب فائزہ اور محسن گھر پر نہیں ہوتے تھے صولت جہاں اکیلی ہوتیں گھر پر مگران بظاہر وہ تب ہی ہوتی جب اس کی ضرورت ہوتی ورنہ اب تو املتاس کے نیچے بھی مخصوص خوشبو بہت مدھم ہوتی تھی۔

ہاں البتہ وہ املتاس کے پھول لینے روز آتی تھی ایک مرتبہ رات کو فائزہ کی نظر بھی املتاس کے درخت پر پڑی تو اسے محسوس ہوا کہ جیسے املتاس پر ننھے ننھے دیے جل رہے ہیں۔ لیکن اُسے ایسا محسوس ہوا کہ دیوار میں ہل چل مچ گئی ہو جیسے وہ تجسس کے مارے کمرے میں جاتے جاتے لاؤنج اور صحن کی سرحد پر کھڑی ہو کر دیکھنے لگی اور پھر ایک مسکراہٹ اس کے چہرے پر دوڑ گئی۔

کتنا پرانا ارمان تھا مجھے اسے دیکھنے کا اور آج میں نے اسے ایسے اپنے گھر میں اتنے قریب دیکھا کل سب سے پہلے محسن کو بتاؤں گی۔'' وہ سرخوشی سے خودکلامی کے انداز میں بولی۔

وہ بھی صحن کا ایک چکر لگا کر فائزہ کے انتہائی قریب سے گزرا فضا میں اونچے نیچے غوطے لگا تا بڑے من موجی سے انداز میں وہ صحن میں چکر کاٹ رہا تھا اس کے دیکھا دیکھی املتاس کے درخت سے یکے بعد دیگرے ننھے دیے اترنے لگے اور سرمست چلتی ہوا میں ہلکورے لینے لگے۔

''اللہ اتنے سارے جگنو......''

فائزہ کے منہ سے نکلا۔

''محسن کو اٹھاتی ہوں ابھی کتنا خوبصورت منظر ہے۔'' کہہ کر فائزہ مڑی اس کے مڑتے ہی سارے صحن کی حدود سے نکل کر باہر کھلی فضا میں پھیل گئے سب کا رخ جنگل کی جانب تھا۔ فائزہ نے لاؤنج عبور کر کے دوبارہ صحن پر نظر ڈالی وہاں کچھ نہ تھا۔

''اوہ...... چلے گئے سارے...... چلو پھر سہی۔'' کہتے فائزہ روشنی گل کرتی اپنے کمرے میں داخل ہو گئی۔

صبح ناشتے کی میز پر ہی فائزہ نے رات کا قصہ بڑے ذوق و شوق سے سب کو سنا ڈالا۔ صولت جہاں اور حسن شیرازی نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا جگنوؤں کے ذکر پر ایک نامعلوم تشویش کا اظہار دونوں کی نگاہوں سے ظاہر تھا۔

صولت جہاں فائزہ کی باتوں کا بس ہوں ہاں میں جواب دے رہی تھیں جبکہ حسن صاحب نے اخبار منہ کے سامنے پھیلا لیا تھا جبکہ دادا بھی اس قصے کے سامع بن چکے تھے فائزہ نے انہیں بھی رات کو جگنوؤں کا نظارہ دیکھنے کی دعوت دے ڈالی تھی۔

انہوں نے کچھ کہنے سے پہلے ایک نظر صولت جہاں کی جانب ڈالی تو اُن کی آنکھوں سے چپ رہنے کا اشارہ پا کر وہ فائزہ کی باتوں پر سر ہلا کر ہی رہ گئے۔ اب جو جواب وہ فائزہ کو دیتے اُن کے اندر ہی شور مچانے لگا تھا کچن کی طرف برتن لے جاتے ہوئے وہ خود بڑبڑانے لگے۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

"کوئی خواب دیکھ لیا ہے بہو بیگم نے اتنے سارے جگنو؟ ارے ہم کئی کئی مرتبہ راتوں کو اٹھ کر صحن سے گزرے ہیں ہمیں ایک بھی نہ نظر آیا انہیں پوری بارات نظر آ گئی ...... کمال ہے۔" کہہ کر وہ اپنے روزمرہ کے کاموں میں اُلجھ گئے۔

اُلجھ تو صولت جہاں بھی گئی تھیں۔ سوچ رہی تھیں کہ بڑے ابا کو بتایا جائے۔ مگر جب شوہر سے مشورہ کیا تو انہوں نے دو ایک دن رک جانے کا کہا۔ پھر اُن کی بات صحیح ثابت ہو گئی فوراً سید صاحب کو فون نہ کرنے والی......

فائزہ جگنوؤں کے انتظار میں خود بھی جاگتی رہیں شوہر کو بھی جگا کر رکھا مگر بے سود نہ ہی درخت پر اور نہ ہی صحن میں انہیں اس کے بعد کوئی جگنو نظر آیا۔

کئی دن تک وہ یہ تذکرہ کرتی رہیں کہ انہوں نے وہ منظر دیکھا تھا۔ کوئی ان کی بات کا یقین کیوں نہیں کرتا...... تب صولت جہاں نے یہ کہہ کر ہی بات ختم کر دی کہ تھوڑی دور دریا بہہ رہا ہے اور بہتات میں جنگلی جھاڑیاں بھی ہیں اس علاقے میں اور خال خال آبادی والا علاقہ ہے ابھی تو یہ کوئی بعید نہیں اگر ایسی چیزیں نظر آ جائیں اور ضروری بھی نہیں روز روز نظر آئیں۔ فائزہ کو تسلی کے لیے انہوں نے یہ بھی کہہ دیا کہ انہوں نے بھی ایک دو مرتبہ املتاس کے درخت پر اسی طرح سے جگنو دیکھے تھے اس وقت تو بات آئی گئی ہو گئی مگر اس کے بعد کئی مرتبہ کچھ اس قسم کے واقعات رونما ہوئے جو فائزہ کے لیے حیران کن اور کبھی کبھی پریشان کن بھی ثابت ہوئے کئی مرتبہ اُسے محسوس ہوا جیسے اس گھر میں "کچھ" ہے صولت جہاں فائزہ کو اپنی جانب سے مطمئن کرنے کی کوشش کرتیں۔

اس سلسلے میں انہوں نے بڑے ابا سے بھی کئی بار بات کی فائزہ کو اس سلسلے میں لاعلم رکھنے میں بڑی مصلحت چھپی تھی وہ ایک کمزور دل کی وہمی سی عورت تھی اور املتاس کی ماں تھی وہ ایسی کسی بھی صورت حال کا سامنا کرنے کے قطعی قابل نہ تھی جس سے صولت جہاں گزر رہی تھیں اور اٹھارہ برس سے گزر رہی تھیں وقت گزر گیا تھا۔ املتاس اٹھارہ برس کی ہو گئی تھی۔

جس مخصوص وقت کی نشاندہی سید صاحب نے کی تھی وہ قریب ہی تھا۔ مگر اس سے پہلے ہی غیر متوقع واقعات وقوع پذیر ہونے لگے صولت جہاں اور حسن شیرازی گو ان باتوں کے عادی ہو چکے تھے مگر جو پچھلے چند دنوں سے ہو رہا تھا وہ اُن کے لیے بھی تحیر آمیز تھا۔ اب اورنگزیب کی حالت دیکھ کر جہاں وہ متفکر ہوئیں وہاں جمن کی بات سن کر تشویش کی ایک لہر اُن کے اندر اٹھی۔ جمن کا کہنا تھا کہ شنگرف کافی دن سے نہیں آئی اُن کے اندر تشویش جگا گیا تھا۔

مگر بظاہر انہوں نے کہہ دیا تھا کہ ایسا ہوتا رہتا ہے اور آ جائے گی وہ...... دو دن اورنگزیب کا بخار چڑھتا اترتا رہا تیسرے دن ٹوٹ گیا وہ ٹھیک تو ہو گیا مگر گم صم کیفیت کا شکار رہا پہلی بار دوستوں سے ملنے سے بھی انکار کر دیا' آخر تمہیں ہوا کیا ہے ایسے پہلے تو کبھی منع نہیں کیا دوستوں سے ملنے جلنے کو پورا دن گم صم پڑے رہتے ہو۔

"بات کیا ہے بتاؤ تو سہی میں بس سارا دن تمہاری دیکھ بھال میں لگی ہوں بالکل بچے ہی بن گئے ہو۔ اورنگزیب کان دبائے چپ چاپ سنتا رہا جواب دیتا بھی تو کیا اس کے دل و دماغ پر ساحل اور وہ لڑکی

www.urdusoftbooks.com

چھائی ہوئی تھی کسی دھند کی طرح ساری سوچیں ساری باتیں اس کہر میں کہیں کھو سی گئی تھیں۔
املتاس اُسے آ کے کچھ بھی کہہ جاتی اس کے جواب میں پہلے کی سی تیزی نہ تھی یہ اورنگزیب کا مزاج نہ تھا پہلے جب بیمار پڑتا ہمیشہ سے زیادہ شور مچاتا تھا ماں کا لاڈلا شروع سے تھا فائزہ بیگم کو پلو سے پکڑ کر ساتھ ہی بیٹھایا کرتا مگر اس مرتبہ اس کے گم صم رہنے اور شور نہ مچانے پر فائزہ زچ ہو کر رہ گئی تھیں۔ چار پانچ روز گزر گئے۔

بخار اتر چکا تھا اور طبیعت بہت بہتر تھی اب دوپہر کا کھانا کھا کر صولت جہاں کمر سیدھی کرنے لیٹی تھیں فائزہ اپنے کمرے میں تھی املتاس اپنے کسی پروجکٹ کو مکمل کرنے میں لگی ہوئی تھی اورنگزیب کمرے میں لیٹا چھت کو گھور رہا تھا کہ موبائل کی رنگ ٹون دھیمے سروں میں بجنے لگی۔ اورنگزیب نے موبائل اُٹھا کر دیکھا۔ 'سنہرا' کا نام فلش ہو رہا تھا۔
''کہاں ہو......؟'' کان سے فون لگاتے ہی سنہرا کی سحر انگیز آواز کان سے ٹکرائی اورنگزیب نے فون رکھتے ہی واش روم کی راہ لی جس تیزی سے وہ تیار ہوا گھر کا کوئی فرد دیکھ لیتا تو یقین نہ کرتا کہ یہ وہی ہے جو گم صم پڑا ہوا تھا۔ وہ عجلت میں بائیک کی چابی اُٹھا کر باہر نکلا۔ مگر جیسے اس کے پیر زمین نے جکڑ لیے وہ واپس مڑا اور بائیک کی چابی واپس کمرے میں رکھ دی۔ دبے پاؤں صحن عبور کیا اور تیز تیز چلتا مین روڈ کی طرف نکل گیا دوپہر کا وقت تھا روڈ پر اس علاقے میں اور اس وقت ٹیکسی رکشہ کم ہی نظر آتے تھے اُس کی قسمت کہ اُسے ایک ٹیکسی آتی نظر آئی۔ ہاتھ دے کر دروازہ کھول کر بیٹھ گیا اور علاقے کا پتہ بتایا ٹیکسی والا اس علاقے کی طرف جانا نہیں چاہتا تھا۔
''کوئی سواری نہیں ملتا صاحب وہاں سے۔'' اورنگزیب سے علاقے کا نام سن کر ٹیکسی والا بولا۔
''تم چلو ڈبل پیسے دوں گا۔'' اورنگزیب نے ٹیکسی والے کو لالچ دیا۔
''واپسی بھی میرے ساتھ آنا ہو گا صاب اُدھر کوئی گاڑی نہیں ملتا۔'' ٹیکسی والا عجیب ہمدردی کر رہا تھا۔
''او بھائی میرے ٹھیک ہے تم چلو تو......'' اورنگزیب نے تنگ آ کر اُس کی بات مان لی۔ ٹیکسی والا بہت باتونی تھا پورے راستے پتہ نہیں اورنگزیب کو کون کون سے قصے سناتا رہا واپسی کا معاملہ طے کرتے ہی اکھڑ مزاج ٹیکسی والا خوش مزاج بن گیا تھا۔
اورنگزیب اُس کی کسی آواز پر کان نہیں دھر رہا تھا بس گردن ہلانے پر ہی اکتفا تھا۔ ٹیکسی اب سنہرا کے علاقے میں داخل ہو چکی تھی۔
''بس صاحب......'' ٹیکسی والے نے ایک جانب ٹیکسی کھڑی کر دی۔
''کب سے ان گلیوں میں گھما رہے ہو۔ ایڈریس درست معلوم بھی ہے آپ کو یا نہیں؟'' واقعی اورنگزیب ٹیکسی والے کو کتنی ہی گلیاں گھما چکا تھا اور نگزیب خود بہت پریشان تھا اُسے اچھی طرح یاد تھا یہ علاقہ وہ جب سنہرا کے ساتھ آیا تھا تو بڑا صاف ستھرا اور پُر رونق تھا مگر اب تو جیسے وہ کسی ویران سے علاقے میں کھڑا تھا۔
''اس لیے صاحب اس طرف ہم لوگ نہیں آتے آ جاؤ تو واپسی کی سواری نہیں ملتی۔ عجیب ہو کا عالم نظر

www.urdusoftbooks.com

آ تا ہے یہاں سارے پرانے بنگلے دیکھو ذرا مکین تالے ڈال کے جو گئے پیچھے مڑ کے ہی نہیں دیکھا۔'' ٹیکسی ڈرائیور نے اس کا مطلوبہ گھر ڈھونڈ لیا۔

''ارے دیکھیے صاحب یہ رہا وہ بنگلہ......'' اورنگزیب نیچے اترا۔

''نہیں یہ کیسے ہوسکتا ہے بھائی میں آ چکا ہوں پہلے یہاں یہ تو کوئی......'' کہتے کہتے جو نگاہ اٹھی نمبر پلیٹ پر بنگلہ نمبر وہی تھا جو سنہرے کے گھر کا تھا اورنگزیب نے جو غور کیا تو محسوس ہوا بنگلہ وہی ہے مگر ایک وحشت ٹپکتی نظر آ رہی تھی خستہ حال سا تھا شاداب بیلیں پیلی ہو رہی تھیں وہ ابھی بمشکل چھ سات دن پہلے سنہرا کے ساتھ یہاں آیا تھا محض اتنے ہفتہ بھر میں بنگلہ بھوت بنگلہ بن جائے گا اس کے دل میں خیال آیا کہ لوٹ جائے واپسی کے لیے اس کے قدم مڑے ہی تھے کہ سامنے ہی سنہرا اس کی جانب آتی دکھائی دی اُسے دیکھ کر وہ ہاتھ ہلا رہی تھی اب اُسے رُکنا ہی پڑا۔ وہ بھی بنگلے کے احاطے میں کھڑا تھا میزبان کی آواز سن کر اور اُسے آتا دیکھ کر لوٹنا انتہائی معیوب بات ہے سوچ کر رک گیا۔

''ارے کیا واپس جا رہے تھے؟'' وہ قریب آئی۔

''میں سوچ رہا تھا غلط آ گیا...... یہ علاقہ یہ بنگلہ......'' اورنگزیب نے کہا۔

''میں پہچان نہ سکا' اتنی تبدیلی اتنی جلدی......'' اس کی بات سن کر وہ کافر ادا ہنس پڑی۔

''تمہاری نظروں کا دھوکا ہوگا میں تو ہمیشہ سے یہیں رہتی آئی ہوں۔ مجھے دیکھو کیا میں بھی بدلی ہوئی نظر آتی ہوں۔'' کہہ کر اُس نے بالوں کو ہلکا سا جھٹکا دیا۔ اورنگزیب نے دیکھا اس نے اچھا خاصا میک اپ کیا ہوا تھا بغیر آستین کے چھوٹا سا بلاؤز پہنے اور فلمی اداکاراؤں کی طرح قدرے نیچی ساڑھی باندھے مسکرا رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک تھی اورنگزیب تاب نہ لا سکا اور نگاہیں دوسری جانب پھیر لیں۔

''چلو آؤ اندر تو چلو۔'' اس کے آگے بڑھ کر بے تکلفی سے اورنگزیب کا ہاتھ تھام لیا۔ اس کے ہاتھ تھامتے ہی اورنگزیب کے دل و دماغ کی سلیٹ اس کش مکش سے خالی ہوگئی جو اس کے گھر کو دیکھ کر ہو رہی تھی۔

''یہ علاقہ یہ بنگلہ اور تم جیسی لڑکی......'' اب اورنگزیب نے اس کی رہائش گاہ کو لے کر تنقید کر دی۔

''میرا کوئی قصور نہیں ہے مجھے یہی گھر ملا رہنے کے لیے......'' وہ ہنس پڑی۔

''کیا مطلب......'' اورنگزیب لاؤنج میں رکھے صوفے پر بیٹھتے بولا۔

''چھوڑ دیں اسے کسی اچھی جگہ چلی جائیں۔ مجھے شدید حیرت ہے آپ یہاں اکیلی......''

''اکیلی کہاں ہوں ایک آنٹی ہیں...... میری خالہ...... امی کے جانے کے بعد انہوں نے ہی ماں بن کر پالا ہے شہر سے باہر گئی ہوئی ہیں آتی ہیں تو ملواؤں گی کسی دن......''

''مجھے چلنا چاہیے۔'' اورنگزیب اچانک صوفے سے اٹھ کھڑا ہوا۔

''کیوں کیا ہوا ابھی تو آئے ہو بیٹھو اچھی سی چائے پلواتی ہوں۔''

''نہیں پھر کبھی سہی' اصل میں میں گھر میں بتا کر نہیں نکلا۔ بس آپ کا فون آیا تو فوراً......''

''ارے ہاں......'' سنہرا کہا۔

''بھئی اُس دن جب ہم ساحل پر ملے تھے تو تمہارا والٹ گر گیا تھا میں نے اٹھا لیا تھا مگر پھر وہ یہیں

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

میرے گھر پر رہ گیا......لو تم پریشان ہو رہے ہو گئے۔'' سنہرا نے اُس کا والٹ اُس کی جانب بڑھایا۔
''اوہ بہت شکریہ......''
''ارے ہاں مجھے یاد آیا......'' اورنگزیب والٹ جیب میں رکھتے ہوئے بولا۔
''آپ اس دن پینٹنگ کی نمائش کے سلسلے میں بات کرنا چاہ رہی تھیں۔''
''ہاں باتیں تو تم سے بہت سی کرنی ہیں مجھے۔'' وہ کھوئے کھوئے سے لہجے میں بولی۔
''میں سمجھا نہیں......'' اورنگزیب اُس کے پُر اسرار گہرے لہجے سے بے چینی سی محسوس کرنے لگا تھا۔
''تم ایک نامور پینٹر بننا چاہتے ہو نا......'' سنہرا نے اُس کے مطلب کی بات پر آتے ہوئے کہا۔
''میں تمہیں بناؤں گی فن میں یکتا......کمال آرٹسٹ اور آرٹسٹ تو تم ہو......بلندیوں پر میں لے جا سکتی ہوں تمہیں...... ہر طرف صرف تمہارا نام ہو گا کوئی مد مقابل نہیں کھڑا ہو سکے گا تمہارے۔''
''ایسا ہو سکتا ہے واقعی......'' اورنگزیب واپس صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔
''آپ میری مدد کر سکتی ہیں۔ میں چاہتا ہوں میں اپنے گھر والوں کو بتا دوں کہ میں کیا کر سکتا ہوں' میں چاہتا ہوں وہ خوش ہو جائیں کہ میں کاہل نکما نہیں ہوں۔'' اورنگزیب سنہرا کے دکھائے مستقبل کے خوبصورت خوابوں میں کھو رہا تھا۔
''آپ کا بے حد احسان ہو گا یہ مجھ پر کہ آپ مجھے پرموٹ کریں گی۔''
''احسان کیسا؟' تم مت رکھو میرا احسان......'' سنہرا مخصوص انداز میں ہنسی۔
''کیا مطلب ہے تمہارا......'' اورنگزیب چونکا۔
''تم ایک چھوٹا سا کام کر دو میرا اس کے بدلے میں احسان مت رکھو نا میرا......''
''کام......کیسا کام......'' کام کے نام پر اورنگزیب کی جیسے جان ہی نکل گئی ہو۔
''ارے تمہارا رنگ پیلا کیوں پڑنے لگا بابا تم سے پتھر نہیں تڑوانے مجھے......''
''پھر......کیسا کام ہے۔''
''چھوٹا سا کام ہے......''
''کہیے......''
''تمہارے گھر سے املتاس کے پھول چاہیے مجھے......'' املتاس کے پھول اورنگزیب بری طرح چونک گیا۔
''ہاں اصل میں آنٹی کی طبیعت بہت خراب رہتی ہے اکثر ہی تو اُن کے لیے ایک دوائی بنانی ہے۔''
سنہرا مغموم سے لہجے میں بولی۔
''اوہ......بس اتنی سی بات میں کل ہی پھول لے آتا ہوں۔''
''ارے نہیں کل نہیں میں تمہیں بتاؤں گی جب لانا...... آنٹی آ جائیں پھر ہاں ایک چیز میں تمہیں ابھی دے رہی ہوں یہ بھی علاج کا حصہ ہے اسے درخت پر باندھ دینا۔'' سنہرا نے ایک کالی چمکدار چھوٹی سی مستطیل ڈبیہ اس کے ہاتھ میں تھما دی۔
''اس میں ایک دھاگہ ہے وہ کسی اونچی شاخ پر باندھ دینا......'' اورنگزیب تذبذب میں پڑنے لگا تو سنہرا نے اُسے گہری گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے بولی۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

''نیکی کا کام ہے...... اور میرے احسان کا بدلہ ہے......'' اورنگزیب کو یکبارگی لگا اس کے ذہن کو ہدایت دی جا رہی ہے۔

''میں کروں گا ضرور......'' اس کے منہ سے یہ جملہ ادا ہوتے ہی سنہرا نے اپنی گہری گہری نظریں اس کے چہرے سے ہٹالیں۔ اس کے نظریں ہٹاتے ہی اورنگزیب کو محسوس ہوا۔ جیسے ایک جھٹکے کے ساتھ اس کا ذہن آزاد ہو گیا ہو۔

''اچھا اب میں چلتا ہوں' اور ہاں آپ کی چائے اُدھار رہی......'' اورنگزیب کیا۔

''کوئی بات نہیں ٹھیک ہے جاؤ۔'' سنہرا نے سرسری سے انداز میں کہا۔ جیسے اُس کے چلے جانے سے اس کی صحت پر کوئی اثر نہ پڑتا ہو۔ اورنگزیب نے لمبے لمبے ڈگ بھرتے ہوئے بنگلے کا جنگل بنا احاطہ عبور کیا۔ ٹیکسی ڈرائیور آنکھیں موندے موبائل میں ہینڈ فری لگائے گانے سن رہا تھا' اورنگزیب نے ٹیکسی کا دروازہ کھول کر بیٹھتے ہوئے اس کے کان سے ہینڈ فری نکالتے ہوئے کہا۔

''چلو......ارے صاحب سو گیا تھا شاید ہم......'' وہ سیدھا ہو کر بیٹھتے ہوئے اسٹیئرنگ سنبھالنے لگا۔

''ذرا تیز چلانا......'' اورنگزیب کو وقت کا احساس ہو رہا تھا۔

''دیر ہو گئی ہے مجھے......'' وہ بڑبڑا رہا تھا۔ گھر کے دروازے پر پہنچتے پہنچتے اس نے خود کو کسی بھی قسم کی ڈانٹ پھٹکار کے لیے تیار کر لیا تھا۔

نیلگوں آکاش سے اترتی سرمئی سی شام آج بہت تھکی تھکی نظر آ رہی تھی۔ اورنگزیب نے ٹیکسی کا کرایہ دیا اور ڈپلیکیٹ چابی سے صدر دروازہ کھول کر اندر آ گیا۔ وہ گیا تو دوپہر تھی اب مغرب ہونے والی تھی۔ فائزہ ٹی وی لاؤنج میں بے چین پھر رہی تھیں اورنگزیب کو گھر میں داخل ہوتے دیکھ کر تیزی سے صحن میں آئیں اور برس پڑیں اورنگزیب پہلے تو چپ چاپ سنتا رہا پھر ماں کے کاندھے سے لپٹ گیا اور فائزہ کا غصہ سرد پڑنے لگا۔

''معاف کر دیجیے امی غلطی ہو گئی بس دل گھبرانے لگا میں نے سوچا آپ لوگ آرام کر رہے ہیں یہیں دریا کے کنارے جا کے آ جاتا ہوں مگر پھر ایک دوست مل گیا باتوں میں دیر ہو گئی۔'' اورنگزیب نے جھوٹ بولا۔

''ٹھیک ہے جاؤ اپنے کمرے میں شکر ہے اس وقت تمہارے ابو اور دادا جان نہیں ہیں ورنہ اس طرح بغیر بتائے جانے میں تمہاری خیر نہیں تھی۔'' فائزہ کہتی ہوئی کچن کی طرف چلی گئیں۔ اورنگزیب اپنے کمرے میں آ گیا۔ جیب سے سنہرا کی دی سیاہ ڈبیہ نکالی اور اپنی ڈریسنگ کی دراز میں رکھ کر لاکڈ کر دی ایک مرتبہ اس کے دل میں خیال آیا کہ کھول کر دیکھے تو سہی اس میں ہے کیا چیز مگر سنہرا کی بات یاد تھی کہ اسے صرف درخت پر باندھتے ہوئے ہی کھولنا ہے اس سے پہلے نہیں...... چنانچہ ڈبیہ دراز میں ہی رکھی پڑی بغیر کھولے۔

وہ اپنی ہونے والی کامیابیوں کی راہ میں کسی بھی قسم کی غلطی کا مرتکب نہیں ہو سکتا تھا۔ اُسے بس انتظار تھا تو رات کا آج رات ہی اُسے درخت پر وہ چیز باندھنی تھی جو سنہرا نے اُسے دی تھی۔

رات کھانا کھانے کے بعد سب گھر والے ٹی وی لاؤنج میں دیر تک بیٹھے......اورنگزیب نیند کا بہانہ

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

کر کے کمرے میں آ کر لیٹ گیا۔ بیڈ پر لیٹے لیٹے وہ اپنا پروگرام ترتیب دینے لگا۔ رات کچھ مزید بھیگی تو سب سونے چلے گئے اورنگزیب اٹھا دراز کھول کر ڈبیہ نکالی۔ سلیپرز پیر میں ڈالے اور نہایت آہستگی سے چلتے ہوئے لاؤنج عبور کرتے صحن میں آ گیا۔ املتاس کے درخت کی شاخیں ہوا کی تال پر ایسے جھوم رہی تھیں جیسے سپیرے کی بین پر سانپ مدہوش ہو کر جھومتا ہے برقی قمقموں کی روشنی میں دیوار پر شاخوں کے بننے والے سائے مدہوش ہو کر جھوم رہے تھے۔ اورنگزیب کچھ دیر یہ منظر دیکھتا رہا پھر درخت کے پاس آ گیا املتاس کے نیچے بچھے تخت پر چڑھ گیا۔ اس کے ہاتھوں میں املتاس کی کئی ایک شاخیں آ سکتی تھیں۔ اس نے ڈبیہ کھولی اس کے اندر ایک لال رنگ کی دھاگہ نما لچکی سی چیز تھی دیکھنے میں وہ دھاگہ معلوم دیتی تھی مگر جیسے ربر کا ہو دھاگہ...... املتاس کی ایک شاخ اس کے ہاتھ میں تھی اور دوسرے ہاتھ میں وہ لچلچا سا دھاگہ...... وہ اسے شاخ تک لے کر ہی گیا تھا کہ اُسے یوں لگا کہ اُس کا ہاتھ فضا میں ہی معلق رہ گیا ہو...... س کے ہاتھ میں حرکت مفقود ہو گئی تھی اس کے دل و دماغ میں ایک شور برپا تھا کوئی اسے ایسا کرنے سے روک رہا تھا پھر اس کے ہاتھ سے شاخ پھسل گئی شاخ کے ہاتھ سے نکلتے ہی اُس کا دوسرا ہاتھ نیچے ہو گیا املتاس کے درخت پر ننھے ننھے دیے جل اٹھے تھے۔

جیسے ہی اورنگزیب تخت سے اترا وہ دیے بھی درخت سے اتر پڑے اورنگزیب نے اپنی زندگی میں پہلی ار یہ منظر دیکھا جگنوؤں کا ایک لشکر اتر آیا ہو جیسے ان سب نے املتاس کے درخت کو گھیرے میں ایسے لیا ہوا تھا جیسے کوئی حصار تیزی سے درخت کے گرد چکر کاٹ رہے تھے اورنگزیب درخت سے پانچ چھ قدم دور کھڑا بہوت سا ہو رہا تھا دو ایک جگنو اس کی جانب آئے پھر فضا میں اوپر نیچے تیر گئے جگنوؤں کی فضا میں ہل چل سی مچی ہوئی تھی ایسا لگ رہا تھا صحن میں ننھے ننھے چراغ تیر رہے ہوں صحن کا چکر کاٹ کر ان سب کا رخ اب جنگل کی جانب تھا...... اورنگزیب کو ہوش سا آیا دوڑ کر لاؤنج اور پھر کمرے میں آ گیا۔ گلا خشک ہو رہا تھا۔ پانی کی بوتل اس نے پوری حلق میں انڈیل لی۔ اوسان تھوڑے بحال ہوئے تو وہ بستر پر گر گیا پورا وجود ہلکی کپکپاہٹ کی زد میں تھا عجیب سی کیفیت ہو رہی تھی نقاہت سے آنکھیں بند ہوئی جا رہی تھیں چار دن کے تیز بخار نے پہلے ہی اس کی ہمت توڑی ہوئی تھی آنکھیں بند کیے کیے وہ کب نیند کی وادیوں میں اتر گیا اسے خبر نہ تھی پھر جانے کیا ہوا سوتے سوتے اس کی آنکھ کھل گئی اس کے کانوں میں کوئی آواز آ رہی تھی۔

جب اس نے غور سے سنا تو اسے محسوس ہوا جیسے کوئی نزدیک ہی سسکیوں سے رو رہا ہے۔

بہت روح فرسا احساس تھا س۔ اس کے کمرے میں کون رو رہا تھا یہ ایک نسوانی آواز تھی وہ گھبرا کر اٹھ کر بیٹھ گیا چند ثانیے وہ بت بنا بیٹھا رہا...... پھر اس نے سائیڈ ٹیبل پر رکھا ٹیبل لیمپ جلایا۔ لیمپ کی روشنی محدود تھی۔ سسکیوں کی آوازیں اب بھی آ رہی تھیں...... اس نے تیزی سے اٹھ کر کمرے کی لائٹ روشن کر دی اس نے چاروں طرف دیکھا اسے کچھ نظر نہ آیا۔

وہاں کچھ ہوتا تو ہی دکھائی دیتا رونے کی آواز بھی اب معدوم ہو چکی تھی۔ اسے شبہ ہوا کہ اس نے واقعی کسی کے رونے کی آواز سنی تھی اگر آواز سنی تھی تو کیا یہ خواب تھا...... تب اسے خیال آیا کہ رونے کی آواز تو اس نے آنکھ کھلنے کے بعد بھی سنی تھی۔ اور کافی دیر تک بیڈ پر بیٹھا آواز کی سمت کا تعین کیا تھا ٹیبل لیمپ جلانے کے بعد تک اس نے سسکیوں کی آوازیں سنی تھی وہ پوری طرح نیند کے حواسوں سے باہر نکل آیا تھا۔ یہ

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

سب درست تھا تو رونے والی کہاں گئی۔

اسی شش و پنج میں وہ دوبارہ بستر پر لیٹ گیا صبح اس کا ارادہ تھا دیر تک سوئے گا پوری رات وہ بے آرام رہا تھا نیند پوری نہیں ہوئی تھی اس وقت بھی وہ گہری نیند میں تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی دروازہ بند نہ تھا اندر سے جواب نہ ملنے پر فائزہ اندر چلی آئی اورنگزیب کو یوں بے خبر سوتا دیکھ کر پہلے تو سوچا آرٹ گیلری والوں کو کہہ دیں کہ کچھ دیر بعد فون کریں مگر صبح سے دو مرتبہ وہ انہیں ٹال بھی چکی تھی اب یہ تیسرا فون تھا اور اُن کے بیٹے کو ایک انتہائی سنہری چانس مل رہا تھا خود کو منوانے کا کچھ کر دکھانے کا تو وہ اسے اٹھانے پر مجبور ہو گئیں تھیں۔ انہوں نے دھیرے سے اُس کی پیشانی پر ہاتھ رکھا چند لمحوں کے بعد اورنگزیب نے ماں کے ہاتھ کا دباؤ محسوس کر کے آنکھیں کھول دیں ان کا ہاتھ پکڑ کا اپنی آنکھوں سے ہٹایا اور نیند میں ڈوبی آواز میں بولا۔

''امی کیا ہوا؟ خیریت ہے سب۔''

''کوئی بات نہیں بیٹا بلکہ خوشی کی بات ہے تمہیں آرٹ گیلری والے فون کر چکے ہیں دو مرتبہ یہ تیسری بار ہے ورنہ میں تمہیں نہیں جگاتی۔ میں ریسیور رکھتی ہوں جا کے تم یہاں سے بات کر لو......'' فائزہ نے ایکسٹینشن فون کا ریسور بیٹے کو تھمایا۔

''ہیلو......'' ریسیور رکھے جانے کی آواز سن کر اورنگزیب بولا۔

''شام میں آرٹ گیلری میں ایک نیا پینٹر متعارف کروانے جا رہے ہیں ہم......'' دوسری طرف سنہرا بول رہی تھی۔

''تم شام میں فری ہو اگر نہیں ہو تو بھی فری رہنا تمہاری شرکت لازمی ہے۔'' سنہرا نے ہدایت اور دعوت دونوں ساتھ ساتھ دینے میں کمال حاصل کیا ہوا تھا۔

''میں ضرور ضرور آؤں گا۔'' اورنگزیب کی نیند کافور ہو گئی سنہرا کی اس دعوت پر یہ اس کے کیرئیر کے لیے سنگ میل کی سی اہمیت رکھتی تھی۔ اس کی تمام حسیات جاگ گئی تھیں رات سنہرا کا کام نہ کر سکنے کی پشیمانی نے اسے گھیر لیا تھا۔

''مجھے آپ سے معذرت بھی کرنی ہے سمجھ نہیں آ رہا الفاظ نہیں مل رہے مجھے......'' اس نے شرمندہ شرمندہ لہجے میں الفاظ جوڑے فون پر تھوڑی سی معذرت کر لے تاکہ ملنے سے پہلے کچھ حوصلہ پیدا ہو جائے دوسری جانب جواب میں سنہرا کی ایک گہری سانس لینے کی آواز سنائی دی۔

''تم نے کیا کیا ہے؟ کیا نہیں مگر افسوس ہے میں تم سے ناراض نہیں ہو سکتی۔ مگر ہاں تم نے جو نقصان میرا کیا ہے اس کی بھرپائی کرنی پڑے گی۔'' وہ پھر اپنی مخصوص ہنسی ہنس دی۔ اورنگزیب کی جان میں جان آئی۔

''شکریہ میں تیار ہوں نقصان پورا کرنے کے لیے......''

''بس تو پھر شام میں ملتے ہیں اور ہاں اپنی کچھ پینٹنگز جو بنائی ہیں تم نے وہ لینے آنا......او کے پھر......بائے......'' سنہرا نے فون بند کر دیا۔

(جاری ہے)

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

دوشیزہ کا سفر

زندگی کا سفر یقیناً بہت اعصاب شکن عمل ہے کہ اس میں بے شمار لوگ بچھڑ جاتے ہیں‘ بگڑ جاتے ہیں بدل جاتے ہیں بس یہ اطمینان ہوتا ہے آخری پڑاؤ منزل پر ہی ہوگا۔ تین نسلوں پر محیط سفر کی دلچسپ داستان جو آپ کو دوشیزہ اور دوشیزہ والوں سے جوڑے رکھے گی

منزہ سہام

بہترین کارکردگی پر اسٹیٹ لائف کی شیلڈ وصول کرتے ہوئے سہام مرزا

دوشیزہ کا دفتر اب طارق روڈ سے شفٹ ہو کر آدم آرکیڈ بہادرآباد آچکا تھا..... دفتر کے ہر کونے کی سجاوٹ‘ فرنیچر کا انتخاب سب ابو نے کیا ایک ایک کونا سجایا۔ امی کا کمرہ کون سا ہوگا‘ ابو کہاں بیٹھیں گے اس زمانے میں طارق عزیز صاحب نیلام گھر والے اور مرحوم سلیم ناصر صاحب (آنگن ٹیڑھا والے) آفس میں بطور مدیر موجود تھے لہٰذا طے یہ ہوا کہ پہلا کمرہ طارق عزیز صاحب اور اس کے سامنے والا امی کا ہوگا جو بعد میں میرا کمرہ بنا..... ابو اور

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

سلیم ناصر صاحب آخری کمرے میں بیٹھا کرتے درمیان

جیلانی بانو' رخسانہ سہام' منورہ نوری خلیق اور عظمت عزمی سچی کہانیاں کے دفتر میں

والا کمرہ فرہاد زیدی صاحب کا تھا جو ایم ڈی پی ٹی وی بھی
رہے۔ مجھے اپنا دفتر بہت پسند تھا۔ ہال میں مارکیٹنگ

قمر علی عباسی (ایام جوانی) اور نیلوفر علیم پہلے دوشیزہ رائٹرز ایوارڈز کی تقریب میں

والے جن میں ریاض مرزا صاحب' پروین شروانی صاحبہ

امتیاز علی صاحب (جو بجیا کے ڈراموں میں اکثر ہوتے
تھے) جعفر بھائی یہ لوگ بیٹھا کرتے سب سے زیادہ رونق
اور ہلا گلا اسی کمرے میں ہوتا تھا' ایک بار فرید نواز بلوچ
مرحوم (دانش اور یاسر نواز کے والد) آفس آئے تو ابوان کو

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

بڑی خوشی سے سب سے ملوا رہے تھے جب امی سے تعارف کا موقعہ آیا تو ابو نے امی سے پوچھا۔ ”رخسانہ بتاؤ یہ کون ہیں؟“ (ویسے مجھے ابو کی یہ بات ہمیشہ بڑی پریشان کرتی تھی بعض اوقات آپ کے ذہن میں اس شخص کا نام نہیں آتا اور بڑی شرمندگی ہوتی ہے) بہر حال امی کی خود اعتمادی پر تو کتابیں لکھی جاسکتی تھیں فوراً بولیں ہاں سہام انہیں کون نہیں جانتا یہ نادر جسکانی ہیں یہ سن کر ابو تو جو شرمندہ ہوئے سو ہوئے فرید نواز بلوچ مرحوم بہت گڑبڑائے‘ دراصل نادر جسکانی سندھ کا بدنام ڈاکو تھا۔ سن 85 میں سچی کہانیاں کا اجرا ہوا سب سے پہلے ایڈیٹر شمیم نوید تھے۔ ان کے ساتھ دانش دیروی سچی کہانیاں کی سجاوٹ میں مشغول

محمد نعیم اختر ایم [illegible] بن معصوم امجد جاوید امجد ماریہ عرفان ایم حسین کنول‘ پرنس عبدالخالق شاہین ہیں۔ اس کے بعد پندرویں صدی‘ شوبزنس‘ میڈیکل ورائٹی اور بچوں کا رسالہ شوبزنس کی وجہ سے ہر وقت دفتر میں ٹی وی اور فلم سے جڑے لوگوں کی آمد ورفت رہتی تھی۔ ابو نے فیصلہ کیا کہ بچوں کے رسالے پر اپنی کلاس میں فرسٹ آنے والے بچے کی تصویر انہی بڑی شخصیات کے ساتھ ہوگی تو ایک طرف دفتر میں مشہور شخصیات کے انٹرویوز ہو رہے ہوتے اور دوسری جانب چھوٹے چھوٹے ذہین بچے اپنی رپورٹ کارڈ کے ساتھ منتظر ہوتے کہ کب اُن کا انٹرویو لیا جائے۔

اب احساس ہوتا ہے کہ ابو صرف لکھاریوں کو عزت نہیں

بشریٰ رحمان‘ رخسانہ سہام اور بیگم ثاقبہ رحیم الدین

تھے دونوں ایڈیٹران کی انتھک محنت کی وجہ سے سچی کہانیاں ترقی کے مدارج طے کرتا رہا۔ اُن لوگوں کو سچی کہانیاں میں لکھنے کا موقع دیا گیا جو بالکل نو آموز تھے اس زمانے میں تحریر کے چھپنے کا معیار بہت سخت تھا مگر سچی کہانیاں نے نئے لکھنے والوں کی تحریروں کی نوک پلک سنوار کر انہوں نے موقع دیا اور یہی وجہ تھی کہ اچھے لکھاریوں کی ایک نئی فصل تیار ہوئی۔ چند نام جو اولین شماروں میں موجود ہیں وہ

دیتے تھے وہ بچوں بڑوں سب کا احترام کرتے تھے۔ اس زمانے میں تو کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ بچوں کو اتنی اہمیت ملے گی کہ ان کے انٹرویوز بڑوں کی طرح شائع ہوں گے۔ ہر مہینہ دوشیزہ کے اولین ایجنٹ مجیب صاحب شماروں کی ریکارڈ سیل پر تمام آفس اسٹاف کو لنچ دیا کرتے..... اس دن بہت چہل پہل ہوتی کئی قسم کے کھانے بڑی سی میز پر سج رہے ہوتے جہاں سب ابو کی

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

موجودگی میں کھانا کھاتے۔ کیا دن تھے اُن قہقہوں کی گونج

تصویر میں سید علی ارسلان، شیریں خان اور بشریٰ رحمان نمایاں ہیں (1979ء دوشیزہ ایوارڈز)

اب بھی میرے کانوں میں موجود ہے۔ اتنی دعوتیں اتنے فنکشن ہوتے تھے کہ شاید ہی کوئی شام تھی جو گھر پر گزرتی،

سچی کہانیاں کے پہلے ایڈیٹر شمیم نوید ہمراہ سلیم فاروقی اور سید صاحب

اور اگر ایسا کوئی دن ہوتا تو گھر پر کسی نہ کسی کی دعوت ہوتی۔

کتنی جلدی وہ خوبصورت اور اچھے دن گزر گئے اب تو واقعی میں خواب لگتے ہیں لگتا ہی نہیں کہ کبھی ایسی زندگی بھی گزاری تھی نہ وہ لوگ رہے نہ وہ محفلیں.....

"یاد ماضی عذاب ہے یارب"

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

دوشیزہ رائٹرز ایوارڈ کا سلسلہ تواتر سے جاری تھا۔ پروین شروانی اور ریاض مرزا صاحب کی انتھک محنت نے ادارے کو وہ عروج عطا کیا کہ دیکھنے والے انگشت بدنداں رہ گئے۔ پیور سلک کی پلین ساری میں موتیوں کی مالا پہنے جب پروین آنٹی آفس میں قدم رکھتیں تو ہر جانب جیسے روشنی ہی روشنی ہوتی۔ لبوں پر سرخ لالی اور سیاہ تراشیدہ زلفوں کو سنبھالتی وہ واقعی میں مارکیٹنگ ہیڈ تھیں۔ اُن کا ڈیپارٹمنٹ خوب پھل پھول رہا تھا دوشیزہ کے فنکشن میں تحفوں کی بھرمار ہوتی گل احمد اور الکرم والے اپنے پورے پورے تھان فی بندہ بھیج دیا کرتے' فلپس' شان مصالحے' ڈان بریڈ' پی آئی اے' نیشنل بینک اور دیگر بے شمار اشتہاری کمپنیوں کی مصنوعات تحفوں میں دی جارہی

ڈاکٹر سلیم اعظم' دانش دیروی اور سب ایڈیٹر سچی کہانیاں ثمینہ

ہوتیں...... ابو کا ارادہ تھا کہ جلد وہ اپنے بہترین لکھاری کو گاڑی تحفے میں دیں گے...... وہ گاڑی نہیں جو آج کل مختلف گیم شوز میں دی جاتی ہے بلکہ اصل گاڑی مختلف کمپنیوں سے بات چیت چل رہی تھی کہ اچانک ایک دن ضیاء الحق مرحوم کے پریس سیکریٹری جناب صدیق سالک مرحوم کا فون آ گیا کہ مرزا صاحب آپ اور بیگم صاحبہ فوراً اسلام آباد پہنچیں کچھ گرم کپڑے رکھ لیں شاید صدر صاحب

کے ساتھ چین جانا پڑے۔ پاسپورٹ ہمراہ لایئے گا امی ابو اسلام آباد چلے گئے۔ ضیاء الحق صاحب سے ملاقات ہوئی انہوں نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ آپ اخبار نکالیں...... پریس کے لیے جگہ اور دیگر سہولیات میں فراہم کروں گا چین جانے کا ارادہ تھا مگر میں جونیجو کی حکومت گرا رہا ہوں لہٰذا بتایئے فوری طور پر اخبار کے لیے کس چیز کی ضرورت ہے۔ ابو نے کہا صدر صاحب آپ ٹیلی پرنٹرز کی لائنیں لگوا دیں میں اخبار شائع کر دوں گا بے فکر رہیے۔ راتوں رات ٹیلی پرنٹرز کی لائنیں ڈال دی گئیں۔ دیوہیکل جنریٹر آدم آرکیڈ کے احاطے میں اتار دیا گیا۔ ضیاء الحق صاحب کے بہترین دوست ضیاء السلام انصاری صاحب نے بطور ایڈیٹر کرسی سنبھال لی اب شب و روز مختلف تھے شوبزنس ناصر رضا صاحب کے حوالے کر دیا گیا۔ سچی کہانیاں اور دوشیزہ دانش دیروی اور شمیم نوید مرحوم کی ذمہ داری بنا اور طارق عزیز پندرہویں صدی کو پیارے ہو گئے' دن و رات کی کڑی محنت کے بعد سویرا اخبار کی ڈمی شائع ہو گئی۔ ابو صبح اسٹیٹ لائف جاتے 3 بجے دوشیزہ کے آفس اور پھر جب پریس پر پرنٹنگ مکمل ہو جاتی تو صبح کے 4 بجے گھر آ جاتے......(اس انتھک محنت کا صلہ ان کو اخبار کی

www.urdusoftbooks.com

کامیاب اشاعت کی صورت مل رہا تھا)۔ میں ابو کے

دو بہترین دوست مقبول جلیس اور سہام مرزا جنرل (ر) معین الدین حیدر کے ہمراہ

ساتھ پریس چلی جاتی تھی کیونکہ مجھے یہ ڈر رہتا کہ وہ دل کے مریض ہیں اُن کی دوائیں ہمہ وقت میرے پاس

محسن بھوپالی مرحوم، ظہیر صاحب، اسلم صاحب مرحوم پرویز بلگرامی، سلیم اختر صاحب

موجود رہتیں کون سی دوا کب زبان کے نیچے رکھنی ہے میں

بخوبی واقف تھی اس لیے ابو کا سایہ بنی رہتی......اخبار کی اشاعت سے پہلے ہی ضیاء الحق صاحب کے طیارے کا حادثہ ہو گیا سب نے ابو کو منع کیا کہ سہام اخبار کا خیال چھوڑ دو مگر وہ نہ مانے اور اپنے بل بوتے پر تنویرا کی اشاعت

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

شروع کر دی۔ وہ دفتر جہاں قہقہے گونجا کرتے تھے..... شام
ہوتے اب وہاں ایک افراتفری کا عالم تھا۔ اخبار کا عملہ

خان آف قلات کے داماد خان محمد خان صاحب ہمراہ سہام مرزا اور اختر شہاب

کی چائے پر بھی اسماعیل شاہ، اظہار قاضی، عائشہ ریاست
ہوتیں تو کبھی نذیر ناجی، فراست رضوی، محسن بھوپالی،
بالکل الگ تھا اور رسالوں کے لوگ بالکل الگ بھی بھی
مدیران کو دیکھ کر لگتا جیسے رضیہ غنڈوں میں پھنس گئی ہے۔

(دو محسن) مہتاب اکبر راشدی اور جنرل معین حیدر کے ہمراہ منزہ سہام

وسعت اللہ سردار قریشی صاحب، جمال احسانی مرحوم موجود
سویرا کے بعد شام کا اخبار انجام بھی پوری سج دھج کے ساتھ

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

منظرعام پر آ گیا تھا۔ دن پرانا اخبار پکوڑے لپیٹنے یا چنے رکھنے کے کام آتا ہے۔

پہلے سرکولیشن منیجر اسلم صدیقی صاحب اور تنویر رانا

روزنامے اور ڈائجسٹ دونوں کا تعلق حالانکہ ایک ہی میڈیم سے ہے جس کو پرنٹ میڈیا کہتے ہیں مگر مزاجوں مگر ڈائجسٹ کو پڑھنے والا سالوں اس کو سینت سینت کر رکھتا ہے۔ لہٰذا اس میں کام کرنے والوں میں بھی بہت

ایک لنچ کی یادگار تصویر...... صبیحہ شاہ صاحبہ، طلعت آفتاب، سہام مرزا مرحوم اور محسن بھوپالی مرحوم

میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ بالکل ایسے ہی جیسے ایک ٹھہراؤ پایا جاتا ہے اور اخبار میں کیونکہ روز نئی خبر درکار ہوتی

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

ہے اس لیے اس سے وابستہ لوگ عام طور سے کچھ جلد باز محسوس ہوتے ہیں۔ خیر آ ہی گیا وہ شاہکار جس کا تھا انتظار' اخباروں کی سیل میں روز بروز اضافہ ہو رہا تھا اور ایک وقت وہ بھی آیا جب سویرا ایک ہی دن میں دو بار چھپنے لگا۔ ابو کی ساری توجہ اخباروں کی جانب تھی۔ صحت گر رہی تھی' دوشیزہ اور سچی کہانیاں سمیت تمام ڈائجسٹ عدم توجہی کا شکار ہونے لگے...... پھر حکومت وقت کو سویرا کی کسی خبر پر غصہ آ گیا اور اشتہارات اور کاغذ کا کوٹہ کینسل ہو گیا۔ یہ وقت بہت سخت تھا اکاؤنٹ صفر رہ گئے تمام گاڑیاں بک گئیں ابو

کام کرنے کے لیے وقت نہیں ہوتا تھا اور وہ سارا کام گھر لاکر پوری پوری رات جاگ کر کرتے تھے اب وہاں سناٹوں کا راج تھا...... دانش انکل دوشیزہ اور سچی کہانیاں کو سینے سے لگائے بیٹھے تھے۔ اسی دوران امی شدید بیمار ہوگئیں اور کومے میں چلی گئیں۔ یہ دہری پریشانی تھی جس نے ہم سب کے اعصاب شل کر دیے۔ میری عادت تھی میں ابو کے گھر آتے ہی اُن کے جوتے اُتارا کرتی تھی بیٹیاں ویسے بھی باپوں کی لاڈلی ہوتی ہیں اور اپنے ہاتھوں سے اُن کے کام کرکے خوش ہوتی ہیں۔ کچھ عرصے سے وہ

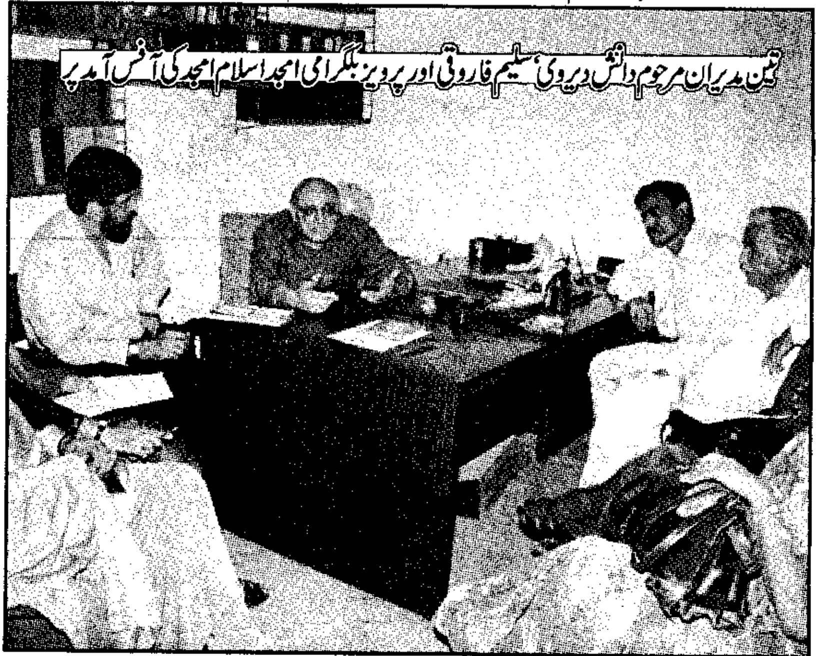

تین مدیران مرحوم دانش دیروی' سلیم فاروقی اور پرویز بلگرامی اسلام امجد کی آفس آمد پر

نے پیدل دفتر جانا شروع کر دیا ہمارے بچپن کے ڈرائیور شیر گل روز اسی طرح ڈیوٹی پر حاضر ہوتے اور ابو کے پیچھے پیچھے انکا بریف کیس لے کر پیدل دفتر کی طرف روانہ ہوجاتے۔ امی اس دوران شدید ڈپریشن کا شکار ہوگئیں پرچے ایک ایک کرکے بند ہوتے چلے گئے۔ مگر دوشیزہ اور سچی کہانیاں شیر گل کی طرح وفادار رہے...... دوست احباب سب نے ساتھ چھوڑ دیا۔ وہ دفتر جہاں ابو کے پاس

مجھے ایسا کرنے سے روک رہے تھے ایک دن میں نے ضد کرکے اُن کے جوتے اتارے تو میں یہ دیکھ کر گنگ رہ گئی کہ ان کے جوتوں کے تلوں میں جا بجا چھید تھے پاؤں زخمی تھے میری ہمت ہی نہیں ہوئی کہ میں اپنے باپ سے آنکھیں ملا سکتی خاموشی سے جوتے اُتار کر اپنے دوپٹے سے صاف کیے اور شیر گل کے ہاتھ موچی کے پاس بھجوا دیے۔ مگر اس دن پھر اپنے آپ سے وعدہ کیا کہ ابو کے

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

رسالوں کو جان دے کر پروان چڑھاؤں گی۔ بڑوں سے بھی آ گئیں اور گھر اور دفتر کی ویرانی بھی دور ہوگئی۔ 99ء

محترم اتا کا' عاصفہ اتا کا' بجیا اور سہام مرزا مرحوم

سنا تھا کہ جب جوتے پھٹ جاتے ہیں تب یقین رکھو حالات ضرور بدلتے ہیں..... اور پھر واقعی میں سب اچھا

میں برسوں کا رکا دوشیزہ رائٹرز ایوارڈ کا سلسلہ پھر شروع ہوگیا۔ مدیر سیما غزل اور عابدہ رؤف تھیں' عابدہ آنٹی سنجیدہ

ایام جوانی' طارق عزیز صاحب اور قمر علی عباسی مرحوم

ہوتا چلا گیا۔ اب نئے لوگ تھے دفتر پرانا تھا..... گاڑیاں

مزاج چہرے پر نرم سے مسکراہٹ لیے کام میں مصروف

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

رہتیں اور سیما غزل جن کی ہر انگلی میں ایک خوبصورت

دوشیزہ کے اولین ایجنٹ مجیب صاحب ہمراہ فریدہ مسرور اور غزالہ رشید

انگوٹھی آنکھوں میں چمک اور چہرے پر شیطانی ہمہ وقت موجود رہتی دوشیزہ کو روز بروز نکھار رہی تھیں۔ پرویز بلگرامی

حکیم ناصر اور سہام مرزا مرحوم

اور دانش ویردی اپنی اپنی کرسیوں پر براجمان تھے..... ایک

بار پھر رنگ خوشبو اور ہنسی کی جلترنگ دفتر میں بکھرنے لگے۔ دوشیزہ اور سچی کہانیاں پورے طمطراق سے اپنی چھب دکھانے لگے...... سچی کہانیاں کے لکھاریوں کے

اعزاز میں ظہرانے کا انتظام کیا گیا جس میں پاکستان کے

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

دور دراز علاقوں سے رائٹرز نے شرکت کی سب ایک دوسرے سے پہلی بار مل رہے تھے ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے بروں سے ایک دوسرے کو جانتے ہوں۔ 99ء میں جب دوشیزہ کا فنکشن ہوا تب میں نے سپاس نامہ پیش کیا ابو نے بڑی محنت کروائی تھی کیونکہ میری زبان ویسے تو بہت صاف تھی مگر ہوں تو حیدرآبادی بس ق اور خ پر آج بھی پھسل جاتی ہوں لہٰذا انہوں نے سپاس نامے میں ایسا کوئی لفظ ہی نہیں لکھا جو ق یا خ سے شروع ہوتا ہو۔ ویسے یہاں مجھے

شیر گل جو ہمیں اسکول لے جاتے رہے پھر دانیال زین کو بھی......

رضوانہ پرنس، رضیہ مہدی، نگہت نسیم

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

اپنی اُردو کی بہت پیاری ٹیچر مس عزیزہ یاد آرہی ہیں اُن کا تعلق بھی دکن سے تھا اور جب وہ املا ٹیسٹ لیتیں تو پوری کلاس فیل ہوجاتی تھی کیونکہ سب خبر کو قبر اور قبر کو خبر لکھتے ...... مگر وہ کان مروڑتی جاتیں اور کہتیں نکمی لڑکیاں...... اب میں نے باقاعدگی سے دفتر کی ذمہ داری سنبھالنا شروع کردی تھی۔ پابندی سے آفس آنا' پھر مختلف فنکشنز میں ابو کے ساتھ جانا' مجھے سب سے زیادہ مزہ قمر علی عباسی انکل کی بک لانچ میں آتا تھا وہ ہر سال امریکہ سے آکر ایک کتاب شائع کرتے اور بڑے دھوم دھڑکے سے

بہت یاد آتی ہے ہمیں اپنے پیاروں کے لیے ضرور وقت نکالنا چاہیے ورنہ شدید پچھتاوا رہتا ہے۔

اللہ نے مجھے دو شہزادوں سے نوازا دانیال اور زین بیٹے تو وہ میرے تھے مگر قبضہ ابو کا تھا۔ اب اُن کی زندگی کا محور صرف یہ دونوں تھے۔ دفتر اور دفتر سے گھر...... اُن کی ہر بات اور ہر سوچ صرف دانیال' زین کے گرد ہی گھومتی تھی نہ میں ابو کے سامنے ان دونوں کو ڈانٹ سکتی تھی نہ کوئی سختی کرسکتی تھی۔ امتحانوں کے دنوں میں ایک دن دانیال کی پٹائی کردی تو ابو آنکھوں میں آنسو لے کر آگئے میں نے

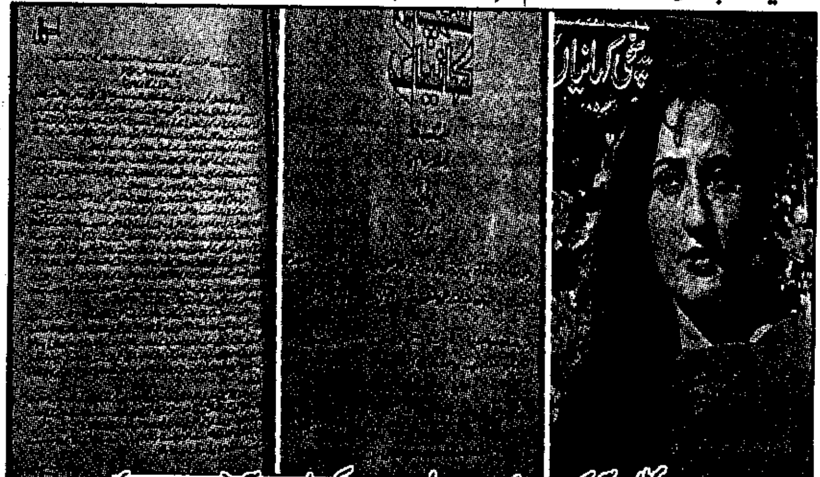

پہلا ٹائٹل سچی کہانیاں' پہلا احوال اور پہلا کریڈٹ بیج (1985ء)

اُس کی رونمائی کرتے میرے اور ابو کے لیے فرنٹ صوفہ مختص ہوتا۔ نیلوفر آنٹی ہمیشہ آہستہ سے کہتیں منزہ آگے بیٹھنا وہ جانتی تھیں کہ میں اور ابو خاموشی سے کہیں آخری نشستوں پر بیٹھ جائیں گے' نیلوفر آنٹی اور قمر علی عباسی مرحوم سے بچپن کا تعلق تھا جب وہ حسن اسکوائر پر رہتے تھے بچپن کی یادیں اور لوگ بہت قیمتی ہوتے ہیں اسی لیے جب 2012ء میں امریکہ گئی تب عباسی انکل کے گھر جانے کی بہت کوشش کی مگر بھانجی کی شادی نے موقعہ نہ دیا مجھے آج بھی عباسی انکل کے وہ جملے یاد ہیں۔

”یار آجاؤ بڑی یاد آتی ہے۔“ اور اب مجھے ان کی

انہیں اس طرح بلکھتے تو اس وقت نہیں دیکھا تھا جب جوتوں میں چھید ہوگئے تھے۔ جب اپنے پرائے ہوگئے تھے...... جب صبح و شام بس رات کا ہی منظر رہتا تھا' انہوں نے مجھ سے وعدہ لے لیا کہ میں بچوں کو کبھی نہیں ماروں گی۔ ”سوری ابو میں نے بہت بار وعدہ خلافی کی اور اب تک کرتی ہوں۔“

اب فریدہ مسرور اور سونیا دوشیزہ کی تزئین و آرائش میں مصروف تھیں اور زندگی سبک خرامی سے آگے بڑھ رہی تھی۔ انسان بھی بڑا عجیب ہے پریشانیوں پر سہم جاتا ہے ٹوٹ جاتا ہے مگر اچھے دن آنے پر سارے دکھ اور درد بھول کر پھر سے

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

کھڑا ہوجاتا ہے نئے دکھوں کو جھیلنے کے لیے......

2001ء یہ روح فرسا خبر ہم سب کی سماعتوں پر بجلی بن کر گری کہ ابو کو پیٹ کا کینسر ہوگیا ہے اور بقول ڈاکٹرز کے زندگی کے صرف چھ ماہ ان کے پاس ہیں۔ شوکت خانم ہسپتال لاہور اور آغا خان کراچی میں علاج شروع ہوا' 'وقت متعین ہے نیند رات بھر کیوں نہیں آتی'' مجھے زندگی میں پہلی اور آخری بار اپنے رب سے شکوہ ہوا جب تک انسان کو عقل نہیں ہوتی وہ رب سے شکوے کرتا ہے مگر اللہ اپنے بندے پر اپنا فضل کر دیتا ہے تب صبر کی بھاری سل

تیسری نسل زین شمسی اپنی مانو کے ساتھ......

سینے پر دھر جاتی ہے اور یہی بھاری سل اصل میں زندگی کا نچوڑ ہے باقی سب پانی کا بلبلہ...... میں رو رو کر دنیا بنانے والے سے اُن کی زندگی مانگتی رہی اور وہ آنکھوں میں بے بسی لیے دانیال' زین کو تکا کرتے ایک دن میں نے بہت ہمت کر کے پوچھا ابو اللہ سے کوئی گلہ ہے آپ کو تو بولے بس یہی کہ مجھے کچھ وقت اور دے دیتے دانیال زین 18 سال کے ہوجاتے تو میں سکون سے مرجاتا...... یہ بات تو مجھے جلتی دھوپ میں ننگے سر اور ننگے پاؤں کھڑے ہونے پر سمجھ میں آئی کہ وہ اپنے نواسوں کا شناختی کارڈ کیوں اپنے سامنے بنوانا چاہتے تھے۔ دراصل ہمارے آس پاس ہی ایسے لوگ ہوتے ہیں جن کے ہیت تو انسانی ہوتی ہے مگر وہ وحشی درندے ہوتے ہیں' خون آشام بلاؤں جیسے...... جو کسی کا بھی حق بہت آرام سے ہڑپ کر لینا جانتے ہیں...... چھ ماہ کے اندر اندر ابو نے اس دنیا کو خیر باد کہا۔ بہت دردناک تھا وہ آخری دن جب وہ دفتر سے اٹھے سب کو خدا حافظ کہا اور کہا کہ دفتر کی سیڑھیاں چڑھنا ممکن نہیں تم لوگ سنبھالو گے اب اِس آفس کو...... کتنا مشکل ہوتا ہے جب انسان کو پتہ چل جائے کہ اب وقت رخصت ہے وہ اب اُن راستوں پر کبھی نہیں لوٹ سکے گا۔ جہاں سے روز گزرتا تھا۔ سب منظر بدل جائیں گے' ابو کی بیماری کے دنوں میں مجھے احساس ہوا کہ اللہ کی بے شمار نعمتوں میں سے ایک نعمت موت کا بنا کہے اچانک آجانا ہے انسان آج بھی اتنا مضبوط نہیں کہ لمحہ لمحہ اپنے آپ کو موت کی طرف بڑھتا دیکھے مگر ابو نے اور میں نے یہ بھی دیکھا دنیا سے وہ جا رہے تھے اور سانسیں میری اٹک رہی تھیں۔ ابو کے انتقال کے بعد جب پہلے دن آفس گئی تب اُن کا لکھا آخری چیک کا کاؤنٹر فائل میرے سامنے تھا۔''

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

میرے کفن دفن اور کھانے کے پیسے۔" اُس دن میں پھوٹ پھوٹ کر روئی اور اتنا روئی کہ اس کے بعد آنسو ہی خشک ہوگئے۔ لمبے عرصے تک میں چاہ کر بھی رونا پاتی تھی.....مگر جیسے جیسے زندگی نے اپنا اصل چہرہ دکھانا شروع یا تو مجھے سمجھ آیا کہ مسکراتے ہوئے آنکھوں کا بھیگنا کیا ہوتا ہے.....اور کیوں ہوتا ہے۔ ابو کی بیماری کے دنوں میں سارا اسٹاف گھر آجاتا کوشش کرتے مگر آنکھوں کی نمی نہیں چھپا پاتے۔ بڑا مشکل ہوتا ہے روز کسی کو قطرہ قطرہ پگھلتا

دوشیزہ رائٹرز ایوارڈ کے موقع پر پروین شروانی ہمراہ سید صاحب (نصف بہتر)

دیکھنا.....ابو روز صبح دفتر آنے والوں سے اُن کی خیریت پوچھتے اب آواز فون پر بھی دھیمی ہورہی تھی۔ مگر حسرت تھی کہ کاش پھر سے آفس جاسکوں۔ شیر گل ان کے سارے ذاتی کام کررہے تھے۔ بہت عزیز تھے انہیں شیر گل اور شیر گل نے بھی حق ادا کیا۔ کینسر بڑھتے بڑھتے سانس کی نالی تک آگیا تھا غذا ان کے حلق سے نہ اترتی اور نوالے میرے گلے میں پھنس جاتے.....زندگی کی بے ثباتی پر اس روز یقین آیا جس دن ابو خاموشی سے دنیا چھوڑ گئے۔ مجھے آخر وقت تک یقین تھا کہ وہ کینسر کو شکست دے دیں گے۔ وہ حالات سے لڑ کر جینے والے انسان تھے اور مجھے بھی یہی سکھایا مگر انسان کتنا طاقت ور، نڈر، پیسے والا

اختیارات والا کیوں نہ ہو اُس کو مرنا تو پڑتا ہی ہے۔ یہی حقیقت ہے وہ بھی چلے گئے، اور میں تنہا رہ گئی۔ اللہ دشمن کو بھی باپ کے سائے سے محروم نہ کرے...... برسوں میں اُن راستوں پر جہاں ابو ساتھ ہوتے تھے جا کر دیکھتی تھی کہ ٹنڈ منڈ درخت ویسے ہی کھڑا ہے بھاری سا پتھر برسوں اسی جگہ پڑا رہا نہیں تھے تو میرے دوست میرے باپ جن کی زندگی جہد مسلسل تھی۔ کیا انسان اس جھاڑ جھنکار اور پتھروں سے بھی گیا گزرا ہے کہ وہ زمین پر موجود رہتے ہیں

اور انسان چلا جاتا ہے...... اور مجھے اپنے اس سوال کا جواب ہمیشہ ہاں ہی کی صورت ملا انسان تو سب سے کمزور ہے..... مگر مانتا نہیں۔ ابو نے اپنی محنت اور اپنی محبت دونوں میرے اندر اتار دی۔ وہ جنون وہ عشق جو انہیں دوشیزہ اور پھر سچی کہانیاں سے تھا مجھے ورثے میں ملا...... میں فریدہ مسرور اور غزالہ رشید کے ساتھ اس سفر پر نکل کھڑی ہوئی۔ جو وہ ادھورا چھوڑ گئے تھے۔ سلیم فاروقی مرحوم ناصر رضا صاحب کاشی چوہان، رضوانہ پرنس اور پرویز بلگرامی بھی اس سفر کا حصہ بنے رہے۔ دوشیزہ اور سچی کہانیاں تو تناور درخت تھے..... مگر دانیال زین بہت معصوم بہت چھوٹے، میری زندگی کا مقصد دوشیزہ کی

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

چھاؤں میں اپنی اولاد کو پروان چڑھانا تھا۔ میں نہیں چاہتی تھی جن بچوں کو مارنے پر ابو کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے اُن کی تربیت میں کوئی کمی رہ جائے۔ زندگی کا سفر اکیلے ہی کاٹنا ہوتا ہے...... ہر شخص اپنی پیٹھ پر اپنا بوجھ لادے ہوئے ہے۔ میں بھی اپنی ذمہ داریاں پوری کر رہی ہوں۔ آج اُن کا نواسہ یعنی تیسری نسل نے دفتر کی تقریباً ساری ذمہ داریاں سنبھال لی ہیں......لوگ کہتے ہیں مرزا صاحب آپ کے تو بیٹے نہیں کون سنبھالے گا یہ سب؟ کیوں کرتے ہیں اتنی محنت؟ تب وہ مسکرا کر خاموش ہوجاتے مگر ایک نظر مجھ پر ضرور ڈالتے اور مجھے لگتا جیسے اُن کی آنکھیں کہہ رہی ہیں مونی سنبھالے گی یہ میرا بیٹا ہے۔ ابو میں اعتراف کرتی ہوں ساری زندگی بھائی کی کمی بہت محسوس کی آپ کے جانے کے بعد بہت سال ڈرتی بھی رہی لڑتی بھی رہی، ٹوٹ ٹوٹ کر بکھرتی بھی رہی، مگر اب نہیں......بیٹیاں کمزور نہیں ہوتیں وہ والدین کے ورثے کو سنبھالنے کی اہل ہوتی ہیں۔ میں نے جو ابو سے سیکھا تھا وہ اِن کے شکرے کو لوٹا دیا ہے۔ دانیال کو منصفی کا شوق چرایا ہے وہ دن بھی میری زندگی کا بہترین دن ہوگا جس دن وہ عدالت میں یہ کرسی سنبھالے گا اور ایمان داری سے فیصلے کرے گا۔ مجھے یقین ہے اس دن میں ابو سے آنکھیں ملا سکوں گی۔ درحقیقت ان کے نواسوں کو اس قابل کرکے کہ وہ ابو کے ادارے کی باگ دوڑ پوری طاقت سے سنبھال سکیں میں نے ان کے زخمی پیروں پر پھاہے رکھنے کی کوشش کی ہے اور اب میں ان سے آنکھیں چرانے نہیں بلکہ ملانے کے قابل ہوں جانتی ہوں یہ سفر یونہی جاری وساری رہے گا۔ کیونکہ یہ دوشیزہ کا سفر ہے سچی کہانیاں کا سفر ہے جو کہنے کو تو دوشیزہ ہے، مگر ہے سچی، نڈر اس کی زندگی سخت جدوجہد، لگاتار محنت، ناکامیوں اور کامیابیوں سے مرقعہ ہے تبھی تو ایک صدی کا سفر طے کرکے بھی دوشیزہ ہی ہے اور یہ سچ بھی ہے۔

آخر میں ان تمام لوگوں کا دل سے شکر ادا کرنا چاہتی ہوں جو اس سفر کا حصہ تھے، ہیں اور رہیں گے۔ میں دوشیزہ فیملی سے جڑے ہر رائٹر کی ممنون و مشکور ہوں جن کے ساتھ کے بغیر یہ سفر ممکن نہ تھا۔ میں ابن حسن پریس، جنانی بائنڈرز، عکس فلم میکرز، ممتاز صاحب، مظہر آرٹسٹ اور دفتر میں موجود ہر اُس شخص کا شکریہ ادا کرنا چاہتی ہوں جنہوں نے ہمیشہ ادارے کا ساتھ دیا۔ حالانکہ دوشیزہ کا ساتھ دینا کافی مشکوک بنا دیتا ہے مگر یہ وہ واحد دوشیزہ ہے جس کا ساتھ معتبر کرتا ہے۔

یہاں ایک مخدوم اینڈ کمپنی کا ذکر نہ کرنا ناسپاسی ہوگی پہلے دوشیزہ کے شمارے سے لے کر اب تک یہی ہمارے انکم ٹیکس ایڈوائزر ہیں...... مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ابو انکم ٹیکس ریٹرن جمع کروانے مخدوم صاحب کے آفس جایا کرتے تھے اور میں نیچے گاڑی میں بیٹھی رہتی۔ اور PIDC سے مزے مزے کی چیزیں خرید کر کھاتی رہی آج بھی میں مخدوم انکل کے پاس جاتی ہوں اور وہ چٹکیوں میں میرے ہر مسئلے کا حل نکال لیتے ہیں۔ ابو نہیں ہیں مگر مخدوم فہیم انکل اُسی طرح میرے اور ادارے کے ساتھ ہیں اس کے ساتھ میں یقیناً اُن کی بڑائی ہے۔

دوشیزہ کا سفر ایک صدی پر محیط ہے کچھ لوگوں کا ذکر کر سکی کچھ کے نام میری کوتاہ بینی کی وجہ سے رہ گئے حقیقتاً اس سفر کو تحریر کرنا ایسے ہی ہے جیسے دریا کو کوزے میں بند کرنا لہٰذا جن لوگوں کا ذکر میری تحریر میں نہیں میں ان سے معذرت خواہ ہوں وہ میری تحریر میں نہیں مگر میرے دل میں موجود ہیں اور جب سامنا ہوگا تب وہ یہ مان بھی جائیں گے......میں اپنے پڑھنے والوں سے امید رکھتی ہوں کہ وہ اپنی قیمتی آرا سے مجھے ضرور نوازیں گے۔ یہ شعر آپ سب کی نظر

منافقت کا نصاب پڑھ کر محبتوں کی کتاب لکھنا
بڑا کٹھن ہے خزاں کے ماتھے پر داستانِ گلاب لکھنا

www.urdusoftbooks.com

''سچی کہانیاں'' اب گھر بیٹھے حاصل کیجیے

ادارہ 'سچی کہانیاں' اپنے قارئین کی سہولت کے لیے دفتر میں ایک ڈیسک قائم کر رہا ہے۔ آپ کو اگر 'سچی کہانیاں' ملنے میں دشواری ہے تو بذریعہ فون یا میسیج ہمیں مطلع کریں آپ کہیں بھی رہتے ہیں ادارہ آپ کے گھر کے پتے پر بذریعہ وی پی 'سچی کہانیاں' ارسال کرے گا اس طرح آپ اور آپ کے پیارے 'سچی کہانیاں' کے درمیان جو دوریاں پیدا کر دی جاتی ہیں وہ بھی ختم ہو جائیں گی۔ 'سچی کہانیاں' اب گھر بیٹھے حاصل کیجیے۔

فوری رابطہ 021-35893121-22-23

موبائل نمبر 0304-3168708

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

لال بتی

(پہلی قسط)

پُر اسرار واقعات سے لیے ایک ہولناک تحریر...... پڑھنے والوں سے گزارش ہے کہ رات میں یہ کہانی نہ پڑھیں کیونکہ راکھشس کہانی سے نکل کر باہر آ سکتا ہے

ثمینہ مشتاق

رات کے اس پہر سیتا کے نیم تاریک کمرے میں دیے کی مدھم لو آخری سانسیں لے رہی تھی سیتا کچھ دیر اپنے بستر پر بیٹھی اندھیرے کو گھورتی رہی اور پھر کسی ٹرانس میں چلتی ہوئی سامنے رکھے دیے کی جانب بڑھ گئی۔

تیز ہوا نے اس کے کالے لمبے بال بکھیر دیے تھے کچھ بال اس کے ماہ جبیں چہرے پر لہرانے لگے اس کا دوپٹہ بستر کے کونے میں اٹکا کسی فریادی کی صدا بن گیا جو سنی اَن سنی کر دی گئی ہو وہ چھوٹے چھوٹے قدم لیتی دیے تک پہنچ گئی۔

دیے کی لو تیز ہواؤں کے تھپیڑوں سے پہلے ہی قریب المرگ تھی سیتا کو اپنے قریب پا کر اور بھی سہم گئی سیتا نے بجھتے دیے کو اپنے نازک ہاتھوں میں تھام لیا اور اپنے چہرے کے قریب لے آئی' اس کی کالی آنکھیں دیے کی لو پر جمی ہوئی تھیں اس کا چہرہ دیے کی روشنی سے دمک رہا تھا اس نے دیے کے پس منظر کو نظر پھیر کے دیکھا' کمرے کی کھڑکی سے اماوس کی کالی رات جھانک رہی تھی' ایسا لگتا تھا اسے قریب اور قریب بلا رہی ہو۔

سیتا نے اپنے کمرے کی کشادہ کانچ کی کھڑکیوں کی جانب چلنا شروع کیا کھڑکی کے پردوں نے سرسراہٹ شروع کر دی ایسا لگتا تھا وہ اسے پہلے ہی آگے بڑھ کر تھام لینا چاہتے ہیں...... ہر چلمن ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرنے لگی ہوا بھی آج موج میں تھی وہ کبھی سیتا کے بالوں سے تو کبھی پردوں سے انگلیاں تک پہنچی' اچانک ایک کالی بلی کود کر کمرے کی کھڑکی میں آن بیٹھی اور اپنے پاؤں کی مخصوص حرکت سے اپنا چہرہ چاٹنے لگی وہ سیتا سے بالکل بے نیاز تھی' اس نے ایک بار بھی سیتا کی موجودگی پر اعتراض نہ کیا سیتا کی نظریں بلی پر جم گئیں۔

اچانک بلی کی حرکت تھم گئی...... اس نے لال انگارہ آنکھوں سے سیتا کی جانب دیکھا اور ایک ہی جست میں سیتا کو جا لیا۔ ایک دلخراش چیخ سیتا کے حلق سے نکلی اور دیا اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا اس ہی چیخ کے ساتھ سیتا کی آنکھ کھل گئی......

www.urdusoftbooks.com

سیتا گہری سانسیں لے رہی تھی اس نے اپنے دل پر ہاتھ رکھا دھڑکن بے ترتیب تھی اس کا حلق خشک تھا اس نے اپنے اردگرد دیکھا صبح کا سورج طلوع ہو چکا تھا۔

سیتا کا شوہر لاؤنج میں بیٹھا اخبار پڑھ رہا تھا سیتا نے جھٹکے سے چادر ایک طرف پھینکی اور بستر سے اٹھ گئی۔

''اجی سنتے ہو......'' سیتا نے کندن کے پاس آ کر کہا۔ کندن نے اخبار سے نظریں ہٹائے بغیر ہنکار بھری اور بدستور اخبار پڑھنے میں معروف رہا۔

''ارے سنو نہ......'' سیتا نے کندن کا اخبار لے کر ایک طرف رکھ دیا اور اس کے برابر صوفے پر آن بیٹھی۔

''میں نے کل رات سپنے میں پھر کالی بلی دیکھی جس نے لال آنکھوں سے مجھے دیکھا اور مجھ پر حملہ کیا' ڈر سے میری آنکھ کھل گئی۔'' سیتا نے تشویش سے کہا۔

کندن نے چشمے کے عقب سے سیتا کے چہرے کا جائزہ لیا اس کا چہرہ بجھا ہوا تھا آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے پڑ گئے تھے وہ بالکل مرجھائی ہوئی تھی کچھ عرصے سے اس کی صحت دن بہ دن گرتی ہی چلی جا رہی تھی وہ اکثر عجیب خدشات کا شکار رہتی نہ جانے کیا کیا سوچتی رہتی اس سمجھانا کسی کے لیے بھی جوئے شیر لانا تھا۔ وہ کسی کی نہیں مانتی تھی۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

کندن کبھی پیار تو کبھی غصے سے کئی بار سمجھا چکا تھا کہ خواب اور حقیقت کے فرق کو سمجھو اور اپنی زندگی میں زہر مت گھولو تکلیف اور پریشانیاں ایشور کی دی ہوئی ہیں۔

انسان کو دنیا میں آنے کے بعد دکھ اور سکھ دونوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے مگر سیتا بضد تھی کہ نہیں اسے سچے خواب آتے ہیں اور خوابوں میں ہی ایشور اسے اشارہ دیتے ہیں کہ اس پر کسی بری شکتی نے قبضہ جمایا ہوا ہے جو نہ اسے جینے دیتی ہے نہ مرنے دیتی ہے۔'' اس سوچ نے اس کی زندگی کا سکھ چین برباد کر دیا تھا اور آج بھی سیتا کا چہرہ گزشتہ رات کے خواب کی داستان سنا رہا تھا' کندن جانتا تھا کہ سیتا کی بات کو نظر انداز کرنا اسے مزید پریشان کر دے گا' کندن نے اپنا چشمہ اُتار کر سامنے میز پر رکھ دیا اور ساری توجہ سیتا پر مرکوز کر دی۔

''میں نے کل رات سپنے میں پھر کالی بلی دیکھی کندن۔'' سیتا نے پریشان انداز میں کہا۔

''یہ سب ایک برا سپنا تھا اور کچھ نہیں۔'' کندن نے سیتا کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھام کر اسے دلاسا دیا۔

''نہیں نہ کندن سیتا نے ضد کی تم سمجھتے کیوں نہیں ہو یہ اور کچھ نہیں بس کالا جادو ہے میں سچ کہہ رہی ہوں تم سے۔''

''میری حالت دیکھو دیکھو مجھے' کیا میں پہلے ایسی دکھتی تھی تمہیں؟'' سیتا نے کندن کی آنکھوں میں دیکھا۔

''دیکھو میرے بال......'' سیتا نے اپنی چوٹی کندن کے آگے کر دی۔

''دیکھو کتنے کم ہو گئے ہیں میری چوٹی کے سارے بال جھڑ رہے ہیں' میرا روپ جل گیا ہے۔ میں بیمار رہنے لگی ہوں۔ ہر وقت تھکی تھکی رہتی ہوں۔ میں ایسے پاگل ہو جاؤں گی' کندن تم بڑے مندر کے سوامی جی سے بات کرو نہ...... میری کسی طریقے سے جان چھڑا دیں اس جادو سے...... ورنہ تم دیکھنا کندن میں مر جاؤں گی یا پاگل ہو جاؤں گی روز راتوں میں کبھی بلیاں کبھی وحشی کتے کبھی مکڑیاں کبھی چھپکلیاں دکھائی دیتی ہیں مجھے...... تم سوچو نہ روز ہی کیوں نظر آتی ہے مجھے......'' سیتا نے کندن کو سمجھانے کی کوشش کی۔

''سیتا اگر تم اچھے وچار سے رات کو سوؤ گی تو اچھے سپنے آئیں گے۔'' کندن بیزار ہو کر کھڑا ہو گیا اس نے گھڑی دیکھی۔ صبح کے نو بج گئے تھے۔

''سیتا مجھے ناشتہ بنا دو آج بڑی ضروری میٹنگ ہے میری جب تک تیار ہو جاؤں میں۔''

سیتا کندن کو خالی نظروں سے جاتا دیکھتی رہی۔

ناشتے کی میز پر بھی سیتا اپنے خیالوں میں گم تھی کندن اس کی حرکات وسکنات چہرے کے اتار چڑھاؤ دیکھ رہا تھا کندن کا ناشتہ لگا کر سیتا واپس کمرے میں جانے لگی تو کندن نے اسے آواز دے کر روک لیا۔

''میرے ساتھ ناشتہ نہیں کرو گی؟'' کندن نے پیار سے پوچھا۔

''نہیں بیٹھنا......'' سیتا نے ناپسندیدہ نظروں سے کندن کی جانب دیکھا۔

''نہیں تمہارے ساتھ ناشتہ نہیں کرنا مجھے۔'' سیتا کا لہجہ سپاٹ تھا۔ کندن نے اٹھ کر اس کا ہات پکڑ لیا۔

''آؤ بیٹھو میرے ساتھ جب تک میں ناشتہ کرتا ہوں۔''

''نہیں......'' سیتا نے ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

چھڑالیا۔

"یہ جو جادوئی شکتی ہے مجھے تم سے دور کر رہی ہے۔" اس کے لہجے میں بے چینی اور گھبراہٹ تھی سیتا کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں تھی۔

کندن نے سیتا کو گلے لگالیا' سیتا نے کسی ناپسندیدہ شے کی طرح کندن کو پیچھے دھکیلا جیسے کندن کے جسم سے گلے سڑے گوشت کی بو آرہی ہو۔

"میرا دل نہیں چاہتا تم سے پیار کروں تم سے دل لگی کروں۔" کندن حیرت سے سیتا کو دیکھنے لگا۔ سیتا بھاگتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئی اور دروازہ بند کرلیا کندن بت بنا کھڑا رہا۔

کندن کچھ دیر سیتا کے بند دروازے کو دیکھتا رہا اور پھر بنا ناشتہ کیے آفس چلا گیا۔ سیتا کافی دیر تک اپنے کمرے میں بند روتی رہی اور اپنی سوچوں میں گم رہی' دروازے کی گھنٹی نے اس کی سوچوں کا تسلسل توڑ دیا تھا سیتا مرے مرے قدموں سے چلتی ہوئی دروازے تک آئی درواہ کھولا تو سامنے کام والی بائی کھڑی تھی۔

"کیا بیگم ساب اتنی دیر سے دروازہ کھولا میں کب سے باہر کھڑی گھنٹی بجا بجا کے پگلا گئی۔" کام والی بائی نے اپنی کمر کے گرد بندھا ساڑھی کا پلو کھولا اور خود کو ہوا کرنے لگی۔

"بہت گرمی ہے باہر قسم سے دم نکل رہا ہے میرا۔" سیتا نے کام والی بائی کی بات کا کوئی جواب نہ دیا دروازہ بند کر کے واپس اپنے کمرے میں آ گئی۔ کام والی بائی بھی سیتا کے پیچھے اس کے کمرے میں آ کر بیزاری سے کھڑی ہو گئی۔

"آج بھی لگتا ہے آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے چہرہ ایک دم پھیکا پڑا ہے...... میں تو کہتی ہوں یہ روز روز کی بیماری ٹھیک نہ ہے بیگم ساب آپ اپنی نظر اترواؤ بھگوان کا دیا سب کچھ تو ہے آپ کے پاس ہر پھر بھی آپ خس (خوشی) نہیں دکھتی۔"

"مجھے کسی کی نظر نہیں لگتی۔" سیتا بستر پر لیٹ گئی اور چھت کو گھورنے لگی۔

"مجھے تو لگتا ہے آپ کے سسرال والے جلتے ہیں آپ سے کندن بابو کی ترقی سے گاڑی یہ شانتی ولا اچھے کپڑے آپ اتنی سندر ہو' کیسے سہن (برداشت) کرتے ہوں گے آپ کے سسرال والے۔" کام والی بائی سیتا کے قریب آ کر سرگوشی میں بولی۔

"میں تو کہتی ہوں آپ کسی سے اپنی نظر اتروائیں ایسے سندر پری جیسے مکھڑے کو کس کی نظر لگ گئی ہے۔" بائی کے چہرے پر ہمدردی تھی۔

سیتا نے اسے ایک نظر دیکھا اور صفائی کرنے کا کہا کام والی بائی جھاڑو اٹھا کر کمرے سے باہر چلی گئی۔ بائی کے جانے کے بعد سیتا اس کی کہی باتیں سوچتی رہی۔

"ہاں ٹھیک ہی تو ہے...... کتنا بوجھل رہتا ہے میرا من...... مجھے کسی پل چین نہیں ہے میرا دماغ سن رہتا ہے میں ٹھیک سے سو نہیں پاتی۔ وہ سب جلتے ہیں میرے سکھ سے وہ چاہتے ہیں مجھے کہیں چین نہ ملے۔" کام والی بائی کام ختم کر کے جا چکی تھی۔ سیتا اب کام والی بائی کے چلے جانے کے بعد شانتی ولا میں تنہا ہوتی اور بس سارا دن خالی دیواروں کو تکا کرتی۔ سیتا کندن کے آنے تک شانتی ولا کی نچلی منزل میں ہی رہتی تھی نچلی منزل کے ہر کمرے کی لائٹ روشن رکھتی تھی بس اوپر والی منزل پر جانے کی اس کی ہمت نہ ہوتی پر آج جیسے ہی شام کا اندھیرا ہونے لگا تھا اور ایسا لگتا تھا اوپر والی منزل میں کسی کے گھر کا سامان لایا جا رہا ہے

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

ایسا لگتا تھا کہ گھر میں نئے مکین آ رہے ہوں۔ مستقل سامان کے ادھر سے اُدھر ہونے کی آوازیں آ رہی تھیں اور ساتھ ساتھ سیتا کی بے چینی بھی بڑھتی جا رہی تھی۔ سیتا کی حالت عجیب ہوگئی اس کا سانس تیزی سے چلنے لگا۔ ہر آواز دماغ پر ہتھوڑا برسا رہی تھی۔ سیتا تیزی سے بالائی منزل کی سیڑھیاں چڑھ گئی اوپر بالکل اندھیرا تھا کالا سیاہ سامنے کا دروازہ کھلا تھا سیتا کی سانسیں بے ترتیب تھیں...... ماتھے پر خوف سے ٹھنڈے پسینے کی بوندیں ابھر آئیں سیتا کا حلق خشک تھا وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اندھیرے کو تک رہی تھی۔ سامان کی آوازیں آنا بند ہوگئی تھیں۔ سیتا نے دیوار کا سہارا لیا اور واپس جانے کے لیے پلٹی...... اچانک کچن میں رکھے واٹر ڈسپنسر سے پانی نکلنے کی آواز آئی۔

سیتا نے تڑپ تڑپ کر پھر اندھیرے کو گھورا۔ اب پانی کی آواز مستقل آ رہی تھی سیتا گھر میں داخل ہوگئی اس نے ٹٹول ٹٹول کر کچن کی لائٹ روشن کی سامنے رکھے ڈسپنسر پہ لگی پانی کی بوتل سے پانی کم ہوتا نظر آ رہا تھا اور ساتھ ہی غڑپ غڑپ کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ سیتا کی آنکھیں نفرت اور غصے سے پھیل گئیں۔

''کون ہو تم۔'' سیتا چلائی۔

''کون ہو تم؟'' مگر وہاں کوئی نہیں تھا سوائے پانی کی آواز کے......

''میرے گھر میں کیوں پی رہی ہو پانی کیوں آئی ہو یہاں یہ میرا گھر ہے...... میں اپنے گھر میں بہت خوش ہوں کوئی بھی میری شانتی نہیں چھین سکتا کوئی بھی مجھے نہیں ڈرا سکتا......'' سیتا زور زور سے چلا رہی تھی۔

''میں بد دعا دیتی ہوں تمہیں تم بے چین رہو گی تم برباد ہو گی تم کبھی کامیاب نہیں ہو پاؤ گی۔'' سیتا مستقل چلا رہی تھی کمرے کی کھڑکی زور زور سے بجنے لگی سرد اور تیز ہوا کی پاگل کر دینے والی آوازوں سے سیتا کے اعصاب شل ہونے لگے۔ بالائی منزل کا دروازہ اپنی پوری قوت سے بند ہوگیا۔

سیتا نے پوری قوت سے دروازہ کھولنے کی کوشش کی مگر وہ لاک ہوگیا تھا۔ سیتا نے پاگلوں کی طرح دروازہ پیٹنا شروع کر دیا۔

''دروازہ کھولو کوئی ہے مجھے باہر نکالو۔'' مگر وہاں سیتا کی فریاد سننے والا کوئی نہ تھا۔ سیتا تیزی سے پلٹی اور کمرے کی کھڑکی کے شیشے اپنی پوری قوت سے توڑ ڈالے سیتا کی ساری چوڑیاں بھی کانچ کے ساتھ ٹوٹ کر بکھر گئیں سیتا تیزی سے کھڑکی سے باہر نکل گئی اس کے ہاتھ بری طرح زخمی ہو چکے تھے۔ وہ مزید اوپر نہیں رکی گھڑی کا کانٹا دس پر آیا تو سارا گھر گھڑی کی ٹن ٹن سے گونجنے لگا سیتا کی نظریں گھڑی پر جم گئیں۔ باہر گھر کے لان میں گاڑی رکنے کی آواز آئی سیتا باہر کی جانب لپکی اور بھاگتی ہوئی کندن تک پہنچی کندن گاڑی سے نکل کر گاڑی کا دروازہ لاک کر رہا تھا۔

''کندن......'' اس نے سیتا کی گھبرائی ہوئی آواز پر پلٹ کر دیکھا سیتا کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

''کیا ہوا؟'' کندن گھبرا گیا۔

''کیا ہوا تم ٹھیک تو ہو؟'' کندن نے سیتا کے زخمی ہاتھ دیکھے تو مزید پریشان ہوگیا۔

''یہ...... یہ کس نے کیا یہ کیسے ہوا سیتا......'' کندن نے سیتا کو بازوؤں سے تھام لیا۔

''نہیں...... میں ٹھیک نہیں ہوں کندن......''

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

سیتا کندن کے سینے سے لگ کر رونے لگی۔
"آخر ہوا کیا ہے؟ کچھ بتاؤ گی بھی مجھے......" کندن پریشانی کے عالم میں کھڑا تھا' اس کی نظریں کبھی گھر کی جانب اٹھتی کبھی وہ سیتا کو دیکھتا اور معاملہ سمجھنے کی کوشش کرتا پر سیتا مسلسل رو رہی تھی ایسا لگتا تھا وہ بہت ڈری ہوئی ہے کندن کو شک ہونے لگا کہ گھر میں شاید کوئی چور گھس آیا ہے اس نے گھر کو مشکوک نظروں سے دیکھنا شروع کر دیا اس کی سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ لان میں کھڑا رہے یا سیتا کو لے کر گھر کے اندر جائے۔
"کندن......" سیتا کی پھر گھبرائی ہوئی آواز کندن کی سماعتوں سے ٹکرائی' سیتا بے حد ڈری ہوئی تھی اس نے کندن کو مضبوطی سے تھاما ہوا تھا اس نے خوف زدہ نظروں سے کندن کو دیکھا۔
"گھر میں کوئی ہے۔"
"کون...... کون ہے گھر میں......" کندن نے گھبرا کر پوچھا اس کی نظریں پھر گھر کی جانب اٹھ گئیں۔
"وہ ہمارے گھر سے روز پانی پیتی ہے۔
کندن وہ روز پانی پیتی ہے۔" سیتا کی حالت غیر تھی۔ اس کے خون سے رنگین ہاتھوں نے کندن کے کپڑے بھی رنگ دیے تھے۔
"وہ ایک راکھشس ہے وہ بال کھاتی ہے میرے پانی پیتی ہے ہمارے گھر کا تم میرا وشواس کرو ایسا لگتا تھا زمین ہل رہی ہے کھڑکیاں ٹوٹ رہی تھیں اس کی آوازوں سے......" سیتا بول رہی تھی اور کندن حیران پریشان کھڑا تھا۔ سیتا اس کے لیے سوالیہ نشان بنتی جا رہی تھی اس کی شادی کو پانچ سال ہو گئے تھے۔ ان پانچ سالوں میں کندن کو کبھی ایسے حالت کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔ شروع کے تین سالوں میں کندن کا چھوٹا بھائی اور ماں شانتی ولا میں کندن کے ساتھ رہے مگر پھر چھوٹے بھائی کی شادی کے ساتھ ہی کندن کی ماں چھوٹے بیٹے کے ساتھ دلی چلی گئیں اب دو سالوں سے کندن اور سیتا شانتی والا میں تنہا تھے۔ سیتا کو ڈراؤنے خواب آنا اور اس کے ساتھ یہ واقعات ان دو سالوں سے ہی رونما ہونا شروع ہوئے تھے اور رفتہ رفتہ ان میں اضافہ ہی ہوتا چلا گیا۔ کندن کلکتہ کی ایک بڑی ایڈورٹائزنگ کمپنی میں حصے دار تھا گھر میں روپے پیسے کی کوئی کمی نا تھی مگر ان حادثات نے دن رات کا چین چھین لیا تھا کندن سیتا سے بے حد محبت کرتا تھا مگر سیتا کی یہ حالت اب اس کے لیے پریشانی اور تشویش کا باعث بنتی جا رہی تھی کندن نے سیتا کو اپنے پاس سمیٹ لیا۔
"تمہارا وہم ہے میری رانی......" کندن نے سیتا کو سمجھانے کی کوشش کی۔
"نہیں میرا وہم نہیں ہے تم میری بات کا یقین کیوں نہیں کرتے ہو یہ دیکھو میرے ہاتھ سیتا نے زخمی ہاتھ کندن کے سامنے پھیلا دیے۔
کندن نے اس کے ہاتھ تھام کر کہا۔
"اچھا میرے ساتھ اندر چلو دھیرج (حوصلہ) رکھو کچھ نہیں ہے وہم ہے تمہارا۔"
کندن سیتا کو لے کر گھر کے اندر داخل ہوا گھر کی فضا نارمل تھی سارا گھر روشن تھا ٹی وی تیز آواز میں چل رہا تھا۔
کندن نے آگے بڑھ کر ٹی وی بند کر دیا۔
سیتا اور کندن ہال کمرے میں کھڑے تھے۔
"سب ٹھیک ہے۔" کندن مسکرایا۔ سیتا نے ڈری ڈری نظروں سے چاروں طرف دیکھا۔
کندن نے آگے بڑھ کر سیتا کے ہاتھ تھام لیے۔
"آؤ ہاتھوں پر مرہم لگا دوں۔" کندن جب

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

تک اس کے ہاتھوں کی پٹی کرتا رہا سیتا اُسے اُلجھی نظروں سے دیکھتی رہی۔

"تم سو جاؤ سیتا......" کندن ٹیبل لیمپ بند کرنے لگا تو سیتا چلائی۔

"لائٹ نہ بند کرنا......"

"مگر کیوں تم روشنی میں سو نہیں سکو گی۔" کندن نے اُلجھ کر کہا۔

"کندن مجھے ڈر لگتا ہے ہمارے گھر پر بری آتماؤں کا سایہ ہے وہ مجھے رات میں ڈراتی ہیں میں نے ایک بار سنا تھا کہ بری آتمائیں روشنی سے ڈرتی ہیں تم لیمپ جلا رہنے دو۔" کندن حیران تھا کہ سیتا جیسی پڑھی لکھی لڑکی کیسے ان باتوں پر یقین رکھ سکتی ہے اس نے سیتا کے زخمی ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھام لیے۔

"رانی تم ایسی باتیں مت سوچو ہم ایسی باتوں پر وشواس نہیں رکھتے تم بھی اپنے گمان سے ایسی باتوں کو نکال دو اور سکون سے سو جاؤ کچھ برا نظر نہیں آئے گا وشواس رکھو۔" کندن نے سیتا کو بازوؤں سے پکڑ کر لیٹا دیا۔

"سو جاؤ سیتا گڈ نائٹ......" اور لیمپ بھی جلنے دیا محض سیتا کی تسلی کے لیے صبح کندن کی آنکھ کھلی تو سیتا گہری نیند میں تھی لیمپ ابھی تک روشن تھا کندن نے مسکرا کر سیتا کو دیکھا اور اٹھ کر لیمپ بند کر دیا پھر لان میں چہل قدمی کے لیے چلا گیا۔ اسے ٹہلتے ہوئے کچھ ہی دیر ہوئی تھی کہ اچانک اس کی نظر لان کی جانب کھلنے والے دروازے پر پڑی سیتا وحشت کے عالم میں دروازے پر کھڑی تھی کندن کے قدم وہیں رک گئے۔

☆......☆......☆

سیتا کے لمبے کالے بال بکھرے ہوئے تھے وہ تیز تیز سانسیں لے رہی تھی اس کی آنکھیں لال انگارہ ہو رہی تھیں کچھ دیر کے لیے تو کندن کے الفاظ اس کے حلق میں ہی پھنس گئے سیتا کا یہ روپ اس کے لیے نیا تھا بے شک سیتا اس کا پہلا پیار تھی دونوں یونیورسٹی میں ساتھ پڑھتے تھے۔ تب سیتا کتنی شوخ و چنچل ہوا کرتی تھی ہر کوئی سیتا کے گن گاتا تھا مگر سیتا کا یہ روپ کندن کے لیے حیران کن تھا۔ کندن ابھی ٹھیک طرح سے کچھ سمجھ نہیں پارہا کہ سیتا کی گرج دار آواز سنائی دی۔

"لیمپ تم نے بند کیا تھا کندن......" سیتا کے لہجے میں غصہ اور نفرت تھی کندن ششدر رہا تھا۔ اس کے الفاظ بمشکل اس کی زبان سے ادا ہوئے۔

"سیتا کیا ہوا ہے تم کو تم ٹھیک تو ہو۔"

"مجھے بس اتنا بتاؤ لیمپ تم نے بند کیا تھا۔"

سیتا چند قدم چل کر کندن کے سر پر پہنچ گئی۔ اس کی مٹھیاں بھینچی ہوئی تھیں اور آنکھوں سے انگارے نکل رہے تھے وہ انتہائی نفرت اور غصے سے کندن پر نظریں گاڑے ہوئی تھی۔

"ہاں...... میں نے ہی صبح تمہارے سرہانے رکھے ٹیبل لیمپ کو بند کیا تھا۔" کندن نے اٹک اٹک کر جواب دیا۔ سیتا نے ایک فلک شگاف قہقہہ بلند کیا اور اپنی بند مٹھی کندن کے آگے بڑھا دی۔

"یہ لو......" کندن نے بے یقینی سے سیتا کی بند مٹھی کی جانب دیکھا۔

"یہ کیا ہے؟" کندن حیران و پریشان کھڑا تھا۔

سیتا نے آہستہ آہستہ اپنی مٹھی کھولی کندن کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں سیتا کی مٹھی کالے سیاہ بالوں سے بھری ہوئی تھی کالے سیاہ اُلجھے ہوئے بال......

"یہ...... یہ کیا ہے؟" کندن نے حیرت سے

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

سیتا کو دیکھا۔ سیتا نے کچھ کہے بنا اپنی انگلی گھر کی جانب اٹھادی۔
''وہ دیکھو...... کیا تم کو دکھائی نہیں رہی وہ۔''
کندن کی نظریں سیتا کا اشارے کے تعاقب میں گھر کی جانب اٹھ گئیں۔ پر وہاں کچھ نظر نہ آیا کندن نے اُلجھی نظروں سے سیتا کو دیکھا' سیتا بت بنی کھڑی تھی اس کی نظریں گھر پر جمی ہوئی تھیں چہرہ جذبات سے عاری تھا۔
کون ہے وہاں سیتا وہاں تو کوئی نہیں ہے۔''
کندن نے جھلا کر کہا۔
''وہ دیکھو...... وہ سنو وہ آوازیں وہ بجا رہی ہے گھنٹیاں......'' سیتا نے اپنے دونوں کان ہاتھوں کی پوری طاقت سے بند کر لیے۔
''وہ دیکھو کندن وہ کھڑی ہے سامنے اس کے پورے منہ پر میرے بال لپٹے ہیں دیکھو اسے وہ ہمیں دیکھ رہی ہے مسلسل گھنٹی بجا رہی ہے دیکھو اس کا سفید شریر (جسم)......'' سیتا بہت تکلیف میں تھی وہ دونوں کان بند کیے لان کے فرش پر اوندھی ہو کر بیٹھ گئی کندن ابھی بھی سراپا حیرت تھا کیونکہ اسے ابھی تک کچھ دکھائی نہیں دیا تھا۔
''سیتا وہاں کچھ بھی نہیں ہے۔'' کندن اب غیر یقینی سے کبھی سیتا کو دیکھتا تو کبھی گھر کو......
''تم کو کیوں نہیں ہے یقین ......'' سیتا ایک دم چلا کر کھڑی ہوگئی۔
''جا کر دیکھو میرے کمرے میں ہر جگہ میرے بستر پر اس راکھشس کے بال بکھرے پڑے ہیں۔'' کندن کے لیے اپنی حیرت پر قابو پانا مشکل تھا وہ تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا سیتا کے کمرے میں پہنچا مگر وہاں کچھ نہ تھا' کمرہ ویسا ہی نارمل تھا جیسا وہ صبح چھوڑ کر گیا تھا البتہ لیمپ روشن تھا سیتا بھی کندن کے پیچھے کمرے میں داخل ہوئی۔
''یہاں تو کچھ بھی نہیں ہے سیتا۔'' کندن نے جھلا کر کہا۔
''وہ تو یہیں رہتی ہے۔'' سیتا مسکرائی۔
''وہ کبھی اپنا سر دھڑ سے جدا کرتی ہے تو کبھی واپس لگا لیتی ہے کبھی بستر پر بیٹھتی ہے تو کبھی صوفے پر اس کے ساتھ بلیاں ہیں بہت ساری بہت سارے سانپ ہیں ہر روز میرے سرہانے کالے بال بکھرے ہوتے ہیں دیکھو نا یہ بال......'' سیتا نے پھر بالوں سے بھری مٹھی کندن کے آگے کر دی۔ گھڑی نے آٹھ کا گھنٹہ بجایا کندن کی نظریں گھڑی کی جانب اٹھ گئیں۔
''ہے بھگوان......'' کندن نے سر پکڑ لیا
''آٹھ بجے گئے ہیں آج میری ضروری میٹنگ ہے اور میں ابھی تک یہاں کھڑا تمہارے مسئلے سلجھا رہا ہوں سیتا پلیز میں ان باتوں سے تنگ آ گیا ہوں میری کچھ سمجھ نہیں آ رہا آ خر تم کو ہو کیا گیا ہے میں ان راکھشس اور آتماؤں پر وشواس نہیں رکھتا......'' کندن کمرے سے جانے لگا تو سیتا نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا۔
''کندن تم کیا چاہتے ہو میں پاگل ہو جاؤں اور شانتی ولا کی دیواروں سے سر ٹکراتی رہوں میں تو خود اس عذاب سے مکتی (نجات) چاہتی ہوں میری مدد کرو کندن......'' سیتا نے التجا کی کندن ایک سرد آہ بھر کر بستر پر بیٹھ گیا۔
''تم کیا چاہتی ہو سیتا......'' کندن نے سیتا کے سامنے ہتھیار ڈال دیے سیتا کندن کے قدموں میں بیٹھ گئی۔
''کندن میں چاہتی ہوں کہ تم بڑے مندر کے سوامی جی سے ملو اُن کے پاس ضرور اس بلا کا

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

توڑ ہوگا پلیز کندن میری مدد کرو۔'' سیتا کندن کی گود میں سر رکھ کر بچوں کی طرح رونے لگی کندن نے پیار سے سیتا کے بالوں پر ہاتھ پھیرا۔

''سیتا......''

کندن نے سیتا کا آنسوؤں سے تر چہرہ اوپر اٹھایا۔

''تم چنتا (فکر) نہ کرو میں تمہیں آج ہی بڑے مندر لے چلوں گا' بھگوان سب بہتر کریں گے۔'' کندن نے سیتا کے ماتھے پر بوسہ دیا۔

''ماہ رانی مجھے جانا ہے۔'' اور آج بھی کندن بنا ناشتہ کیے آفس چلا گیا سیتا اپنے خیالوں میں گم رہی اور بے چینی سے کندن کے واپس آنے کا انتظار کرنے لگی۔ رات جیسے ہی کندن کی گاڑی پورچ میں آ کر رکی سیتا بھاگتی ہوئی لان میں آ گئی۔ کندن گاڑی سے اتر رہا تھا سیتا بڑے بڑے قدم لیتی کندن تک پہنچ گئی۔

''چلیں کندن؟'' کندن نے سیتا کو حیرت سے دیکھا۔

''کہاں؟''

''ارے بڑے مندر سوامی جی کے پاس اور کہاں......'' سیتا نے جواب دیا۔

''سیتا گھر میں تو آنے دو یہ کیا طریقہ ہے...... چلتے ہیں پہلے میں فریش تو ہو جاؤں۔''

''نہیں کندن ابھی چلنا ہوگا فوراً میں مزید انتظار نہیں کر سکتی تم نہیں جانتے اس چڑیل کو وہ ہمیں کسی مصیبت میں ڈال دے گی اور مندر نہیں جانے دے گی کوئی نہ کوئی حادثہ ہو جائے گا۔'' سیتا نے کندن کو واپس گاڑی کی جانب دھکیلنا شروع کر دیا۔

کندن سارا دن سیتا کے بارے میں ہی سوچتا رہا تھا کہ وہ سیتا کی باتوں پر یقین کرے یا نہ کرے آخر کرے تو کیا کرے کندن نے فیصلہ کیا کہ وہ سیتا کی تسلی کے لیے اسے ضرور بڑے مندر لے جائے گا کیا پتا بھگوان کرپا کر دیں یہ سوچ کر کندن واپس گاڑی میں بیٹھ گیا۔

تھوڑی ہی دیر میں کندن کی گاڑی کالی ماں کے بڑے مندر کی جانب رواں دواں تھی۔ کالی ماں کا یہ مندر دو سو سال پرانا تھا اور پورے کلکتہ سے لوگ یہاں اپنی مذہبی رسومات ادا کرنے کے لیے آتے تھے...... اس مندر سے طرح طرح کی ہزاروں عجیب و غریب کہانیاں جڑی تھیں یہ مندر کالی ماں کے ماننے والوں کے لیے بڑا مقدس تھا جیسے جیسے مندر قریب آ رہا تھا سیتا کی حالت غیر ہوتی جا رہی تھی اس کی زبان سے گیا کا جاپ زور پکڑ رہا تھا وہ سر دھن رہی تھی اور سیتا کی یہ حالت کندن کے لیے گھبراہٹ کا باعث بن رہی تھی وہ بار بار سر دھنتی سیتا کو دیکھتا اس کے لیے سڑک پر دوڑتی گاڑیوں پر توجہ قائم رکھنا مشکل تھا۔ مندر کی پرانی عمارت دکھائی دینے لگی تھی جو رات میں ایک پُراسرار منظر پیش کر رہی تھی مندر کی دیواریں بھی کالے پتھر کی بنی ہوئی تھیں اور دیواروں پر کالی کی آنکھوں کی سی وحشت تھی یہ مندر کالی ماں کے وجود کی طرح سیاہ تھا کندن نے مندر کے قریب گاڑی روک دی سیتا کے بال بکھرے ہوئے اور سر نیچے کی جانب تھا وہ ساکت تھی۔

''سیتا ہم آ گئے ہیں۔'' کندن نے سیتا کا بازو ہلایا سیتا نے ایک جھٹکے سے کندن کی جانب دیکھا اس کی آنکھوں میں خون اترا ہوا تھا کندن پر خوف طاری ہونے لگا۔

''سیتا تم ٹھیک تو ہو نہ۔'' سیتا کے ہونٹ خشک تھے ایسا لگتا تھا جیسے صدیوں سے پیاسے ہوں کسی بنجر زمین کی طرح سیتا کے ہونٹ بھی قحط زدہ تھے

www.urdusoftbooks.com

کندن گاڑی سے اتر کر سیتا کی جانب آ گیا اس نے گاڑی کا دروازہ کھولا اور سیتا کو سہارا دے کر گاڑی سے اتارا سیتا کندن کی بانہوں کے سہارے کھڑی ہوگئی سیتا کی لال ساڑھی کا پلو تیز ہوا میں لہرانے لگا اور بال اڑ اڑ کر سیتا کے چہرے پر بکھرنے لگے سیتا کو سخت سردی لگنا شروع ہوگئی اس نے کانپنا شروع کر دیا وہ نڈھال تھی ایسا لگتا تھا کسی نے اس کی روح قبض کر لی ہو ایک ایک قدم اٹھانا اس کے لیے محال تھا۔

''سیتا......'' کندن نے سیتا کا چہرہ اوپر اٹھایا وہ کسی معصوم بچے کی طرح کندن کے سینے سے لگ کر چل رہی تھی۔

''ہمت کرو سیتا مندر چڑھائی پر ہے اور سیڑھیاں چڑھ کر اوپر جانا ہے۔'' کندن پریشان اور دکھی تھا۔

''یہ راکھشس مجھ پر حاوی ہے کندن یہ مجھے مندر کے درشن نہیں کرنے دے گا۔'' سیتا کے چہرے پر کرب نمایاں تھا۔

''ہمت کرو سیتا مندر کی سیڑھیاں قریب ہی ہیں۔'' کندن نے سیتا کی ہمت بندھائی آج کی تو رات بھی کالی تھی کندن نے ایک ہاتھ میں ٹارچ پکڑی ہوئی تھی تاکہ اندھیرے میں راستہ دکھائی دے سکے اور ایک ہاتھ سے سیتا کو تھاما ہوا تھا سیتا سردی کی شدت سے کانپ رہی تھی مندر کی سترہ سیڑھیاں تھیں یہ مندر ایک اونچے ٹیلے پر واقع تھا کندن نے سیتا کے ساتھ سیڑھیاں چڑھنا شروع کیں اندھیرا ہونے کی وجہ سے کندن بہت احتیاط سے قدم بڑھا رہا تھا سیتا اپنے پورے وجود سے کندن پر منحصر تھی کندن کا پاؤں ذرا بھی لڑکھڑاتا تو دونوں کو شدید چوٹیں آ سکتی تھیں کیونکہ مندر کی سیڑھیاں کافی پرانے طرز کی تھیں سیڑھیوں کے بس آثار تھے ایسا لگتا تھا بڑی بڑی اینٹیں ہیں جنہیں ملا کر رکھ دیا گیا ہو آخری سیڑھی تک آتے آتے سیتا بری طرح ہانپنے لگی تھی اتنی تیز ہوا اور سردی میں بھی کندن پسینے سے بھیگ رہا تھا اس نے سیتا کو مندر کی آخری سیڑھی پر بٹھا دیا سیتا کا حال برا تھا......لگتا تھا بس ابھی بے ہوش ہو جائے گی۔

''مجھے پانی چاہیے۔'' سیتا نے کمزور لہجے میں کہا۔

''اب یہاں پانی کہاں ہوگا۔'' کندن نے پریشان ہو کر کہا۔

''ہوسکتا ہے مندر کے اندر پانی مل جائے تم ہمت کرو سیتا پجاری جی کے پاس یقیناً پانی مل جائے گا۔'' کندن نے سیتا کو سہارا دے کر اٹھانا چاہا پر سیتا نے اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔

''مجھ میں بالکل ہمت نہیں کے چل سکوں میں میرے پاؤں برف ہوگئے ہیں۔'' سیتا نے چلنے سے انکار کر دیا۔ ہوا اپنے زوروں پر تھی اب تو بادل بھی گرجنے لگے تھے۔

''لگتا ہے برسات ہونے والی ہے۔'' کندن نے موسم کے بدلتے تیور دیکھ کر کہا۔

سیتا کندن کی ٹانگوں سے لپٹ گئی۔

''کندن......'' اس کے پیاس سے سکڑے ہوئے ہونٹوں سے بمشکل نکلا اور اس کی گرفت کندن کی ٹانگوں پر ڈھیلی ہونا شروع ہوگئی کندن نے سیتا کو بازوؤں پر اٹھا لیا۔

''سیتا تمہیں کیا ہو رہا ہے میں تمہیں ایسے نہیں دیکھ سکتا۔'' کندن نے مندر کی جانب چلنا شروع کر دیا مندر کا دروازہ کھلا تھا اور اس سے پھوٹنے والی ہلکی روشنی سامنے کے آنگن کو جگمگا رہی تھی بس وہی ایک دروازہ روشن تھا باقی ہر طرف کالے سیاہ

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

اندھیرے کا راج تھا کندن سیتا کو لیے مندر کے دروازے میں کھڑا تھا مندر کے اندر ہر شے روشن تھی مندر کی گھنٹیاں تیز ہوا کے دوش پر جھوم رہی تھیں۔ سامنے کالی کی مورتی اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ موجود تھی کالی کے چرنوں میں اتاری گئی آرتھی کی لو سے ابھی بھی دھواں اٹھ رہا تھا اور مورتی پر برسائے جانے والے پھول کالی کے چرنوں کا بوسہ لے رہے تھے کندن اجنبی نظروں سے مندر کا جائزہ لے رہا تھا سیتا کو اس نے بازوؤں پر اٹھایا ہوا تھا جو رفتہ رفتہ ہوش میں غافل ہوتی جا رہی تھی۔

''کون ہو تم کیا چاہیے۔'' اچانک ایک گرج دار آواز کندن کے کانوں سے ٹکرائی کندن نے مڑ کر دیکھا تو پیلی چادر اور تہہ بند پہنے ایک ہاتھ میں اعصا لیے دو بڑی کالی آنکھیں اُسے گھور رہی تھیں۔

☆......☆......☆

میں اور میری پتنی مشکل میں ہیں ہمیں آپ کی مدد چاہیے۔'' کندن کی حالت بھی ابتر تھی۔

''اندر آ جاؤ۔'' ان کالی بڑی آنکھوں سے آواز آئی اور وہ تیزی سے مندر میں داخل ہو گئیں کندن بھی ان کے پیچھے اندر آ گیا۔ مندر چراغوں سے روشن تھا سارے مندر میں گھی کی سوندھی خوشبو پھیلی تھی ان کالی بڑی آنکھوں نے کالی کے سامنے اپنا ماتھا ٹیک دیا۔

''جے کالی کلکتے والی......'' ایک فلک شگاف نعرا بلند ہوا اور مندر کے باقی پجاریوں نے بھی اس نعرے میں کالی بڑی آنکھوں کا ساتھ دیا پورا مندر اس نعرے سے گونج اٹھا وہ کالی بڑی آنکھیں پھر کندن پہ جم گئیں۔

ایسا کیا چاہتا ہے تو کالی سے کیا نہیں ہے

تیری۔'' کندن نے سیتا کو مندر کے فرش پر بیٹھا دیا سیتا گھبرائی ہوئی آنکھوں سے مندر اور کالی بڑی آنکھوں کو دیکھ رہی تھی۔

''میں بہت مشکل میں ہوں اور میری پتنی ایک عجیب دھودہ (پریشانی) کا شکار ہیں مجھے مندر کے بڑے پجاری جی سے ملنا ہے۔'' کالی بڑی آنکھوں سے ایک قہقہہ بلند ہوا۔

''تو مورکھ (بے وقوف) ہے تیری ظہاری آنکھ وہ نہیں دیکھ سکتی جو تیرے سامنے ہے تو تیرے باطن کی آنکھ کیا دیکھ پائے گی جا چلا جا یہاں سے۔'' کالی بڑی آنکھیں جلال میں آ گئیں۔

''ایسا نہ بولیں سوامی جی......'' کندن نے آگے بڑھ کے بڑی آنکھوں کے پاؤں پکڑ لیے۔

''میں یہاں بڑی آشا لے کر آیا ہوں آپ کالی کے بھگت ہیں مجھے کیسے نراش (مایوس) کر سکتے ہیں کالی کے مندر میں جو شرن (پناہ) لینے آئے کالی اسے نراش نہیں لوٹاتی۔'' کالی بڑی آنکھوں نے کندن کو گھور کر دیکھا۔

''کیا نیت ہے تیری کیا چاہتا ہے؟'' کالی بڑی آنکھوں نے اپنا سوال دہرایا۔

''یہ میری پتنی سیتا ہے پچھلے دو سالوں سے میری پتنی کو طرح طرح کے ڈراؤنے سپنے آتے ہیں جن میں وہ سانپ مکڑیاں وحشی کتے دیکھتی ہے اسے ایک راکھشس بھی دکھائی دیتا ہے جس کے پاس کالی بلیاں ہیں اس کے منہ پر ہر جگہ بال لپٹے ہیں...... یہ سب صرف میری پتنی کو دکھائی دیتا ہے سوامی جی میں نے کبھی اپنے گھر میں ایسی کوئی چیز نہیں دیکھی نہ میں ان باتوں پر وشواس (یقین) رکھتا ہوں۔ پر میری پتنی ان واقعات کی وجہ سے گم صم رہتی ہے اپنے ہی وچاروں (خیالوں) میں

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

گھری رہتی ہے۔ کالی بڑی آنکھیں سیتا پر مرکوز ہوگئیں انہوں نے اپنا ہاتھ سیتا کے سر پر رکھ دیا سیتا نے آنکھیں بند کرلیں کالی بڑی آنکھیں کچھ دیر بند رہیں اور پھر پورے جلال کے ساتھ کھل گئیں سوامی جی کے وجود پر لرزہ طاری تھا مندر کی گھنٹیوں کی آواز سے پورے ماحول میں ایک ارتعاش پیدا ہوجاتا تھا سوامی جی کے ہاتھ میں سیتا کا ایک ٹوٹا ہوا بال تھا وہ اپنے پورے وجود سے کانپ رہے تھے سیتا اور کندن ان کے سامنے ہیبت زدہ بیٹھے تھے ان کالی بڑی آنکھوں نے پوتر پانی کا کاسہ منگوایا اور اس پانی میں سیتا کا ٹوٹا ہوا بال ڈال دیا بال کاسے کے پانی میں ڈوب گیا کالی بڑی آنکھیں گہرے دھیان میں گم ہوگئیں مندر کی گھنٹیوں کی جل ترنگ اور پجاریوں کے جاپ نے ماحول کو عجیب پُراسرار بنا رکھا تھا کندن اور سیتا کے سامنے کالی کی قدآور سونے سے بنی مورتی رکھی تھی اس کی لال زبان منہ سے باہر نکلی ہوئی تھی اور انگارہ لال آنکھیں لگتا تھا سیتا اور کندن پہ جمی ہوئی ہیں کالی بڑی آنکھیں اپنا جاپ ختم کرچکی تھیں انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے پوتر تیل منگوایا اور پوتر جل کی سطح پر انڈیل دیا جس میں سیتا کا بال ڈوبا ہوا تھا سیتا اور کندن سارا منظر حیرت اور تجسس سے دیکھ رہے تھے پوتر تیل نے رفتہ رفتہ ایک آنکھ کی شبیہ اختیار کرلی' کالی بڑی آنکھیں ایک جھٹکے کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئیں اور ان کا جاپ زور پکڑ گیا جاپ ہوتا رہا مندر کی گھنٹیاں بجتی رہیں اور ماحول پر سراسیمگی چھائی رہی کچھ دیر بعد تیل کی سطح سے آنکھ کی شبیہ غائب ہوگئی کالی بڑی آنکھیں وجد سے باہر آگئیں سیتا اور کندن ابھی بھی حیرت زدہ کاسے کے سامنے بیٹھے تھے

''جا چلا جا تیرا کام ہوگیا ہے کوئی بری آتما تیری پتنی کو تنگ نہیں کرے گی یہ پوتر کردی گئی ہے۔'' کندن ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہوگیا۔

''سوامی جی میں آپ کا بہت ابھاری (شکر گزار) ہوں مگر میری ایک بنتی (التجا) ہے۔'' کندن کالی بڑی آنکھوں کے سامنے ادب سے جھک گیا۔

''اب کیا نیت ہے تیری کالی کسی کو نراش نہیں کرتی جو بھی اچھی نیت لے کر آیا سپھل (کامیاب) ہوکر گیا کبھی خالی ہاتھ نہ لوٹا۔''

''سوامی جی میں جاننا چاہتا ہوں کہ آخر میری پتنی پر یہ بری شکتی کہاں سے آئی کس نے سیتا کو اپنے وش (بس) میں کر رکھا تھا۔'' کندن کی بات ختم ہوئی تو ایک فلک شگاف قہقہہ پھر بلند ہوا۔

''مندر سے باہر چلا جا مورکھ جب بھوجن کا وقت ہو تو اور کوئی سوال نہیں کرتے کالی بڑی آنکھیں کالی ماں کے سامنے جھک گئیں۔

''بھوجن (کھانا) کرکے جانا کندن مایوس ہوکر سیتا کی جانب مڑا اس نے ہاتھ کا سہارا دے کر سیتا کو اٹھایا اور مندر سے باہر جانے لگا۔

''روک جا......'' کالی بڑی آنکھوں کی گرجدار آواز پھر سے کندن کے کانوں سے ٹکرائی۔

مندر کے تالاب میں اشنان (نہانا) کرنا نہ بھولنا تیرے سوالوں کے جواب مل جائیں گے اب چلا جا۔'' سیتا اور کندن نے ادب سے سوامی جی کو پرنام کیا اور مندر سے باہر نکل کر تالاب کی جانب آگئے اندھیری رات اب سمٹنے لگی تھی کبھی کبھی چاند کسی بدلی سے نمودار ہوکر اپنی جھلک دکھاتا اور پھر کسی بدلی میں گم ہوجاتا چاند کی مدھم روشنی میں مندر کے تالاب کا پانی عجیب طلسماتی

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

وسحر انگیز منظر پیش کررہا تھا چاند کا عکس جب بھی تالاب میں دکھائی دیتا ایسا لگتا چاند تالاب کی تہہ سے نکل کر واپس تالاب میں غوطہ زن ہو گیا ہو تالاب زیادہ بڑا نہ تھا مثلث میں بنے اس تالاب تک مندر کی سات سیڑھیاں اتر کر جانا پڑتا تھا تالاب کے چاروں جانب کالے رنگ کی جالی لگی تھی اور اس جالی کے ساتھ ہی ایک طرف پیپل کے درخت پر بہت سے پیلے ہرے لال دھاگے بندھے تھے۔ سیتا کندن کا ہاتھ پکڑ کر تالاب کی سیڑھیاں اترنے لگی جو تالاب تک جاتی تھیں۔ تالاب کی آخری سیڑھی پر مندر کے پجاری نے سیتا کا ہاتھ تھام لیا۔

''بالک (بیٹا) جو بھی تمہاری منت ہے اس کا دل میں ارادہ کرلو اور سچے من سے پراتھنا کرو۔'' پجاری نے نرم لہجے میں کہا اور سیتا کے ساتھ تالاب کی جانب بڑھنے لگا۔ سیتا نے کندن کی جانب دیکھا اس کی نظروں میں خوف بھی تھا اور امید بھی کندن نے سیتا کا دوسرا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا اور دونوں پجاری کے ساتھ تالاب میں اتر گئے تالاب زیادہ گہرا نہ تھا مگر سرد موسم کے باعث پانی کافی ٹھنڈا ہو چکا تھا پھر بھی سیتا کو اشنان کروانا ضروری تھا تالاب کے وسط میں آ کر پجاری نے اپنا دایاں ہاتھ سیتا کے سر پر رکھا اور منتر کا ورد کرنے لگا اور آہستہ آہستہ اس نے سیتا کو نیچے کی جانب دھکیلنا شروع کر دیا سیتا نے سانس روک لی اور سر تک پانی میں ڈوب گئی پجاری کا ہاتھ ابھی بھی سیتا کے سر پر تھا اور منتر کا ورد جاری تھا چند لمحوں بعد سیتا نے تیزی سے سر باہر نکالا اور سانسیں بحال کیں پجاری نے بھی ورد بند کر دیا اور سیتا کے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لینے لگا کندن نے سیتا کو مضبوطی سے تھاما ہوا تھا پجاری نے دونوں کو تالاب سے باہر نکلنے کا اشارہ کیا اور پھر سے اپنے مخصوص منتر کا ورد کرنے لگا سیتا اور کندن واپس تالاب کی سیڑھیوں پر پہنچ کر پجاری کو تجسس سے دیکھنے لگے پجاری مخصوص ورد میں مصروف تھا سرد ہوائیں سامنے پیپل کے درخت سے پاگلوں کی طرح ٹکرا رہی تھیں ایسا لگتا تھا نہ جانے کیا ہونے والا ہے کچھ ایسا جو ہر چیز کو تہس نہس کر دے گا پیپل کے درخت تلے رکھے چراغ زندگی کی آخری سانسیں لے رہے تھے۔

درخت کے بندھے دھاگے آپس میں اُلجھ رہے تھے اس سکوت میں پجاری نے اپنے دونوں ہاتھ تالاب کی سطح پر زور سے مارے تالاب میں زبردست ارتعاش پیدا ہوا لہریں بننے لگیں اور تالاب کے چاروں کناروں سے ٹکرانے لگیں پاگل ہوا اور پانی کی لہروں کی دیوانہ وار ہلچل نے ماحول کو مزید پُراسرار بنا دیا سیتا نے گھبرا کر کندن کے سینے میں سر چھپا لیا پجاری بھی تیزی کے ساتھ تالاب سے باہر نکل آیا اور سیتا اور کندن کو تالاب کے سب سے پہلی سیڑھی پر چلے جانے کا اشارہ کیا تالاب کی پہلی سیڑھی پر پہنچ کر جب سیتا اور کندن نے تالاب کی جانب دیکھا تو دونوں کی حیرت کی انتہا نہ رہی تالاب جو منظر پیش کررہا تھا وہ دونوں کے لیے ناقابلِ یقین تھا۔

☆......☆......☆

تالاب کی سطح پر سیتا کا عکس ابھر آیا تھا سیتا اور کندن کی آنکھیں حیرت اور خوف سے پھیلی ہوئی تھیں یہ منظر کچھ دیر ساکت رہا پھر سیتا کی شبیہ تالاب کی لہروں میں گم ہوگئی کندن نے حیرت اور تجسس سے پجاری کی جانب دیکھا جو ابھی بھی تالاب پر نظریں گاڑھے کھڑا تھا۔

''یہ...... یہ...... کیا تھا پجاری جی۔'' کندن

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

نے اُلجھ کر پوچھا۔

"یہ تیرے سوال کا جواب تھا بالک (بیٹا)۔"

"کون سا سوال۔" کندن مزید اُلجھ گیا۔ وہ عجیب سی گھبراہٹ کا شکار تھا اس پجاری سیتا اور کندن کے قریب آ گیا اور نرم لہجے میں کہا۔

"تیری پتنی کسی بری آتما کے وش (قبضے) میں نہیں ہے کیول (صرف) یہ خود اپنی اشانتی (بے سکونی) کا کارن (وجہ) ہے۔

اس پر کسی نے جادو نہیں کیا اور اب یہ بری نظر سے بھی مکت (آزاد) کر دی گئی ہے اس کی اشانتی دور ہو جائے گی اس کو گھر لے جائے، مگر یہ عکس جو تالاب پہ بنا تھا؟ یہ کیا تھا کندن ابھی بھی اُلجھا ہوا تھا۔

یہ تالاب اس شکتی (طاقت) کا عکس دکھاتا ہے جو کسی منش (انسان) کو تنگ کر رہی ہو اور یہاں تیری پتنی کا ہی عکس نظر آیا اس کا یہی مطلب ہے کہ بری آتما کا کوئی وجود پرنتو (لیکن) یہ خود ہی اپنے لیے برے وچار (خیال) رکھتی ہے۔

پجاری نے وضاحت کی سیتا اور کندن حیرت سے پجاری کو دیکھنے لگے پجاری ان دونوں کو حیرت میں ڈوبا چھوڑ کر وہاں سے چلا گیا ہوا اب بھی تیز و سرد تھی سیتا اور کندن بری طرح بھیگے ہوئے تھے۔

سیتا سردی سے کانپ رہی تھی کندن فوراً ہی گھر کی جانب روانہ ہو گیا سیتا اور کندن کا سارا سفر خاموشی میں کٹا نئی صبح کی لالی نظر آنے لگی تھی گھر آ کر بھی سیتا خاموش تھی اس نے کپڑے بدلے اور سو گئی کندن کافی دیر تک گزشتہ رات کے بارے میں سوچتا رہا اس نے سگریٹ سلگائی اور سیتا کے سونے کے بعد اسٹڈی روم میں چلا گیا اس کے ذہن میں محض گزشتہ رات ہونے والی تمام باتیں کسی فلم کی طرح چلنے لگیں اور پجاری کے الفاظ اس کے دماغ میں دھماکے کرنے لگے۔

"کارن سیتا ہے۔" اس نے اُلجھ کر آنکھیں بند کر لیں

"کارن سیتا کا کیا مطلب؟" اس کی کچھ سمجھ نہ آیا اس نے کمرے میں بے چینی سے ٹہلنا شروع کر دیا اچانک اسے احساس ہوا کے کمرے میں اس کے علاوہ بھی کوئی موجود ہے جو گہری نظروں سے اسے گھور رہا ہے اس نے اسٹڈی روم کے دروازے کی جانب دیکھا سفید شب خوابی کے لباس میں کمرے کے دروازے پر کھڑی سیتا اس پر نظریں گاڑھے تھی۔ کندن نے گھبرا کے سیتا سے پوچھا۔

'کیا ہوا تم ٹھیک تو ہو؟' کندن سیتا کے پاس آنے لگا تو سیتا نے ہاتھ کے اشارے سے اسے دور ہی روک دیا۔

"تم کیا سمجھتے ہو وہ اتنی آسانی سے میری جان چھوڑ دے گی؟"

"مطلب کیا ہے تمہارا؟" کندن نے پریشان ہو کر کہا۔ وہ بری آتما ساتھ لے کر ہی جائے گی مجھے......

"دیکھو اس نے لان کے سارے گلاب اجاڑ دیے ہیں ہر پودا مر گیا ہے میری کیاری کا وہ راکھشس لے جائے گا مجھے۔"

"اب کون راکھشس سیتا اب تو سب ٹھیک ہے ہم بڑے مندر سے رات ہی تو واپس آئے ہیں۔"

"نہیں کندن وہ پھر آیا میرے سپنے میں میرے پورے وجود پر چوٹیاں چل رہی تھیں جب میری آنکھ کھلی اس نے مجھے مکڑی کے جالوں میں اُلجھا رکھا تھا اس راکھشس نے اطمینان سے میرے بال اپنے منہ پر لپیٹے اس نے کہا کہ تیرا

www.urdusoftbooks.com

کوئی کام کبھی نہیں بننے دوں گا تجھے برباد کردوں گا تیری ہر چیز کو نقصان پہنچاؤں گا سیتا نے بے بسی سے کہا۔

"ایسا کچھ نہیں ہے کیول تمہارا وہم ہے۔" کندن نے بیزاری سے کہا۔

"نہیں......" سیتا پھر دھاڑی

"دیکھو جا کر میرے کمرے میں اس کے بال ہی بال بکھرے پڑے ہیں۔" کندن اُلجھی ہوئی نظروں سے سیتا کو دیکھ رہا تھا سیتا کے چہرے سے وحشت ٹپک رہی تھی۔ کمرے کے اس اُلجھے ماحول میں کندن کے موبائل کی گھنٹی بجی کندن کی ایڈورٹائزنگ کمپنی کے پارٹنر رنجیت کی کال تھی۔

"ہیلو کندن......" رنجیت نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"بڑی مشکل آ گئی ہے تم ترنت آفس آؤ۔"

"کیا ہوا ہے سب ٹھیک تو ہے۔" کندن جو پہلے ہی اُلجھا ہوا تھا مزید پریشان ہو گیا۔

"نہیں فون پر نہیں بتا سکتا تم بس جلدی آفس آ جاؤ۔" یہ کہہ کر رنجیت نے فون رکھ دیا۔

"ایک پل کو بھی سکون نہیں ملتا آج کل مجھے۔" کندن نے غصے سے موبائل کی جانب دیکھا۔

"میں جا رہا ہوں سیتا آفس میں کوئی مسئلہ ہو گیا ہے تم اپنا خیال رکھنا۔"

"نہ رات کا کھانا نصیب ہوا نہ دن کا ناشتہ بھگوان ہی جانے میرا کیا بنے گا۔" کندن بیزار ہو کر کمرے سے نکل گیا۔ کندن کے جانے کے بعد سیتا پھر شانتی ولا میں تنہا تھی اس نے سارے کھڑکی دروازے بند کر لیے اور اپنے کمرے میں دبک کے بیٹھ گئی۔

کندن آفس پہنچا تو رنجیت بے چینی سے اس کا منتظر تھا۔

"کندن آؤ میں کتنی دیر سے تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔" رنجیت نے کندن کو آفس کے دروازے پر ہی روک لیا اور اس کا بازو پکڑ کے اپنے کمرے میں لے آیا اور دروازہ بند کر دیا۔

"بیٹھو کندن۔" رنجیت کندن کی سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا کمرے کی فضا میں رنجیت کے سگار کی خوشبو بسی ہوئی تھی۔ اے سی کے باوجود کمرے کی فضا عجیب بوجھل تھی رنجیت نے اپنی ٹائی ڈھیلی کی اور میز پر رکھی ایش ٹرے میں اپنا سگار بجھا دیا۔

"تم ہو کہاں آج کل دھیان کہاں ہے تمہارا تم نے آفس کے اکاؤنٹس کب سے نہیں دیکھے ہیں......تم کو کچھ خبر بھی ہے کہ آفس میں کیا ہو رہا ہے تم یہ سمجھتے ہو کہ تم بہت عقلمند اور میں بے وقوف ہوں۔" رنجیت غصے سے اٹھ کھڑا ہوا کندن کی کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔

"تم کیا کہنا چاہتے ہو صاف صاف کہو۔" کندن نے اُکتا کر کہا۔

"ایک بات یاد رکھو کندن اگر منافع ہم دونوں کماتے ہیں تو نقصان کا ذمہ دار میں تنہا نہیں ہوں گا اگر یہ کمپنی ڈوبی تو یاد رکھو تم بھی ڈوبو گے میرے ساتھ۔" رنجیت نے دوٹوک الفاظ میں کہا۔ کندن نے غصے سے میز پر ہاتھ مارا۔

"کیا بکواس ہے پہیلیاں کیوں بوجھ رہے ہو صاف صاف کیوں نہیں بتاتے آخر ہوا کیا ہے۔"

"کسی نے ہماری کمپنی کے اکاؤنٹ سے دو کروڑ نکلوائے ہیں کندن دو کروڑ ہماری کمپنی کے اکاؤنٹ سے غائب ہیں اور تم کو خبر تک نہیں۔ یہ کمپنی کوئی مکھن ملائی نہیں ہے کہ چمچہ میں لگاؤں

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

محمد اسلم آزاد

صوبہ بلوچستان کا ایک مصنف جس کی تحریریں بولتی ہیں......

ساحل ابڑو

زندگی تلخ حقیقت کا نام ہے تو ایک حسین پھول کا نام بھی ہے کہ جو بے تحاشہ زہر آلود کانٹوں کے

حصار میں رہ کر بھی پیار محبت' امن' سکھ' شانتی کا پیغام دیتے ہوئے اپنی مسحور کن خوشبو سے فضا کو معطر رکھے ہوئے ہوتا ہے اور کبھی بھی ان کانٹوں سے نفرت کا اظہار کیا اور نہ کوئی شکوہ کیا بلکہ اپنے حسن' خوبصورتی تازگی اور خوشبو سے ہزاروں مشکلوں دشواریوں غموں میں جکڑے انسان کو ہمت حوصلے اور محبت کا احساس زندہ رکھنے کا جذبہ اس کے دل میں پیدا کیا۔ جو ذرا سی ٹھوکر سے ٹوٹ کر بکھر جاتا ہے اور اپنے نصیب پر خون کے آنسو روتا ہے مگر اس کائنات میں کچھ ایسے بھی باہمت لوگ آئے ہیں جو زمانے کی رنجشوں مشکلات کو بھلا کر اپنے دل میں مظلوم غریب' بے بس' لوگوں کا درد اپنے دل میں زندہ رکھتے ہیں اور ان کے درد و غم کو خوشی میں بدلنے کے لیے اپنی زندگی کے قیمتی لمحے ان کے نام کر کے ایک خوشی اور راحت محسوس کرتے ہیں۔ آج میں آپ کی انسانیت کا درد اپنے دل میں رکھنے والے شاعر ادیب و مصنف محمد اسلم آزاد سے ملاقات کراؤں گا جسے میں نے ہمیشہ غموں سے چور چور اور اندر سے ٹوٹا ہوا محسوس کیا جو

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

اپنے چہرے پر ہلکا سا تبسم سجا کر اس درد و غم اور رنج و فکر چھپانے کی ناکام کوشش کرتے رہتے ہیں۔

شہر لہڑی ضلع سبی میں محمد اسلم آزاد نے بہت ہی غریب، مزدور لعل محمد آرائیں کے گھر میں آنکھ کھولی اور میٹرک تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد 1991ء میں ادب کی دنیا میں قدم رکھا۔ اسے اپنی تحصیل لہڑی میں ادب کی بہت کمی محسوس ہوئی تو اپنے دوستوں کو اکٹھا کر کے محفل مشاعروں کا آغاز کیا اور نوجوانوں میں علم و ادب سے لگاؤ کے لیے پاکستان بھر کے مقبول ادبی اخبارات، رسائل، ڈائجسٹ میں لکھنے کا شوق پیدا کرنے کی انتھک کوشش کیں مگر چندہو دستوں نے ہی اس کا ساتھ دیا اور محمد اسلم آزاد ادب کے فروغ کے لیے دن رات ایک کر کے بہت سی مشکلات کا سامنا کرتے ہوئے آگے بڑھتے رہے اور قدم قدم پر ٹھوکریں ناکامیاں، حوصلہ شکنی اس کا عزم نہ چھین سکیں اور وہ پاکستان کے مقبول ڈائجسٹوں میں لکھنے کا اعزاز حاصل کرنے ساتھ ساتھ ایک سال تک ادبی کالم (معذرت کے ساتھ) اسلم آزاد کی بات لکھتے رہے اور جنوری 2016ء میں ان کا پہلا ناول (خاموش محبت) منظر عام پر آیا جس نے بہت مقبولیت حاصل کی۔ اس کے علاوہ ملی ادبی فاؤنڈیشن پاکستان کے چیئرمین بھی ہیں اور بہت سے اعزازات اور ایوارڈ حاصل کیے ہیں۔ تو آیئے ہم پاکستان کے معروف شاعر، ادیب، ناول نگار محمد اسلم آزاد سے ملاقات کرتے ہیں۔

سوال: السلام علیکم! آزاد بھائی آپ کا پورا نام اور ادبی نام کیا ہے؟

جواب: وعلیکم السلام! ساحل بھائی میرا نام محمد اسلم ہے اور جبکہ ادبی دنیا میں آزاد کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

سوال: ادب کی دنیا میں پہلا قدم کب اور کیسے رکھا؟

جواب: جب 1991ء میں پٹوار ٹریننگ کے لیے مستونگ شہر گیا تو وہاں پر سید عبدالرزاق شاہ کی

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

رفاقت اور ملک فیاض صاحب کی ادب مخلصی سے شعروشاعری کا آغاز کیا اور ٹریننگ ختم کرنے کے بعد جب 14 فروری 1993ء کو بطور پٹواری مستونگ میں میری پہلی پوسٹنگ ہوئی تو وہاں کی ادبی نشستوں میں ملک فیاض صاحب کے ہمراہ شرکت کرنا شروع کی اور یوں میری دلچسپی ادب سے بڑھتی گئی۔

سوال: سب سے پہلے کس رسالے میں لکھنے کا آغاز کیا؟

جواب: مقامی ہفت روزہ ساربان ہفت روزہ ایلم اور مشرق اخبار سے ہی لکھنے کا آغاز کیا۔

سوال: مقامی ادبی پروگراموں میں شرکت کے بارے میں بتایئے؟

جواب: مستونگ اور سبی میں 5 سال تک ادبی نشستوں میں اپنا کلام اور مکالمے پڑھتا رہا ہوں اس کے علاوہ صحبت پور ڈیرہ مراد جمالی جعفرآباد کوئٹہ اور جیکب آباد سندھ میں آل پاکستان نعتیہ مشاعرہ میں شرکت کرنے کا شرف حاصل ہوا۔

سوال: فروغ ادب کے لیے آپ ہر وقت کیوں کوشاں رہتے ہیں؟

جواب: جب 1993ء میں مستونگ اور سبی کے ادبی ماحول کو دیکھا تو مجھے اپنے شہر میں ادب کی بہت کمی محسوس ہوئی میں نے اپنے دوست غلام حیدر شاہین ارباب فراز عبدالقیوم محمد عمر گولہ کے ساتھ ادبی پروگرام کا آغاز کیا تو میری دلی خواہش تھی کہ ہمارے شہر کے نوجوان نشہ جوا چوری آوارہ گردی چھوڑ کر علم وادب کی جانب راغب ہوں اور اس معاشرہ کا ایک ذمہ دار شہری بنیں۔ اسی دوران عبدالرزاق شاہ کی بڑی نوازش کہ انہوں نے میرا ساتھ دیا اور لہڑی شہر کی تاریخ میں سب سے پہلی ادبی وسماجی تنظیم آزاد ویلفیئر سوسائٹی اور بزم ادب کا قیام فروری 2000ء کو عمل میں آیا اور اس کے بعد بہت سے ادبی چہرے پلیٹ فارم پر روشن ہوئے۔

سوال: اس فیلڈ میں کون کون سی مشکلات پیش آئی؟

جواب: ساحل بھائی ہر اچھے کام میں بہت سی مشکلات ضرور آتی ہیں۔ مگر میں جس کام میں دل اور ضمیر مطمئن ہو وہ بہت آسان نظر آتا ہے۔

سوال: ایک اچھے شاعر ادیب بننے کے لیے کیا خوبی ہونی چاہیے؟

جواب: سب سے پہلے ایک اچھا انسان بنا بہت ضروری ہے اور جو خود کو سب سے بہت بڑا شاعر ادیب کہنے میں فخر اور خوشی محسوس کرتے ہیں وہ اصل شاعر ادیب نہیں ہوتے۔

سوال: ایک اچھے شاعر ادیب کی پہچان؟

جواب: اس دور میں اچھے شاعر ادیب بہت کم ہی ملتے ہیں جبکہ شاطر عیار جھوٹے فریبی مکار لوگ بہت زیادہ ہیں۔ جو شاعر ادیب گلوکار اداکار وصحافی کے روپ میں آپ کو ہر میدان میں ملیں گے۔ چاہے سیاسی جلسہ ہو ادبی نشست ہو اسٹیج ڈرامہ ہو ایک اچھے اداکار کی طرح سستی شہرت اور دولت کے لیے اپنا رول نبھا رہے ہیں۔ انہیں علم وادب شعور آگاہی اور انسانیت کے درد سے کوئی سروکار نہیں۔ اچھا شاعر ادیب وہ ہے جو معاشرے کی برائیوں اور مظلوم گمنام اندھیروں میں تخلیق کو زینہ زینہ پروان چڑھائیں اور انسانیت کے لیے روشن ستارہ بن جائیں۔

سوال: آپ ایک شاعر بھی ہیں۔ آپ کو کس صنف میں مشکل پیش آئی نثر یا شاعری؟

جواب: میرے خیال میں کوئی کام مشکل نہیں۔ البتہ محنت کا ہونا ضروری ہے جب کوئی رائٹر لکھنے بیٹھ جاتا ہے تو الفاظ خود بہ خود ساتھ دیتے ہیں اور جب

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

حروف سے دوستی ہو جائے تو شاعری ادبی گیت گنگنانے لگتی ہے اور نثر اس معاشرے کی عکاس بنتی جاتی ہے۔

سوال: ادب اور سائنس کے بارے میں آپ کے کیا خیالات ہیں؟

جواب: ادب اور سائنس کا آپس میں زمانہ قدیم سے چولی دامن کا ساتھ ہے یہ ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم نہ سہی لیکن قریب قریب ضرور ہیں۔ جیسے ادب کا واسطہ بھی علم اور نئی تخلیقات سے ہے۔ اسی طرح سائنس کا بھی تعلق علم اور نئی ایجادات سے ہے۔ اصل میں ادب کو فنونِ لطیفہ کہا گیا ہے اور سائنس کو نئی چیزوں کے دریافت کا علم کہا گیا ہے۔

سوال: ادب اور سماجی زندگی کے بارے میں کچھ بتائیں؟

جواب: ادب محض جمالیاتی تخیل یا فنی باریکیوں کا نام نہیں بلکہ سماجی زندگی کا بھی ترجمان ہے۔ ادب کا مقصد محض تفریح طبع ہی نہیں بلکہ اس کا اہم مقصد سماجیات کی اصلاح و احوال بھی ہے۔ یہ سماجی قدروں کو جاننے اور پرکھنے کا نام بھی ہے۔ اس لیے ہمیں چاہیے کہ ہم ادب کو دنیا میں رائج کرنے اور سماجی پہلوؤں سے وابستہ ان تمام علوم کی روشنی میں دیکھیں جن کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔

سوال: ادیب معاشرے کا استاد ہے؟

جواب: محمد رفیق مغیری اپنی کتاب (ادب آئینہ) میں لکھتا ہے۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ایک ادیب نے ہمیشہ کے اس معاشرے کی اصلاح کے لیے ایک استاد کا کردار ادا کیا ہے۔ معاشرہ ایک جسم کی مانند ہے اور ادیب اس کے لیے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔ کیونکہ اگر ریڑھ کی ہڈی سلامت ہے تو جسم کار آمد ہے۔ ورنہ جسم ناکارہ ہو جاتا ہے۔

سوال: ادب اور حقیقت نگاری پر تھوڑی سی روشنی ڈالیں؟

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

جواب: ساحل بھائی آپ کے عجیب عجیب سوالوں نے مجھے پسینہ پسینہ کردیا ہے (مگر زبردست) ادب کا حقیقت نگاری سے گہرا تعلق ہے۔ ہزاروں سال پہلے افلاطون نے ادب کے بارے میں اس طرح سے اظہار خیال کیا تھا ”بہترین ادب کی بنیاد ہے زندگی کی جانب زندگی کو حقیقتوں کی جانب“ حالانکہ یہ وہ زمانہ تھا کہ جب ب نے ترقی نہیں کی تھی۔ لیکن پھر بھی افلاطون نے ب کے لیے حقیقت نگاری کو ضرور سمجھا۔

سوال: آزاد صاحب! آپ نے سچی کہانیاں کب سے لکھنا شروع کیا تھا؟

جواب: جنوری 2006ء میں سب سے پہلی ر (چھوٹی سی نیکی) بھیجی تھی مرحوم ناصر رضا حب نے بہت حوصلہ افزائی کی۔ اس کے بعد ت سی تحریریں میری سچی کہانیاں میں شائع ہوئیں۔

سوال: آپ نے کن ڈائجسٹوں میں لکھا؟

جواب: ماہنامہ نئے افق' دوشیزہ' ریشم' جواب ں' دکھی کہانیاں' تعمیر ادب' صدائے دل' ساگر جسٹ' آزادی اور بہت سے بچوں کے رسالے ں لکھنے کا شرف حاصل ہوا۔

سوال: آپ کی تصانیف......؟

جواب: میرا ناول (خاموش محبت) یکم جنوری 201ء کو منظر عام پر آیا ہے جس نے الحمدللہ بہت یرائی پائی۔

سوال: آپ کے ناول خاموش محبت میں کوئی خاص بات جو آپ کے لیے یادگار اور قارئین کے لیے متاثر کن ہو؟

جواب: آج تک لوگ پیار' محبت کے افسانے' کہانیاں' ناول بہت پڑھتے آئے ہیں۔ مگر اس ناول میں پاکیزہ دوستی کا پیغام ہے۔ جو شاید برسوں تک یاد رہے گا۔ کیونکہ سچی محبت کی داستانیں تو ہمیشہ کے لیے زندہ اور یادگار رہی ہیں۔ مجھے یہ یقین ہے کہ میری یہ پاکیزہ دوستی زندہ رہے گی۔ جو نا قابل فراموش ہے۔

سوال: آپ کی نظر میں ادب کیا ہے؟

جواب: انسانیت کا درد محسوس کرنے اور انسانیت کی خدمت کرنے کا دوسرا نام ادب ہے۔

سوال: آپ کو اب تک کتنے ایوارڈ مل چکے ہیں؟

جواب: الحمدللہ ساحل بھائی بہت سے ایوارڈ ملے ہیں۔ بیسٹ ایوارڈ' ادبی ایوارڈ' آل پاکستان ایوارڈ' تعمیر ادب ایوارڈ اور بے شمار تعریفی اسناد سے نوازا گیا ہے۔

سوال: آپ کو سخت نفرت کس سے ہے؟

جواب: ہر اس تعلیم یافتہ شخص سے جو معاشرے میں بڑھتی ہوئی برائیوں' نشہ' جوا' چوری' زنا' آوارہ گردی اور بے حیائی کے کاموں میں فروغ دینے والے کے خلاف اُن کی زبان اور قلم لڑکھڑاتے ہیں۔ مگر علم' ادب کے فروغ دینے والوں کے خلاف وہ ہر وقت زہر اور آگ اگلتے رہتے ہیں۔

سوال: کوئی ایسا خواب جواب تک ادھورا ہو؟

جواب: میرا خواب تھا کہ میرے شہر کے نوجوانوں میں علم و ادب سے بہت لگاؤ ہو اور وہ معاشرتی برائیوں سے بچ کر آنے والی نسلوں کو روشنی کی طرف لائیں۔ اور آزاد ویلفیئر سوسائٹی' بزم ادب کے قیام کا مقصد بھی یہ تھا۔ مگر بہت افسوس اٹھارہ سال تک بہت محنت کی۔ ادبی محفلوں کی رونقیں جنون کی حد تک سنبھال رکھیں لیکن آج بہت قابل ترین شاعر اور رائٹر ہیں ادبی ادارے ہیں۔ لیکن ادب کے فروغ کے لیے قدم بڑھانا تو دور کی بات قدم ملا کر چلنے والا کوئی نہیں۔ میرے اس ادھورے خواب کی تکمیل ملی ادبی فاؤنڈیشن پاکستان نے مکمل کردی اور آج میں بہت خوش ہوں۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

سوال: آپ کی مصروفیات کیا ہیں؟
جواب: صبح ناشتے کے بعد آفس جاتا ہوں اور ظہر نماز کے بعد گھر آتا ہوں اور کچھ پڑھنے بیٹھ جاتا ہوں۔ عصر کی نماز کے بعد اپنے دوست محمد عمر گولہ کے ساتھ وقت گزارتا ہوں پھر عشاء کی نماز کے بعد گھر لوٹتا ہوں اور کچھ نہ کچھ لکھنے بیٹھ جاتا ہوں۔
سوال: مذہب سے کس حد تک لگاؤ ہے؟
جواب: آخری حد تک اور کبھی کبھی سجدے میں آخری سجدے کی تمنا ہوتی ہے۔
سوال: محبت کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟
جواب: کسی سے محبت ہو جانا تو ایک فطری عمل ہے۔ جو ہر دل میں پائی جاتی ہے مگر اصل محبت تو وہ ہے کہ آپ کو کوئی ٹوٹ کر چاہے اور اپنی سانسوں میں بسا لے۔
سوال: آپ کی شادی کب ہوئی' کیا لو میرج تھی؟
جواب: 1998ء میں ہوئی اپنے والدین کی رضامندی پر۔
سوال: کوئی یادگار لمحہ؟
جواب: زندگی یادگار لمحوں سے بھری پڑی ہے۔ ایک دو نہیں جو بتادوں۔
سوال: کوئی ایسی ہستی ملی جسے کھونے کا رنج آج تک ہو؟
جواب: سوری میں اپنے سائے کو بھی راز دان نہیں بناتا ہوں کہ وقت آنے پر وہ بھی ساتھ چھوڑ جاتا ہے۔
سوال: اب تک کتنے افسانے لکھ چکے ہیں؟
جواب: تقریباً 200 سے زائد......
سوال: آپ کے پسندیدہ رائٹر کون ہیں صرف چار کے نام بتائیں؟
جواب: محمد سلیم اختر' طارق اسماعیل ساگر' شاکر پروین' ہاشم ندیم......
سوال: کسی رائٹر کا لکھا ہوا افسانہ جواب تک یاد ہو صرف تین کے نام بتانا؟
جواب: شیخ فرید کا لکھا ہوا افسانہ (پاس وفا) طارق اسماعیل ساگر کا ناول (جنون) اور ساحل ابڑو کا افسانہ بچوں کے حوالے سے (برما کے مسلمان)۔
سوال: کھانے میں کیا پسند ہے؟
جواب: سب کچھ جو مل جاتا ہے شوق سے کھا لیتا ہوں۔
سوال: لباس کون سا پسند ہے؟
جواب: سفید کپڑے۔
سوال: نئے لکھنے والوں کے لیے کیا پیغام ہے؟
جواب: اللہ تعالیٰ کی طرف سے زندگی بہت انمول تحفہ ہے۔ اس تحفے کو فضول کاموں میں ضائع مت کریں۔ اچھی کتابیں پڑھیں ان کتابوں سے سبق حاصل کریں اور ان سے رہنمائی لے کر آگے بڑھیں' جھوٹ' فریب' چوری کے دروازوں سے ادب کی دنیا میں داخل نہ ہوں۔
سوال: سچی کہانیاں کے قارئین کے لیے کوئی پیغام دیں؟
جواب: دنیا و آخرت کی کامیابی کا راز اچھا دوست ہے۔ اگر اچھا دوست پانا ہے تو قلم اور کتاب سے دوستی کرو۔ کیونکہ جو ان دونوں سے دور بھاگے گا وہ معاشرتی برائیوں میں پھنس کر رہ جاتا ہے۔ اپنے آنے والی نسلوں کو ان برائیوں سے بچانا ہے تو علم' ادب' شعور آگاہی' فن کھیل اور ثقافت کو فروغ دینے والوں کی مخالفت مت کرو اور کھلے دل و ذہن کے ساتھ ان کی حمایت کرو ورنہ سوائے پچھتاوے کے کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔

☆☆......☆☆

www.urdusoftbooks.com

ترکی میں عباسی

سچی کہانیاں کا پسندیدہ ترین سلسلہ
ایک بار پھر قارئین کے پُر زور اصرار پر......

قمر علی عباسی

30 ہزار روپے کا قالین ملازم پیشہ تو خرید نہیں سکتا۔ اس بات کو ایک ہفتہ گزرا۔ انجم الحسنین حسب معمول کسی جگہ گشت کر رہے تھے کہ ایک انتہائی نفیس قالین پر نظر پڑی۔ یوں ہی قیمت

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

پوچھ لی۔ خاں صاحب نے کہا۔
"30 ہزار روپیہ۔"
قیمت اتنی تھی کہ کم کرانے کو بھی کہا نہیں جا سکتا تھا۔ اس لیے یہ چپ چاپ وہاں سے سرک لیے۔ اس واقعے کو ایک ماہ گزرا۔ پھر انہیں ایک بازار کے نکڑ پر ایک خوبصورت قالین نظر آیا۔ انہوں نے دیکھا اس بار ہاتھ بھی لگایا اور پوچھا۔
"خاں صاحب اس کی قیمت کیا ہے۔"
خان نے انہیں اوپر سے نیچے تک دیکھا اور بولا۔
"آپ کیا دے گا؟"
"آپ قیمت تو بتائیں۔" نجم الحسنین سمجھ گئے کہ یہ کوئی ہزار دو ہزار کا قالین ہے اور پانچ سو میں مل جائے گا۔
"اس کا قیمت تو 30 ہزار ہے۔ لیکن آپ بولو۔"
رقم سن کر یہ چونکے اور سر اٹھا کر دیکھا تو پہچان گئے۔ یہ تو وہی خان ہے جس سے دوبارہ پہلے بھی پوچھ چکے ہیں۔ یہ سمجھے تھے کسی اور خان سے دریافت کر رہے ہیں۔ قالین والا پہلے ہی پہچان چکا تھا اور انتہائی غصے میں تھا وہ سمجھ رہا تھا یہ شخص مسلسل فراڈ کر رہا ہے۔
"خان صاحب اس کی قیمت زیادہ ہے ہمیں لینا نہیں۔"
"بھائی آپ قیمت بولو۔" خان غصہ ضبط کر کے انتہائی نرمی اور تحمل سے بولا۔
نجم الحسنین نے سوچا 30 ہزار کا قالین کتنا کم کرے گا۔ اس لیے سوچ میں پڑ گئے۔
"بھائی آپ دو پیسہ بولو...... ہمارا چیز ہے' دے نہیں دے۔" خان غصہ دبا رہا تھا۔
"آپ برا تو نہیں مانیں گے۔" نجم الحسن نے پوچھا۔
"نہیں بھائی آپ قیمت تو بولو۔" خان کی ہمت ملاحظہ ہو۔
نجم الحسنین نے ڈرتے ڈرتے کہا۔
"خاں صاحب 3 ہزار۔"
خاں صاحب نے انہیں ایک نظر دیکھا اور کہا۔
"چلو نکالو۔"
ان کے پاس تین ہزار کہاں......
یہ بولے۔ "خاں صاحب ابھی تو نہیں ہیں۔ ہم کل لا کر دیں گے۔"
"گھر پر ہیں۔"
یہ ڈر کر بولے۔
"ہاں کل لا دیں گے۔"
خان نے یہ سنا تو پاس سے گزرتے ہوئے رکشہ کو روک لیا۔ قالین لپیٹ کر رکشہ کے اوپر باندھا پھر نزدیکی دکاندار سے کہا۔
"دکان کا خیال رکھنا۔" اور انجم الحسنین کو رکشہ میں بٹھا کر کہا۔
"گھر کا پتہ بتاؤ۔"
اب سب سے زیادہ خطرناک بات یہ تھی کہ ان کے گھر دو چار سو روپے سے زیادہ نہیں تھے اور اگر یہ قالین نہیں خریدتے تو ایسا معلوم ہوتا تھا خان گولی مار دے گا۔ یہ اپنے گھر کے بجائے دوست کی طرف گئے رکشہ روک کر ساری بات بتائی۔ اس کے پاس بھی اتنی رقم نہ تھی۔ لہٰذا دو چار گھروں سے جمع کر کے دیے گئے۔ وہ قالین قیمتی تھا۔ لیکن ان دنوں 3 ہزار کی رقم زیادہ قدر رکھتی تھی۔
ایک دن ہم بھی کراچی میں آغا خان اسپتال کے آگے دیواروں پر بچھے پیڑوں پر لٹکے قالین کی

www.urdusoftbooks.com

قیمت پوچھ بیٹھے' اس نے بتائی۔

"پانچ ہزار۔" ہم نے کہا۔

"خاں صاحب یہ تو بہت زیادہ ہے۔"

"آپ کیا دے گا۔"

"ایک ہزار......" کہہ کر ہم نے ڈرائیور سے کہا گاڑی بھگا لو۔ کیونکہ وہ ایک ہزار میں دینے پر آمادہ نظر آتا تھا۔

"کیوں......" ہمارے ڈرائیور نے پوچھا۔

ہم یہ بھول گئے تھے کہ وہ بھی خان تھا۔ ہم اسے کیا بتاتے صرف اتنا کہا۔

"پیٹ میں شدید درد اٹھا ہے۔" جب تک ڈرائیور نے گاڑی چلائی خان آواز دے کر کہہ چکا تھا۔

"چلو نکالو ہزار۔" خدا کا شکر ہے یہ آواز ہمارے خان کے کان میں نہیں پہنچی تھی۔ اس دن کے بعد ہم قالین کی دکان تک میں داخل نہ ہوئے۔ لیکن ترکی کے اس کارخانے کی بات اور تھی۔ یہاں کمسن اور خوب رو لڑکیوں سے بات چیت اور ملاقات تھی۔

مول تول خرید و فروخت کا سوال ہی نہیں تھا۔

ایک بڑے دروازے کو پار کر کے اندر داخل ہوئے سامنے دو انتہائی بوڑھی خواتین نظر آئیں جو زمین پر بیٹھی تھیں اور ان کے سامنے اون کا ڈھیر تھا۔ اب ہم سمجھے مراد ایک دلچسپ آدمی تھا اور انہی بوڑھی خواتین کو کمسن اور حسین کہہ رہا تھا۔ یہ بھی آج سے 60 یا 70 سال پہلے جوان رہی ہوں گی۔ وقت اور بدلتے موسموں نے حسن اور جوانی چھین لی تو کیا ہوا۔ اگر ہم 50 سال پہلے آتے تو حسن و جمال کا دیدار کرتے۔ قالین کے کارخانے کے منیجر کیز بھی آ گئے ان سے ملاقات ہوئی۔ وہ بار بار ہاتھ ملاتے اور مسکراتے تھے۔

مراد نے ان بزرگ خواتین سے کہا کہ اون کا دھاگہ بنا کر دکھائیں۔ پہلی نے ایک لکڑی اک لٹو سا اٹھایا اور ریشم کے دھاگے کو اس پر ڈال کر ہوا میں ہلانے لگیں۔ ایک دھاگہ بن کر دوسری طرف جانے لگا۔ مراد نے پوچھا۔

"کوئی سوال......" سب چپ رہے۔ پھر دوسری خاتون سے کہا انہوں نے ریشم کا تار ایک چرخے پر چلانا شروع کیا۔ اس سے دھاگہ بن کر ایک پھرکی جیسے لٹو پر لپٹنے لگا۔ یہ دھاگہ بن رہا تھا۔ جس سے قالین بنایا جاتا ہے اون بھیڑوں سے اور ریشم کے کیڑوں سے حاصل ہوتا ہے۔

یہ پہلا مرحلہ تھا اس کے بعد ایک ہال نما کمرے میں داخل ہوئے جہاں پندرہ لڑکیاں سر جھکائے قالین بن رہی تھیں۔ یہ سب واقعی کمسن تھیں مراد نے بتایا کہ 17 یا 18 سال کی ہیں لیکن ہمارا خیال ہے ان کی عمریں 14' 15 سال سے زیادہ نہیں تھیں۔ قالین بننے کے لیے چھوٹی عمر کی لڑکیاں اور لڑکے درکار ہیں۔ ان کے ہاتھ نرم ہوتے ہیں پاکستان میں یہ کام نوعمر لڑکے انجام دیتے تھے۔ اس پر دنیا بھر میں ہنگامہ ہوا۔ یہاں تک کہ پاکستان سے قالین منگوانے بند کرنے کی دھمکی دی گئی۔ اس میں وہ ملک زیادہ ہوا دینے والے تھے جو قالین سازی میں شامل ہیں۔ ترکی میں یہی کام انتہائی کمسن لڑکیاں کر رہی تھیں تو کسی کو اعتراض نہیں ہے۔

ہم ایک کھڈی کے پاس کھڑے تھے جس پر سر جھکائے ایک لڑکی رنگین دھاگوں کی مدد سے قالین بنا رہی تھی۔ یہ سنگل بنائی تھی اس میں صرف ایک گانٹھ لگائی جاتی ہے۔ مختلف رنگوں کے دھاگے اوپر سے لٹکتے ہیں۔ لڑکی کے پاس قالین کا ڈیزائن ہے وہ اسی ترتیب سے رنگین دھاگے لے

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

کر لگاتی جاتی ہے۔ انتہائی مہارت اور پھرتی سے کام کر رہی تھی اس کا چہرہ قالین کی طرف تھا۔ پلکیں آنکھوں پر جھکی تھیں اور صرف ان رنگین دھاگوں کو دیکھ رہی تھیں۔ سفید ہاتھ رنگوں کو یکجا کر رہے تھے۔ پھر یہ تمام عمر کس کے قدموں میں بچھ جائیں گے برسوں کی محنت پاؤں تلے روندی جائے گی۔ اس بات نے افسردہ کر دیا۔

ایک اور لڑکی ڈبل ناٹ سے قالین بنا رہی تھی اس میں دوبارہ گانٹھ لگائی جاتی ہے...... دو گنا وقت لگتا ہے۔ بڑی توجہ اور مہارت سے رنگین دھاگوں سے بُنے جاتے ہیں۔ جس طرح سوئٹر کی بُنائی ہوئی ہے اس لڑکی کے کام کی رفتار ذرا کم تھی۔

اس کے بعد ایک لڑکی سلک کے قالین بنا رہی تھی۔ یہ انتہائی نفاست سے بنایا جاتا ہے۔ اس میں سنگل اور ڈبل دونوں ناٹ لگائی جاتی ہیں۔ یہ تمام لڑکیاں یہاں کام سیکھتی ہیں۔ یہ ٹریننگ سینٹر بھی ہے اور پھر یہیں کام کرتی ہیں...... ہر لڑکی دو تین گھنٹے کام کے بعد آرام کرتی ہے۔ مسلسل زیادہ دیر تک نہیں ہو سکتا۔

ایک حیرت انگیز بات یہ تھی کہ تمام لڑکیوں نے سروں پر اسکارف باندھ رکھا تھا۔ ہم نے مراد سے پوچھا۔

"سرکاری ملازمتوں اور سرکاری عمارتوں میں اسکارف پر پابندی ہے پھر یہاں......"

"یہ ادارہ آدھا سرکاری اور آدھا پرائیویٹ ہے......"

"پھر تو آدھے سر پر اسکارف ہونا چاہیے تھا۔" ہم نے کہا۔

مراد ہنس دیا۔ ایسی باتوں کا اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔

وہ بار بار کہتا۔

"ان لڑکیوں سے سوال کریں۔"

جس مہارت اور تندہی سے یہ کام کر رہی تھیں اس میں کوئی بھی انہیں ڈسٹرب نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"یہ قالین کتنے دن میں بنتا ہوگا۔" مراد نے ہم سے پوچھا۔

"دو ماہ میں......" ہم نے بتایا۔

"اوہ نو...... ڈیڑھ سال میں۔" وہ بولا۔

"اور یہ سلک کا......" مراد نے سوال کیا۔

"ایک سال......" کئی آوازیں آئیں۔

"چار سال......" مراد نے جواب دیا۔

ہمیں اس بات کا احساس نہیں تھا کہ قالین بنانے میں اتنا وقت لگتا ہے۔

کارپٹ کارخانے کے منیجر نے ایک کمرے میں لے جا کر وہ ڈیزائن دکھائے جن سے قالین بنائے جاتے ہیں۔ لوگوں کے آرڈر پر فرمائشی ڈیزائن بھی بنائے جا سکتے ہیں۔ اس کے بعد دوسرا کمرہ جہاں ریشم پر رنگ کیا جاتا ہے بہت سے ڈرم میں رنگ رکھے تھے۔ یہ پھولوں، درختوں کی چھالوں اور تمباکو سے حاصل کیا جاتا ہے۔ پھر اس میں ریشم کے ڈھاگے ڈبوئے جاتے ہیں۔ رنگین بنانے کے لیے، ہمیں تمباکو کے بارے میں جان کر حیرت ہوئی کہ یہ بھی رنگوں کی دنیا میں کمال کرتا ہے۔

اس کے بعد ایک ایسا کمرہ جہاں ریشم حاصل کیا جاتا ہے۔ یہ ایک کیڑا ہے جو شہتوت کے پتوں پر ہوتا ہے۔ اسے پالا جاتا ہے یہ اپنے گرد منہ کے لعاب سے دھاگا بنا کر چاروں طرف اوڑھ لیتا ہے...... اگر یہ زیادہ دن رہے تو سوراخ کر کے تتلی بن کر اڑ جاتا ہے۔ اسے آخری مراحل میں شاک دے کر مار دیتے ہیں تاکہ یہ اپنے خول

www.urdusoftbooks.com

سے باہر نہ نکلے۔ ایک خول سے ایک میٹر ریشم کا دھاگہ نکلتا ہے۔ اس جگہ ہلکے گرم پانی میں یہ خول پڑے تھے اور مشین کے ذریعے ان پر لپٹے ہوئے ریشم کے تار نکالے جا رہے تھے۔ انسان نے قدرت کے خزانوں سے خوب فائدہ اٹھایا ہے۔

کارپٹ کارخانے کا آخری مرحلہ ایک ہال تھا۔ جس کے تین طرف بیٹھنے کی جگہ اور درمیان میں قالین رکھے تھے۔ سیاح یہاں بٹھا دیے گئے مراد کوچ میں ہی کہہ چکا تھا کہ اس کارخانے میں قالین مہنگے ہوں گے۔ ایک بار پھر اس نے منتظمین کی نظریں بچا کر اپنی بات دہرائی۔ ایسا محسوس ہوتا تھا اس جگہ سے مراد کو کمیشن نہیں ملتا تھا۔ ہم نے اسے یقین دلایا۔

''ہم یہاں سے کچھ نہیں خریدیں گے۔'' ورنہ ہوسکتا ہے 50 یا 60 ہزار ڈالر کا کوئی قیمتی قالین خرید کر اپنے ڈرائنگ روم میں اپنے پیروں سے روندرہے ہوتے۔

ہال میں تین چار افراد داخل ہوئے۔ ان میں ایک سوٹ پہنے معزز شخص تھا۔ پہلے اس نے تعارف کرایا۔ پھر پوچھا۔

''آپ لوگ کیا نوش کریں گے۔'' ایسے موقع پر ہم تکلف کرتے لیکن ہر شخص نے کچھ نہ کچھ لیا۔ بعض نے تو شراب تک طلب کر لی' ہم نے چائے پر گزارہ کیا۔

اب اصلی شو کا آغاز ہوا۔ مختصراً قالین سازی اور ترکی کے تذکرے کے بعد قالین دکھانے کا سلسلہ شروع ہوا۔ ایک قالین بچھایا جاتا اس کی تعریفیں ہوتیں اور قیمت' ایک چھوٹا سا قالین کھلا تو ہمارے خیال میں 500 روپے کا ہوگا۔ لیکن منیجر نے بتا کر حیران کر دیا کہ وہ چار سال میں بنایا گیا۔ بھلا چار سال ضائع کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ پھر اس کی قیمت سنی تو پریشان ہو گئے۔ صرف 35 ہزار ڈالر کا تھا۔ اتنی رقم میں تو پاکستان میں خان بھائی سے لاکھوں قالین خریدے جاسکتے ہیں۔ منیجر کہہ رہا تھا۔

''جس لڑکی نے یہ قالین بنایا ہے اگر اس کی شادی چار سال پہلے ہو جاتی تو اسے گھر اور گزارہ دینا پڑتا۔ اس کی خواہشات پوری کرنی ہوتیں۔ اس حساب سے اس کی قیمت کچھ بھی نہیں۔'' سوال یہ تھا کہ قالین خرید رہے ہیں یا لڑکی...... اس رقم میں تو جس لڑکی نے بنایا اس جیسی درجن بھر لڑکیوں سے شادی خانہ آبادی کی جاسکتی ہے۔ منیجر یہ بات ہمارے سامنے کہہ رہا تھا۔ ہمارے بزرگ بادشاہ تھے ان کے حرم میں جو کنیزیں تھیں ان کا شمار قطار نہ تھا۔ 35 ہزار ڈالر کو ترکی کے لیرا میں ضرب دیں تو اتنی رقم بنتی ہے کہ گنتی ختم ہو جائے گی۔

یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آئی۔ قالین کا ساز بھی 4X6 تھا...... ہوسکتا ہے کوئی دل والا خرید لے۔ ہم وہ نہیں' پھر مراد نے ہدایت کی تھی۔ یہ لوگ مہنگا دیتے ہیں۔

دو آدمی قالین لاتے اور ہمارے سامنے کھولتے۔ ہر بار خیال ہوتا شاید کسی میں قلوپطرہ نکل آئے۔ فلم میں ایک منظر میں سیزر کے سامنے قلوپطرہ قالین میں لپٹ کر آئی تھی لیکن افسوس نہ وہ مصر تھا۔ نہ ہم شاہ وقت' ان لوگوں کے پاس کمسن معصوم لڑکیاں تھیں جو سر جھکائے کارخانوں میں کام کر رہی تھیں۔ صرف ان کا ذکر تھا۔

قالین بے حد حسین اور خوبصورت بعض ایسے کہ جی خوش ہو گیا لیکن مہنگے تھے۔ پھر مراد کی ہدایت یاد کر کے دل کو تسلی دیتے تھے۔

ایک قالین بچھا کر منیجر نے کہا۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

''اس پر لیٹ کر سویا جاسکتا ہے۔'' ایک سیاح بھاگ کر لیٹ گیا۔ آسٹریلیا کی زی بھی جالیٹی' اسی وقت کارپٹ کارخانے والوں نے اس پر ایک کمبل ڈالا اور تمام روشنیاں بند کردیں۔ زی کی چیخ نکلی۔ سب نے تالیاں بجائیں۔ روشنیاں کھولی گئیں تو کئی سیاحوں نے ان کی تصویریں اتارلیں۔

زندگی میں اتنے حسین قالین شاید پھر دیکھنے کو نہ ملیں۔ ظالموں نے شراب پیش کی۔ لیکن افسوس شباب کے بارے میں خاموش رہے۔ ترکی سیکولر ملک ہے۔

کارپٹ روم سے نکلے تو اس بار لڑکیوں کے پاس نہیں لے جایا گیا۔ بلکہ باہر کردیا سڑک پر' دائیں طرف سفید برف سے ڈھکے پہاڑ تھے۔ ہر شخص اس پس منظر میں تصویریں کھنچوانے لگا۔

☆......☆......☆

پہاڑ گرنے میں دیر

کوچ میں بیٹھے ہوں۔ موسم پسند کا ہو دائیں بائیں کھیت کھلیان اور بستیاں گزر رہی ہوں تو سب اچھا لگتا ہے ترکی ایک بڑا ملک ہے۔ سارے موسم مل جاتے ہیں۔ بنجر زمین لہلاتے کھیت' پہاڑوں پر زیتون کے ہرے درخت اور دور پہاڑوں پر سفید برف اور میٹھے پانی کی جھیلیں۔

ایک وادی نظر آئی۔ سرسبز درخت خوبصورت مکان اور اِکا دُکا سڑک پر چلتا آدمی یہاں سیب اُگائے جاتے ہیں ترکی میں ایپل چائے مشہور ہے۔ زیادہ تر سیاح خرید کرلے جاتے ہیں۔ ترکی میں چائے کو چایے ہی کہتے ہیں۔ ہم نے سنا تو پہلی فرصت میں خریدلی۔ پھر ایک چھوٹا شہر آیا اس کا نام اسپارٹا تھا۔ اس جگہ گلاب اُگائے جاتے ہیں۔ یہاں سلیمان ڈیمرل یونیورسٹی ہے۔ وزیراعظم سلیمان ڈیمرل اسی جگہ پیدا ہوئے تھے۔ یونیورسٹی میں نہیں' وہ تو ان کے بعد بنائی گئی۔ اس کے دوطرف پہاڑ ہیں ان پر برف پڑی تھی۔ اسی گاؤں کی مناسب سے روز ئی گلابوں والی چائے بنائی جاتی ہے۔ چائے کا کیا ہے...... وہ خوشبو چاہے اس میں ڈال لو...... وہی مہکنے لگے گی۔

کوچ کی آرام دہ سیٹ میں بیٹھے لطف اندوز ہورہے تھے پھر کھنڈر دیکھنے کا اعلان ہوا۔ کوچ ایک کونے میں روک دی گئی اور ہدایت ملی۔ سردی میں باہر نکلو سب اتر گئے تو کوچ روانہ ہوگئی۔ سامنے عجیب قسم کے اونچے اونچے پہاڑ تھے۔ جن میں غار بنے تھے۔ مراد نے بتایا موسموں کا احتساب انہیں نقصان پہنچارہا ہے اندازہ ہے کہ بیس سال بعد یہ گرجائیں گے۔ ہمیں افسوس ہونے لگا۔ ایسی کیا جلدی تھی بیس سال بعد آتے۔ تو یہ ڈھیر دیکھنے کی سعادت سے محظوظ رہتے ہمارے ساتھی بے چین ہوگئے۔ 20 سال بعد یہ گرجائیں گے اس کی حفاظت کے بارے میں سوال کرنے لگے۔ ہمارے زہن میں جو تھا وہ پوچھ نہیں سکتے تھے کیا یہ ابھی ہمارے وہاں پہنچنے تک ڈھیر نہیں ہوسکتے؟ لیکن مراد کی کم نصیبی کہ یہ سوال وہ سن نہ سکا۔ کیمرے ان پہاڑوں کو فلم پر محفوظ کررہے تھے مراد اتنی دیر میں ٹکٹ لے آیا دس لاکھ 30 ہزار لیرا ہر ایک کے حوالے کیا۔ ہمیں تعجب ہورہا تھا کہ اس قسم کے پہاڑوں اور غاروں کو دیکھنے کے لیے لیرا دینے پڑتے ہیں۔ ایسے تو ہمارے کوئٹہ کے راستے میں ڈھیروں ہیں جب چاہے دیکھ لیں ہم جس راستے پر جارہے تھے اس کے دوسری طرف ہزاروں فٹ گہرائی تھی اور ڈر

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

تھا ظالم کسی سیڑھی یا راستے سے نیچے نہ لے جائے۔ سیاحوں کے لیے سب سے اچھا ٹور وہ ہوتا ہے جس میں اس کا سانس باہر اور معلومات دماغ کے اندر ہو جائیں۔ یورپ اور امریکہ سے آنے والے سیاحوں کے لیے اس بات کا خاص اہتمام کیا جاتا ہے کہ وہ چڑھنے اترنے، تصویریں کھینچنے اور بھاگ دوڑ میں مایوس نہ ہوں۔

خدا کا شکر مراد کا رخ ایک پہاڑ کی طرف ہوا۔ ہم سمجھے یہ اس کے پاس کھڑا ہو کر تاریخ کا کوئی بھولا بسرا صفحہ اُلٹے گا۔ لیکن وہ تو پہاڑ میں گھسنے لگا۔ اب جو دیکھا تو وہ غار تھا جس میں غائب ہو گیا اور اس کے پیچھے دوسرے سیاح اور ہم بھی ہمارے آگے اور پیچھے لوگ...... غار میں اندھیرا، سر بھی جھکانا پڑتا تھا، اب نہ جانے یہ غار کتنا لمبا تھا۔ خدا کا نام لے کر قدم رکھتے رہے اور مراد پر غصہ کرتے رہے کہ ظالم نے کہاں لا مارا۔ اللہ بڑا کارساز ہے وہ غار ختم ہوا روشنی نظر آئی۔ پہاڑ کے ساتھ راستہ سیڑھیاں اوپر چڑھتی تھیں دائیں طرف ریلنگ لگی تھی۔ اس طرف دیکھنے کا مطلب تھا اپنی نظروں کو ہزاروں فٹ دور لے جانا جہاں ہو سکتا ہے تاریخ سے پہلے کے لوگ رہتے بستے ہوں۔

بائیں طرف اندھیرے کمرے تھے۔ ایک میں چند سیڑھیاں تھیں۔ مراد تو کھٹ کھٹ اتر گیا۔ سیاحوں کے ساتھ بار بار آتا ہے۔ سیڑھیاں اور پاؤں ایک دوسرے کو پہچانتے ہوں گے۔ ہم ٹٹول کر اترے یہ سینٹ باربرہ کا چیپل ہے۔ کمرہ زیادہ بڑا نہیں تھا۔ لوگ اندر آئے تو اندھیرا بڑھ گیا اس مین نہ روشنی کرنے کی اجازت تھی نہ تصویر لے سکتے تھے۔ دیواروں پر حضرت عیسیٰؑ کو دکھایا گیا تھا۔ پھر ان کو مصلوب کرنے کا منظر، وہ آخری کھانا کھا رہے ہیں پھر وہ فرشتوں کے جھرمٹ میں ہیں یہ چودھویں صدی میں بنائے گئے تھے۔ تصویریں اچھی تھیں اور سیاح حیران ہو کر دیکھ رہے تھے۔ اگر اندھیرے میں کچھ نظر آ رہا تھا تب ہم نے بہت کوشش کی اور کچھ نظر بھی آیا......

وہاں سے باہر نکلے تو تازہ ہوا اور روشنی دیکھی اور پھر سیڑھیاں اوپر ایک اور کمرہ سب لوگ اندر چلے گئے۔ ہم کمرے کے دروازے میں کھڑے رہے تو مراد نے آواز لگائی۔

''عباسی اندر آ جاؤ...... آپ کے کھڑے ہونے سے روشنی رک گئی ہے۔''

ہم کمرے میں چلے گئے۔ یہاں بھی دیوار اور چھت پر تصویریں تھیں ان دنوں لوگوں کے پاس کام کاج تو ہوتا نہیں تھا اس لیے سارے وقت تصویریں بناتے رہے تھے...... تاکہ بعد کو لوگ دیکھ کر حیران ہوں...... اس کمرے کے بعد پھر سیڑھیاں اور ایک مزید کمرہ دودھ کا جلا چھاچھ پھونک پھونک کر پیتا ہے۔ اس بار ہم نے کمرے کے دروازے تک بھی جانے کی زحمت نہیں کی۔ اس لیے اندر جانے سے بچ گئے۔ اس جگہ مراد نے زیادہ دیر لگائی۔ بہر حال اسے نکلنا تھا اور وہ باہر آیا تو اوپر چڑھائی شروع ہوئی ایک راستہ بہت اوپر جا رہا تھا جہاں اور غار تھے ہم ایک بینچ پر بیٹھ گئے۔ سیاح اوپر چڑھنے لگے۔ ایک بار مراد نے پلٹ کر دیکھا تو ہم نے ہاتھ ہلا دیا۔ وہ سمجھ گیا کہ ایک سیاح تو ہار گیا۔ ایک راستہ نیچے کی طرف جا رہا تھا۔ چند لوگوں کو اس پر جاتے دیکھا۔

ہم نے سوچا واپسی اسی جگہ چلتے ہیں۔ جہاں سے آئے تھے ان لوگوں کو آنا تو ادھر ہی ہے۔ ایک خیال یہ آیا کہ اگر یہ اوپر سے ہی چلے گئے

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

تو...... لیکن ایک گروپ پہاڑ کے سب سے اونچے غار سے نیچے آ رہا تھا اور وہ نیچے اتر کر اس طرف گیا۔ جہاں سے ہم آئے تھے۔ ابھی ہمارے ساتھی سیاح پہاڑ کی چوٹی کی طرف چڑھتے دکھائی دے رہے تھے اور وہاں بھی اس قسم کے چیپل ہوں گے۔ لیکن ان کا جذبہ سیاحت سلامت رہے۔ ہم باز آئے اور آہستہ آہستہ اسی طرف آ گئے جہاں سے چلے تھے۔ پہلے باتھ روم تلاش کیا دو لاکھ لیرا کے عوض گرم پانی سے ہاتھ دھوئے اور ٹشو پایا۔ اس کے بعد اوپر جا کر دکانیں دیکھیں۔ ان میں کوئی کام کی چیز نہ تھی۔ ایک طرف چند سیڑھیاں اتر کر حکومت ترکی کا سیلز ڈپو تھا...... پوسٹ آفس اور ٹیلی فون کا نشان بھی بنا تھا۔ نیچے اترے تو ایک خوبصورت ڈسپلے سینٹر تھا۔ کارڈ فون بھی تھے۔ پہلے ان سے کھیلے پھر شیشے کا دروازہ کھول کر اندر گئے۔ تو چند خواتین سامنے آ کھڑی ہوئیں۔

''آپ کی کیا خدمت کریں۔''

ہم نے ایک لمحے میں چاروں طرف نظر ڈالی اور پوچھا۔

''ہمیں کوئی گڑیا مل سکتی ہے۔''

''نہیں جناب ہمارے اسٹور میں گڑیا نہیں ہوتی۔'' ایک نے معذرت کی اور افسردہ ہوگئی...... گڑیا سے مایوس ہو کر ہم نے پوچھا۔

''کیا ہم اسٹور دیکھ سکتے ہیں۔''

''جی ضرور......'' وہ سامنے سے ہٹ گئیں۔

اسٹور میں وہ سارا سامان تھا جو کراچی کی کوآپریٹو مارکیٹ کی صرف ایک دکان سے مل سکتا ہے۔ ترکی ایک غریب ملک ہے۔ گڑیا تک نہیں بناتا' کہنے کو F-16 اسمبل کرتا ہے۔ مرسڈیز کے پرزے جوڑ کر گاڑی تیار کر لیتا ہے لیکن اگر ایک گڑیا بنا لیتے تو ہم پہاڑوں غاروں کے درمیان کرید لیتے اور اصل گڑیا افسردہ نہ ہوتیں۔

اسٹور صاف ستھرا اور گرم تھا۔ لیکن زیادہ دیر یہاں رک کر ساتھیوں کو کھونے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے۔ اس لیے باہر آئے تو دیکھا وہ لوگ دور پہاڑ سے اتر رہے ہیں۔

ذرا دیر میں یہ سب ہمارے ساتھ تھے اور آج پہلی بار کسی کے منہ سے 'ویری گڈ' 'ویری نائس' سنائی نہیں دیا۔

کوچ کئی فرلانگ دور پارکنگ لاٹ میں کھڑی تھی۔ مراد نے ایک بار ہاتھ ہلایا۔ دو بار سیٹی بجائی اور پھر سب چل پڑے۔ راستہ ڈھلوان تھا۔ صرف ہم تر و تازہ تھے آگے جا کر سیڑھیاں تھیں۔ ہم نے پہلی سیڑھی پر قدم رکھا تو سیلیا نے ہمارا بازو تھام لیا۔

''شکریہ...... آپ کے ہاتھ کا سہارا منزل آسان کر دیتا ہے۔'' ہم نے کہا۔

''میں تو بہت تھک گئی ہوں...... آپ نے اچھا کیا اوپر نہیں گئے۔'' سیلیا بولی۔ سیڑھیاں ختم ہوئیں تو ایک بازار آ گیا۔ دونوں طرف دکانیں اور گھات لگائے دکاندار' وہاں آئیڈیا مل گئیں۔ وہ چیپل دیکھنے نہیں گئی تھیں لیکن اس بازار میں اپنی بیٹی اور اس کی بیٹی کے لیے شاپنگ کر رہی تھی اور اب چیزیں دکھا کر داد و تحسین وصول کر رہی تھی۔

سب کوچ میں بیٹھے تو پہلی بار ہم نے اپنے ساتھیوں کے چہروں پر اطمینان و سکون دیکھا جیسے ایک لمبی مسافت کے بعد ہو۔

☆......☆......☆

مولانا رومی کے مزار پر موئے مبارک

ہم نے جب ہوش سنبھالا مثنوی مولانا روم سنی۔ ریڈیو پاکستان میں ملازمت کی۔ کراچی میں

www.urdusoftbooks.com

تعینات ہوئے تو ایک صاحب سے ملاقات ہوئی۔ شیروانی پہنے صاف ستھرے نفیس سے آدمی' وہ مثنوی مولانا رومی کے ماہر سمجھے جاتے ہیں۔ وہ اس حد تک عاشق مثنوی تھے کہ گھر کا نام بھی اسی پر رکھا۔ پاکستان کی آوازوں کی دنیا میں شاہ بلیغ الدین' احتشام الحق تھانوی اور مولانا سلیم الدین شمسی کو سن کر مذہبی ماحول کا احساس ہوتا تھا۔ ہم اس صدی کے آخری سال میں کراچی ریڈیو کے اسٹیشن ڈائریکٹر بنے تو مولانا سلیم الدین شمسی مثنوی رومی کے ساتھ آ گئے۔ یہ پروگرام جمعہ کی شب شروع ہوا۔ یہ مثنوی فارسی میں ہے جن لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتی وہ بھی عقیدت اور احترام سے سنتے ہیں۔

آج ہم 'کونیا' میں تھے ترکی کے سب سے اہم علاقے میں' جہاں مثنوی کے خالق مولانا جلال الدین رومی سوتے ہیں۔ ہمارے ہوٹل کے بالکل سامنے اگر کمرہ سڑک کے رخ ہوتا تو ان کے مزار کا گنبد کھڑکی سے نظر آتا۔ کونیا آ کر اور جلال الدین رومی کے اتنے نزدیک ہو کر سفر کا لطف دوبالا ہو گیا۔ ہمارے وہم وگمان میں نہ تھا کہ اس سفر میں یہ سعادت حاصل ہوگی۔

صبح ناشتے کے بعد ہوٹل سے نکلے۔ ایک سڑک پار کی' فٹ پاتھ پر چلے اور ایک بڑے احاطے کے سامنے پہنچ گئے۔ ایک بڑا گیٹ تھا۔ دائیں طرف کھڑکی تھی۔ وہاں سے ٹکٹ خریدنا تھا۔ مزار کو مولانا میوزیم کہتے ہیں۔ شاید اس لیے کہ ترکی میں حکومت لامذہب ہے۔ اندر جانے کے لیے ٹکٹ خود لینا تھا یہ ٹور میں شامل نہیں تھا۔ ہم نے کھڑکی کے سامنے پہنچ کر بہت سے نوٹ وہاں بیٹھے شخص کے سامنے کر دیے۔ اس نے پسند کے اٹھا لیے 20 لاکھ لیرا تھے۔ ہمارے خیال میں بہت کم تھے۔

ایک بڑا دالان درمیان میں ایک گول چھوٹی عمارت' شاید کسی زمانے میں پانی کے لیے ہو۔ مراد کو اس کا علم نہیں تھا۔ ترکی میں لامذہب حکومت ہے اور تمام نوجوان اس کے حامی ہیں۔

دو سیڑھیوں کے بعد دروازہ تھا۔ جوتے اُتار کر وہاں رکھی پلاسٹک کی تھیلی میں ڈالے اور مراد سے کہا۔

''مولانا کا مزار دکھا دینا۔''

''ضرور۔'' وہ بولا۔

لکڑی کے دروازے پر قرآنی آیتیں تحریر تھیں...... اندر دونوں طرف مزار تھے۔ درمیان میں مولانا رومی سو رہے تھے...... ہر طرف سنہرا رنگ تھا۔ چاروں طرف دیواروں پر قرآنی آیتیں' عورتیں مرد بچے کھڑے تھے۔ سرہانے ایک بڑا اصافہ بندھا تھا۔

مراد نے کہا۔

''یہ مولانا صاحب کی قبر ہے۔''

ہم نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھا لیے۔

مولانا جلال الدین رومی 30 ستمبر 1207 کو افغانستان کے شہر بلغ میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد مولانا بہاؤ الدین اپنے زمانے کے عالم مانے جاتے تھے اور ایک بڑے پائے کے استاد تھے۔ حکومت وقت سے ناراض ہو کر افغانستان سے ہجرت کر کے نیشا پور بغداد مکہ مکرمہ اور پھر ترکی کے شہر کونیا پہنچے۔ مولانا بہاؤ الدین جب نیشا پور میں تھے ممتاز عالم دین شیخ فرید الدین عطا نے مولانا جلال الدین رومی کو پڑھانے کی تلقین کی تھی۔ اس وقت مولانا رومی بچے تھے۔

مولانا بہاؤ الدین رومی کونیا پہنچے ان کی علمیت کی شہرت ہر طرف پھیل گئی۔ عثمانی خلفاء نے اس

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

علاقے میں ایک عالی شان مدرسہ قائم کیا اور بہاؤ الدین رومی کو اس کا سربراہ بنایا۔ جہاں انہوں نے عرصے تک دین کی تعلیم دی اور جلال الدین رومی بھی مستفید ہوئے۔ بہاؤ الدین رومی کے انتقال کے بعد جلال الدین رومی نے مدرسے کا انتظام سنبھالا۔ ان کی ملاقات شمس الدین تبریزی سے ہوئی اور مولانا رومی کو ان سے ایسی عقیدت ہوئی کہ اپنے دیوان کا نام دیوانِ شمس تبریزی رکھا اس کے علاوہ ان کی مثنوی ایک عالم میں مقبول ہوئی۔ ان کا ایک دیوان رباعیات کا ہے جس میں مولانا نے اپنا تخلص شمس رکھا ہے۔ اس دیوان میں دو ہزار رباعیات ملتی ہیں اس میں دینی اور دنیاوی مسائل پر اظہار خیال خوبصورتی سے کیا ہے عام قاری انہیں پسند کرتا ہے۔

مثنوی ان کا بڑا کارنامہ ہے اسے مکمل کرنے میں 42 سال لگے۔ اس میں 26 ہزار اشعار ہیں۔ یہ معرفت اِسرار دین اور بیش بہا علم کا خزانہ ہے۔ مثنوی میں روزمرہ کی وہ تمام باتیں شامل ہیں جن میں علم کی اہمیت اور طریقہ علم کا انداز بتایا گیا ہے۔ ایک جگہ مولانا فرماتے ہیں۔

''علم ایک پھیلا ہوا موجیں مارتا سمندر ہے اور طالب علم اس میں غوطہ زن رہتا ہے۔ طالب علم ہزاروں سال زندہ رہے تب بھی وہ اس سمندر سے باہر نکلنا پسند نہیں کرے گا۔'' مولانا دو قسم کے علم پر اظہار کرتے ہیں ایک جس سے روزگار کماتا ہے۔ دوسرا تحقیقی جو اصل علم ہے۔ جس میں جستجو' تلاش ہوتی ہے جو اسے سچی راحت دیتی ہے۔ مولانا کا فلسفہ تھا کہ انسان اپنی کوشش سے کائنات فتح کرسکتا ہے۔''

مولانا جلال الدین رومی سے علامہ اقبال بے حد متاثر تھے۔ اپنے صاحبزادے کو' جاوید نامہ' میں پیر رومی کی پیروی کرنے کی تلقین کی ہے۔ علامہ نے قوم کے افراد کو مولانا رومی کو رہنما بنا کر محنت کرنے کی ہدایت کی ہے۔

سینکڑوں سال گزرنے کے بعد بھی مولانا رومی کی تعلیمات آج بھی تازہ ہیں۔ ہم ان کے حضور کھڑے تھے۔ ان کی مذہبی خدمات اور شاعری ناقابل فراموش ہے۔ ایران' ہندوستان پاکستان میں ان کے کروڑوں عقیدت مند ہیں۔

مراد کو کیمرہ دے کر ایک تصویر کھنچوائی۔ دوسری دل کے اندر اتاری۔ یہاں ان کے بعض شاگردوں اور عزیزوں کی قبریں بھی موجود ہیں۔ نومبر کے مہینے میں ان کا عرس منایا جاتا ہے۔ اس موقع پر' رقص درویش' بھی ہوتا ہے یہ حیرت انگیز منظر ہوتا ہے۔ اوپر سے نیچے تک ایک مخصوص چوغا نما لباس اور ٹوپی پہن کر درویش گھنٹوں گول گول گھومتے اور ان کے فارسی کلام پر سر دھنتے ہیں۔ اسے دیکھنے دور دور سے لوگ آتے ہیں۔ مراد کا کہنا ہے۔

''یہ اب نہیں ہوتا۔'' وہ ٹھیک کہتا ہوگا ہم نے اس کی ویڈیو فلم دیکھی ہے۔ ترکی میں اس کی اجازت نہیں' وہاں سیکولر حکومت ہے۔

تمام قبروں کے سرہانے صافے بندھے تھے۔ جو اچھے لگ رہے تھے اور ہمارے لیے ایک نئی چیز تھی۔ اس سے ان کی عظمت اور شان نظر آتی تھی۔ مولانا رومی کے آگے عقیدت مند کھڑے تھے۔ دو عورتیں فرش پر بیٹھی قرآن پاک پڑھ رہی تھیں۔ لوگ آتے فاتحہ کے لیے ہاتھ اٹھاتے' لکڑی کی ریلنگ کو ہاتھ لگاتے اور چند لمحے تعظیم میں کھڑے رہتے۔

مزار کے سامنے ایک ہال تھا۔ جس میں قرآن کریم کے مختلف نمونے رکھے تھے۔ کیا خوبصورت کتابت تھی۔ یہ پرانے نسخے تھے۔ ان

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

کی تاریخ تھی برسوں سے سیاحوں کو حیران کر رہے تھے اور پھر ایک ایسی چیز جو دنیا کے سارے خزانوں سے زیادہ قیمتی تھی دوسرے ہال کے بیچوں بیچ چاندی کے ایک بند برتن میں رسالت مآب کی داڑھی کے بال رکھے تھے۔ ہم عقیدت سے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوگئے۔ موئے مبارک تو نظر نہیں آئے لیکن تصور کی آنکھ نے دیکھ لیے دل بھر آیا...... اپنی صحت اور کامرانی کی دعا مانگنے لگے اپنے رب سے' اس ذریعے اور طفیل میں اپنے بے شمار خزانوں سے ایک ذرہ سمندروں سے ایک قطرہ ہمیں بھی دے اور گناہوں کو معاف کر' تیرے رحم کے طلب گار ہیں یہاں کھڑے ہوکر سکون آیا۔ مولانا رومی کیسے مقدر والے ہیں کہ ان کا آستانہ رسالت مآب سرور کونین کے موئے مبارک سے روشن ہے۔ اللہ تعالیٰ جب کسی پر کرم کرتا ہے تو بے شمار عنایتیں کرتا ہے۔

ہم مزار سے نکلے تو دل مطمئن تھا۔ ترکی آنے کا مقصد پورا ہوا۔ ایک دربار میں حاضری ہوئی۔

کامران سرائے بغیر کاروان

ایک سیدھے سادھے آدمی نے کسی مسافر کو کھانا کھلایا۔ رات کو آرام دہ بستر دیا۔ صبح ناشتے پر دودھ شہد اور انڈے کھلائے اور پھر گاؤں کے کنویں میں ڈال دیا۔ اس میں زیادہ پانی نہیں تھا مسافر زخمی ہوا لیکن بچ گیا۔ کسی طرح باہر نکلا تو قاضی سے شکایت کی۔ اس نے جب سیدھے سادھے آدمی کو بلایا تو وہ بولا۔

''میں نے اپنے بزرگوں سے سنا تھا نیکی کر کنویں میں ڈال۔'' اس لیے مسافر کے ساتھ نیکی کی اور اُسے کنویں میں ڈال دیا...... وہ دن تھا......اور آج کا بزرگوں نے کہا۔

''نیک کام کرنا ہے تو پل بناؤ' کنویں کھدواؤ اور سرائے تعمیر کرو......'' اس پر عام آدمی سے بادشاہ تک نے عمل کیا۔ جگہ جگہ کنویں کھد گئے پل بن گئے......اور سرائے تعمیر ہوئیں۔ ترکی میں بھی نیک کام ہوتے تھے۔ اس لیے سرائے بنائی گئیں......اور آج ہم ایک کاروان سرائے دیکھنے جا رہے تھے۔ یہ کپاڈوکیہ کا علاقہ ہے۔ جہاں خوبصورت گھوڑے پیدا ہوتے ہیں اور آلو کی کاشت ہوتی ہے۔ ہمیں آلو اور گھوڑوں کے درمیان کوئی قدر مشترک نظر نہیں آتی۔ لیکن کپاڈوکیہ والے آزاد ملک کے رہنے والے ہیں جو چاہیں اُگالیں' بنالیں۔ گھاس کے میدان نظر آئے۔ یہ تو چرواہ گاہ ہوئیں' پہلے زمانے میں جنگلوں میں گھوڑے بڑا کام کرتے تھے۔ ہمارے ملک میں تو تانگہ گھسیٹتے ہیں' ترکی میں ایک گدھا نظر آیا تھا جو گاڑی میں بندھا تھا۔ گھوڑے کے موجودہ کام کے بارے میں ہماری معلومات نہ ہونے کے برابر ہیں۔

سڑک کے کنارے ایک عمارت کے سامنے کوچ روک دی گئی۔ پتھر کی بنی یہ عمارت چھوٹا سا قلعہ معلوم ہوتی تھی۔ مضبوط پتھروں سے تعمیر تھی' بڑے دروازے کے آگے بورڈ لگا تھا۔

'' اذا کاران سرائے۔'' یہ اس کاروان سرائے کا نام تھا۔ چٹانوں سے تعمیر دروازے سے اندر داخل ہوئے تو دونوں طرف دکانیں تھیں۔ یہ سرائے اللہ دین نام کے ایک رئیس آدمی نے 12 ویں صدی میں تعمیر کرائی تھی۔

دروازے کے آگے کھلا میدان تھا۔ درمیان میں ایک عمارت تھی یہ مسجد تھی۔ چاروں طرف کمرے بنے تھے۔ جن کی چھتیں بہت اونچی تھیں...... بائیں طرف جو کمرے تھے وہ بے حد بڑے اور چھتیں بہت بلند تھیں۔ مراد نے بتایا اس

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

میں مسافروں کے اونٹ باندھے جاتے تھے۔
اس قسم کی سرائے میں مسافر ایک دن مفت قیام کر سکتے تھے۔ ان کے کھانے اور رہنے کا سارا خرچ حکومت برداشت کرتی تھی۔

کسی نے پوچھا۔

"اور دوسرے دن......"

"ادائیگی کرنی پڑتی تھی۔" مراد نے بتایا۔
اس کی تو وہ مثال ہوئی کہ "ایک دن مہمان دوسرے دن بلائے جان۔"

ہر سرائے اس طرح بنائی جاتی کہ جب کاروان یا مسافر کے سفر کے دوران رات آئے تو ایک سرائے مل جائے۔ یہ اونٹ کی رفتار ناپ کر تعمیر کی جاتی تھیں عام طور سے ہر ماہ گھنٹے کی مسافت پر ایک کاروان سرائے ہوتی تھی مسافر صبح کی نماز پڑھ کر سفر کا آغاز کرتے اور عموماً مغرب کی نماز کسی دوسرے سرائے میں پڑھتے۔ یہ قافلہ اونٹوں پر مشتمل ہوتا تھا۔

کاروان سرائے میں مسافروں کے آرام کا خیال رکھا جاتا تھا...... مراد معلومات دے کر ایک بینچ پر بیٹھ کر سگریٹ پینے لگا۔ سیاح کمروں میں گھس گئے۔ اندھیرے سیلن سے بھرے بڑے بڑے کمرے، پتھروں کی دیواریں، فرش پر ریت لیکن موسموں کی دسترس سے محفوظ یہی وہ جگہ تھی جہاں پالا گراتی سردی اور برف برساتی ہوا میں آگ کے گرد مسافر بیٹھ کر قصے کہانیاں سنتے سناتے ہوں گے۔ پھر کوئی زخمی دل رباب بجاتا ہوگا اور کہیں گھنگھروؤں کی آوازیں بھی سنائی دیتی ہوگی۔ کاروان سرائے رومانی داستانوں کا ایک کردار ہے۔ آج ایک ایسی ہی سرائے میں ہم کھڑے تھے۔ یہ بے جان پتھر کی دیواریں چپ تھیں 800 سال کی کہانیاں اس کے وجود میں چھپی ہوں گی۔ یہ چھت سب دیکھتی ہوگی...... یہ فرش کیسے مضبوط اور حسین قدموں کی دھمک سے محظوظ ہوا ہوگا۔ لیکن اب کیا ہے۔ ان دیواروں کے درمیان چینی بولتی، بیٹھی ہوئی نازک سی لڑکی اپنے ساتھی سے تصویر بنوانے کی فرمائش کر رہی ہے۔ اجنبی زبان بولتے دو مرد گزر رہے ہیں۔

ہر کمرے کے آگے سے روشن اور اندر تاریک ہیں۔ 12 ویں صدی میں یہاں مشعلیں روشن ہوئی ہوں گی اور آج وہ بجھ چکی ہیں۔ دنیا بھر کے سیاح ماضی میں جھانکتے آتے ہیں۔

آئیڈیا تصویریں بنا رہی تھی۔ کلے دیواروں کو چھو کر دیکھ رہی تھی اور صالح میدان میں پریشان کھڑا تھا۔

"عباسی درمیان میں تو دیواریں اور ریت ہے مسجد کہاں ہے؟"

"اوپر کی منزل میں......" ہمارے منہ سے اچانک نکل گیا۔

اوپر جانے کے لیے پتھر کی سیڑھیاں تھیں ایک طرف دیوار اور دوسری طرف کوئی ریلنگ نہیں تھی۔ صالح کا جذبہ ایمانی جوش میں تھا۔ رمضان تھا اس نے ہمیں دعوت دی۔

"عباسی اوپر چلتے ہیں۔"

"تم جاؤ اپنا کیمرہ دے جاؤ، ہم تصویر بنائیں گے۔"

مطلب تھا تم گرو تو کم از کم کیمرہ تو محفوظ رہے۔ صالح نے سوچے بغیر سیڑھیاں چڑھنا شروع کر دیں۔ بارہویں صدی میں جو لوگ اونٹ پر سواری کرتے اور پہاڑوں میں سفر کرتے تھے۔ ان کے اور صالح کے درمیان کچھ فرق ہونا چاہیے۔ چار سیڑھیوں کے بعد اسے احساس ہوگیا کہ غلط کر گیا لیکن اب دیر ہو چکی تھی۔ لوٹنے کا کوئی

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

راستہ نہ تھا۔ کیونکہ صالح کے پیچھے دو اور باؤلے سیاح سیڑھیاں چڑھنے لگے تھے۔ وہ اوپر جانے لگا اور ہم ہر بار سے نیچے گرتے دیکھتے رہے۔ یہاں تک کہ وہ اوپر والے کمرے میں پہنچ گیا اور چیخ کر بولا۔

”تم ٹھیک کہتے تھے عباسی اوپر مسجد ہے...... آ جاؤ۔“ ہم نے کہا۔

”تم دیکھ لو......اور سیدھے کھڑے ہو تمہاری تصویر اتارتے ہیں۔“ وہ سیدھا کھڑا ہوا' اس عرصے میں دو چار سیاح اور سیڑھیاں چڑھنے لگے۔ صالح نے کہا۔

”عباسی نیچے سے لوگوں کو روکو میں اترنا چاہتا ہوں۔“

”کیوں اترنا چاہتے ہو......“ ہم نے پوچھا۔

ہمارا مطلب تھا اب اوپر ہی رہو یہ بات اس کی سمجھ میں نہیں آئی اور وہ دیواروں پر ہاتھ رکھ کر اترنے لگا۔ جو سیاح اوپر چڑھ رہے تھے رک گئے۔ صالح نے اترنے میں خاصی دیر لگائی۔ شاید چڑھنے سے زیادہ اترنا مشکل تھا۔ وہ نیچے آیا تو اِدھر اُدھر فخر سے یوں دیکھ رہا تھا جیسے ہمالیہ کی چوٹی سر کرکے آیا ہے لیکن افسوس کسی نے اس کارنامے پر کوئی سوال نہیں پوچھا یہاں تک ہم نے بھی نہیں......وہ خود ہی بتا رہا تھا۔

”اوپر مسجد ہے......لیکن دیکھ بھال نہیں کی گئی ہے۔“

ہماری دیکھ بھال کرنے والے مراد نے ہانک لگائی۔

”چلو کوچ میں بیٹھو نئی منزل کی طرف روانگی ہے۔“

(جاری ہے)

غزل

عمر تھی رہن گریہ و ماتم
درد تھما تو چونک اٹھے ہم

موت ہی زیست پہ گہرا گھاؤ
موت ہی زخم زیست کا مرہم

بوجھل ہوگئیں نیند کی پلکیں
الجھا ہے خوابوں کا ریشم

رات ذروں میں شور بپا تھا
اور مزاج درد تھا برہم

کرب ملے ہیں ضبط سے بڑھ کے
لمحۂ عمر ہے عرصۂ ماتم

جیسے سوکھی شاخ کا نوحہ
جیسے پھول پہ گریۂ شبنم

لمس کے دکھ کو جھیل رہا ہے
لمحہ لمحہ ہجر کا موسم

اس گھر میں اپنے ہونے کا
ایک یقیں اور وہ بھی مبہم

پروین حیدر

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

مسئلہ یہ ہے

خلقِ خُدا کی بھلائی کے لیے مفید و معلوماتی سلسلہ

محترم قارئین! ’’مسئلہ یہ ہے‘‘ کا سلسلہ خلقِ خُدا کی بھلائی اور رُوحانی معاملات میں اُن کی رہنمائی کے جذبے کے تحت ماہنامہ ’’سچی کہانیاں‘‘ کے اوّلین شمارے سے شاملِ اشاعت ہے۔ گزشتہ برسوں میں ان صفحات پر تحریر و تجویز کردہ وظائف اور دُعاؤں سے بلاشبہ لاکھوں افراد نے نہ صرف استفادہ کیا بلکہ اس مادّی دنیا میں آیاتِ قرآنی اور ان کی رُوحانی طاقت کے حیران کر دینے والے معجزے دیکھے۔ جیسے جیسے لوگوں کو اِن وظائف سے فائدہ ہوتا رہا، اُسی تناسب سے ہر ماہ موصول ہونے والے خطوط کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا، پھر صورتِ حال یہ ہوگئی کہ اگر ماہنامہ ’’سچی کہانیاں‘‘ میں خطوط کے جوابات دینے پر اکتفا کیا جاتا تو قارئین کو اپنے جوابات کے لیے کئی کئی ماہ انتظار کرنا پڑتا، کیوں کہ پرچے میں صفحات کی تعداد بہرحال محدود ہے۔ اِن ہی حقائق کو دیکھتے ہوئے فوری نوعیت کے مسائل کے جوابات براہِ راست ارسال کرنے کا سلسلہ شروع کیا گیا، لیکن اتنے زیادہ خطوط کو سنبھالنا، اُن کا ریکارڈ مرتب کرنا اور انہیں سپردِ ڈاک کرنا خاصا وقت طلب کام ہے جو مجھ ایسے آدمی کے لیے کسی طور ممکن نہیں۔ اِن صفحات کی ترتیب و تدوین اور براہِ راست جوابات کے لیے میرا معاوضہ پاکستان کی سلامتی، قومی یکجہتی کی دُعا اور مسلمین و مسلمات (خواہ وہ زندہ ہوں یا مُردہ) کے لیے دُعائے خیر ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ دُعائے خیر سے بڑا معاوضہ اور قیمتی تحفہ کوئی کسی کو کیا دے سکتا ہے؟ قارئین کے خطوط کی بڑھتی ہوئی تعداد کے پیشِ نظر ادارے کو باقاعدہ اسٹاف رکھنا پڑا ہے جو خطوط کا ریکارڈ مرتب کرنے اور انہیں سپردِ ڈاک کرنے کا ذمے دار ہے۔ اگر آپ اپنے مسئلے کا فوری جواب چاہتے ہیں تو ازراہِ کرم جوابی لفافے کے ساتھ **500/=** روپے کا منی آرڈر یا بینک ڈرافٹ ماہنامہ ’’سچی کہانیاں‘‘ کے نام ارسال کر دیں۔ یہ رقم اُن افراد کی تنخواہ کی مد میں آپ کی امداد ہوگی جو اس شعبے سے متعلق ہیں۔ منی آرڈر کی رسید اور ڈرافٹ بھیجنے کے علاوہ خط میں منی آرڈر کی رسید اور بینک ڈرافٹ نمبر ضرور تحریر کریں۔ صاحبِ استطاعت حضرات تو کُجا منی **500/=** روپے کو آخری حد نہ سمجھیں، وہ حسبِ استطاعت اِس رقم میں اضافہ کر سکتے ہیں۔ یہ رقم اُن خواتین کے کام آئے گی جو ملک کے دور دراز علاقوں میں رہتی ہیں اور جن کے لیے منی آرڈر یا بینک ڈرافٹ بھیجنا ممکن نہیں ہے۔ خطوط بھیجنے سے پہلے درج ذیل باتوں کا خیال رکھیں۔

(1)...... مسئلے کے ساتھ اپنا اور اپنی والدہ کا نام ضرور تحریر کریں۔ اصل نام کی اشاعت مقصود نہ ہو تو خط فرضی نام سے شائع کیا جائے گا۔ فرضی ناموں سے جھوٹے خطوط نہ بھیجیں ورنہ فائدے کے بجائے نقصان کا احتمال ہے۔

(2)...... منی آرڈر، بینک ڈرافٹ ماہنامہ ’’سچی کہانیاں‘‘ کے نام ارسال کریں۔

(3)...... اپنا مسئلہ صاف اور واضح الفاظ میں کاغذ کے ایک طرف تحریر کریں۔

88-C II۔ خیابانِ جامی۔ ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی۔ فیز-7، کراچی

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

عزیز بچو!

اللہ تم سب کو اپنی اماں میں رکھے۔ شعبان کا محترم و مکرم ماہ ہم سب کو نصیب ہوا اللہ کا احسان ہے اور اب رمضان کی آمد آمد اللہ تمام مسلمانوں کو توفیق عطا فرمائے کہ وہ ان مبارک مہینوں کو صحت و تندرستی کے ساتھ اپنے درمیان پائیں تاکہ ان بابرکت مہینوں کا حق ادا کرکے اپنی دنیا اور آخرت دونوں میں سرخرو ہو پائیں۔ میں ہمیشہ نماز کی پابندی کی تاکید کرتا ہوں اور مجھے خوشی ہے کہ میرے بچے اس پر صرف رمضان میں نہیں بلکہ پورا سال عمل کرتے ہیں' نہ صرف نماز کی پابندی کا خیال رکھتے ہیں بلکہ قرآن کی تلاوت اور صدقہ خیرات بھی پورے سال جاری رکھتے ہیں۔ اللہ نیک عمل کرنے والوں کو بے حساب نوازتا ہے۔ کچھ وظائف بتا رہا ہوں جن کی سب کو اجازت ہے۔ نماز فجر اور عشا کے بعد 3-3 تسبیح سورۃ آل عمران آیت 8 پڑھو اور رب العزت سے ہدایت کی دعا مانگو جس کو ہدایت مل جاتی ہے اس کو سب کچھ عطا ہو جاتا ہے۔ سورۃ تحریم آیت 8 ہر نماز کے بعد ایک تسبیح ضرور پڑھو رزق' صحت کلی اور بچیوں کے لیے نیک رشتوں کا حصول دعا مانگنے والوں کو سب کچھ اور بہت جلد عطا ہو جاتا۔

□ تابندہ غفور۔ لاہور

o باباجی! میں بڑی آس اور امید لے کر آپ کے پاس حاضر ہوئی ہوں۔ میرے شوہر کا 6 ماہ قبل ٹریفک حادثے میں انتقال ہوگیا۔ میں ان پڑھ عورت ہوں۔ 5 چھوٹے چھوٹے بچے ہیں رشتے ناطے سب ہیں پر باباجی غریب کا کوئی نہیں ہوتا۔ یہ خط میں استانی جی سے لکھوا رہی ہوں انہوں نے ہی مجھے آپ کے بارے میں بتایا۔ باباجی گزر بسر بہت مشکل ہے۔ بچے بہت چھوٹے ہیں انہیں چھوڑ کر کہیں کام بھی نہیں کرسکتی۔ کچھ رشتے دار مدد کر رہے ہیں مگر کب تک مدد کریں گے مجھے آپ سے مشورہ لینا تھا میں جس گھر میں رہتی ہوں) وہ دو کمروں کا کوارٹر ہے جو میرے شوہر کے نام ہے کیا میں اس گھر کو بیچ کر رقم بینک میں رکھوا دوں تاکہ ہر ماہ کچھ رقم ہاتھ آسکے اور بچوں کے کھانے پینے اور اسکول فیس کا بندوبست ہوسکے۔ مدد کرنے والے مدد سے زیادہ طنز کرتے ہیں بھیک کی طرح امداد دیتے ہیں۔ مجھے بتایئے کیا یہ فیصلہ درست ہے؟

☆بیٹی تابندہ گھر بیچنے کے بارے میں سوچنا بھی مت تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ وہ کتنا بڑا آسرا ہے۔ میں جانتا ہوں یہ کڑا وقت ہے اور ایک بیوہ کو ان مشکلات کا سامنا ہمارے معاشرے میں کرنا پڑتا ہے یہ ہماری بدنصیبی ہے مگر بیٹی اللہ پر بھروسہ رکھو وہ بہترین اسباب پیدا کرے گا۔ جب تمہیں سہولت ہو کیونکہ بچے چھوٹے ہیں دن میں ایک بار سورۃ یٰسین

اطلاعِ عام

قارئین بھائی' بہنوں سے گزارش ہے کہ مسئلہ بھیجنے کے لیے ہمارا نیا پتا نوٹ فرمالیں اور آئندہ اپنا مسئلہ دیے گئے۔ اس نئے ایڈریس پر روانہ کیجیے۔

نیا پتا: 88-C-II- فرسٹ فلور۔ خیابانِ جامی کمرشل۔ ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی۔ فیز-7' کراچی

مسئلے سے متعلق معلومات کے لیے رابطہ کیجیے۔ 021-35893121-35893122

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

چہرے پر رونق نہیں ہے' کیل مہاسے' جھائیاں
ان سب سے نجات حاصل کرنے کے لیے دوا سچی
کہانیاں کے دفتر سے حاصل کی جاسکتی ہے۔

پڑھ کر پانی پر دم کیا کرو اور یہ پانی پی لیا کرو بھوک کم لگے گی اللہ تم پر اور تمہاری اولاد پر رحم فرمائے۔ مجھے یقین ہے کہ میرے بچوں میں سے کوئی تمہاری ذمہ داری اٹھالے گا بنا عزت نفس مجروح کیے۔

□ کلثوم۔کراچی

○ السلام علیکم بابا صاحب! میں غریب عورت ہوں مگر سچی کہانیاں کسی نہ کسی طرح صرف آپ کے کالم کی وجہ سے خرید کر پڑھتی ہوں' بابا جی میں اور میری بیٹی سلائی کا کام کرتے ہیں۔ میرے شوہر معذور ہیں وہ بستر پر پڑے ہیں۔ بابا جی جن دکانوں پر میں کپڑے دیتی ہوں ان سے ایک دکاندار مجھے بہت تنگ کر رہا ہے حالانکہ وہ عمر میں میری بیٹی کے برابر ہوگا مگر میرے لیے اس کی نظروں میں بالکل احترام نہیں۔ بابا صاحب دکانوں' دکانوں پھرنا میری مجبوری ہے گھر بھی نہیں بیٹھ سکتی مگر گندے رویے مجھے بہت دکھ دیتے ہیں۔ میں نے یہ بات بیٹی کو بھی نہیں بتائی اپنا نام بھی فرضی لکھ رہی ہوں آپ مجھے اس مسئلے کا کوئی حل بتادیں۔ میں بہت پریشان ہوں آگے رمضان بھی آرہا ہے گھر نہیں بیٹھ سکتی۔

☆ بیٹی کلثوم! اللہ اس برباد ہوتے معاشرے پر اپنا رحم فرمائے جہاں ہر جانب لگتا ہے جیسے شیطان بستے ہیں' بیٹی میں جانتا ہوں شریف خواتین کے لیے باہر نکلنا کتنا بڑا عذاب ہے اور یقیناً یہی اُن کے لیے آزمائش ہے۔ تم گھر سے باہر نکلتے وقت آیۃ الکرسی پڑھ کر اپنے اوپر حصار کیا کرو اور دل میں کہا کرو کہ اللہ میری عزت کی حفاظت فرما اللہ ضرور اپنا کرم فرمائے گا اور جلد تمہاری اس بے ہودہ آدمی سے جان بھی چھوٹ جائے گی اور روزگار میں بھی اضافہ ہوگا۔

□ نظر علی برمانی۔دادو

○ محترم بابا جی! السلام علیکم! اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ خوش رکھے بابا جی میں آپ کا کالم بہت شوق سے پڑھتا ہوں اور آپ سے رہنمائی لیتا رہتا ہوں۔ آج بھی میں ایک مسئلہ لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ بابا جی میرا ایک بڑا بھائی ہے جس کا نام رفیق احمد ہے بابا جی اُن کو آرمی سے ریٹائرڈ ہوئے دو ڈھائی سال ہوئے ہیں اور اب وہ پولیس میں ہیں بابا جی میرے بھائی کو کافی سالوں سے معدہ میں تکلیف ہے ڈاکٹر کہتے ہیں کہ معدہ میں زخم ہے کافی عرصے سے دوائیاں کھا رہے ہیں لیکن تکلیف مکمل طور پر ختم نہیں ہو رہی مکمل پرہیز بھی کرتے ہیں اور پابندی سے دوا بھی کھاتے ہیں لیکن اتنے سالوں بعد بھی دوا سے جان نہیں چھوٹ رہی بابا جی میرے بڑے بھائی بہن پریشان رہتے ہیں اور ان کی وجہ سے سب گھر والے پریشان رہتے ہیں بھائی اب بھی ڈاکٹروں کے پاس جاتے ہیں اور دوائیاں پابندی سے کھاتے ہیں لیکن تکلیف برقرار ہے۔ بابا جی ہم چاہتے ہیں بھائی کی یہ تکلیف ختم ہوجائے اور دوائیوں سے ان کی جان چھوٹے' بابا جی آپ ہماری رہنمائی کیجیے کہ یہ معدہ کی تکلیف ختم کیوں نہیں ہو رہی اور اس کا کوئی حل تجویز کیجیے اللہ تعالیٰ آپ کو سدا خوش رکھے آمین۔

☆ بیٹے نظر! بھائی سے کہو زندگی کے معاملات اللہ کے سپرد کردے۔ مطمئن ہوجائے کسی بھی بات کو بہت اہمیت نہ دیا کرے۔ نماز کی پابندی رکھے درود شریف بہت پڑھے اور اپنی غذا بالکل سادہ کردے انشاء اللہ ضرور افاقہ ہوگا۔

□ بیٹا۔حیدرآباد

○ محترم بابا جی! السلام علیکم! میرا مسئلہ یہ ہے کہ مجھے بہت بے چینی ہوتی ہے رات کو نیند نہیں آتی

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

آپ کوئی وظیفہ عنایت فرمائیں اور آپ مجھے بیٹا کہیں شکریہ۔

☆ بیٹے! نماز پابندی سے ادا کرو اور درود شریف بہت پڑھو رات کو باوضو لیٹنے کی عادت ڈالو اور اسماء الٰہی کا ورد کیا کرو فوراً نیند آ جائے گی اور بہت پُرسکون آئے گی۔

□ سلمٰی خان۔مقام نامعلوم

o بابا صاحب اللہ آپ کو لمبی عمر دے اچھی صحت کے ساتھ آپ کا سایہ ہم جیسے لوگوں پر سلامت رہے خط دیر سے لکھنے کے لیے معذرت خواہ ہوں اصل میں میری طبیعت خراب رہی ہے پچھلے مہینوں سے میں لیڈی ڈاکٹر کے پاس گئی تھی اُس نے ٹیسٹ کروائے پھر کہا آپ کو بچے نہیں ہو سکتے 50% کا چانس ہے پھر دوائیاں لکھ کر دیں کہ مہینے کے بعد پھر ٹیسٹ ہوں گے۔ دوائیں کھانے سے میرا ڈپریشن بڑھ گیا دماغ کی کنڈیشن 3-4 مہینے خراب رہی اب جا کے کچھ بہتر ہوں ڈاکٹر کہتے ہیں بچے کے لیے جو دوائیاں ہوتی ہیں وہ دماغ پر اثر کرتی ہیں اور دماغ کے لیے جو دوائیاں ہیں ان سے بچے نہیں ہوتے میں ہر مہینے اللہ سے امید لگاتی ہوں آخر میں ٹوٹ جاتی ہوں میں مایوس نہیں ہونا چاہتی کہ مایوسی کفر ہے لیکن آپ بتائیں کیا کروں عمر بڑھتی جا رہی ہے اس کے ساتھ بچے کی امید بھی کم ہوتی جا رہی ہے میرے پاس اتنے پیسے بھی جمع نہیں ہو رہے کہ میں ٹیسٹ ٹیوب کروا لوں اور اگر کروا بھی لوں تو گارنٹی نہیں کہ ہو گا بھی یا نہیں۔ آپ مجھے روزے رکھنے کا طریقہ بتا دیں 7 روزے جو رکھتے ہیں اس میں 7 دن کے بعد شوہر سے ملتے ہیں یا روز' بابا صاحب شاید بہت گناہ گار ہوں جو اللہ کی بارگاہ میں میری دعا قبول نہیں ہو رہی ہر وظیفہ دم درود جو کہتے ہیں کہ لازمی قبول ہو لیکن میرے کرنے سے وہ قبول نہیں ہو رہا میں نے

بالوں کا گرنا' خشکی' بے جان بال ان سب کے لیے جڑی بوٹیوں سے تیار 150 سو سال پرانا نسخہ...... اب آپ بھی حاصل کر سکتے ہیں۔رابطہ
......35893121-35893122

عرصے میں بھی بہت دعائیں کی شاید اللہ ناراض ہو گیا کہ اس کے گھر جا کے میں نے گناہوں سے توبہ کی اتنی دعائیں نہیں مانگی جتنی اولاد کے لیے مانگی یہ بات مجھے لگتا ہے جس کی وجہ سے اللہ پاک مجھ سے ناراض ہو گیا کہ یہاں بھی گناہوں کے بجائے اولاد کی دعا مانگ رہی ہے۔ بابا جی آپ تو اللہ تعالیٰ کے بہت خاص اور اچھے بندے ہو میرے لیے دعا کریں اللہ تعالیٰ مجھے لاوارث نہ چھوڑے اور وارث عطا کرے۔ بابا صاحب اللہ تعالیٰ آپ کو خوش رکھے اور آپ کا سایہ ہم جیسے گناہ گاروں پر سلامت رکھے جس سے ہماری بخشش کا سامان ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہماری سن لیتا ہے بس آپ سے التجا ہے دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔

☆ بیٹی سلمٰی! تم اتنی تکلیف کیوں جھیل رہی ہو۔ اولاد نرینہ کے لیے مجھ سے تعویذ منگوا لو' دعا اور دوا دونوں ضروری ہیں' بیٹی یہ بات دماغ سے نکال دو کہ اللہ تم سے ناراض ہے وہ اس کائنات کا خالق ہے ہمارا مالک ہے اس کی ناراضگی سے پناہ مانگا کرو۔ وہ جس بندے سے ناراض ہوتا ہے اس پر پھر اس کا قہر نازل ہوتا ہے۔ آئندہ ایسا سوچنا بھی مت' تم نے اللہ سے وہی مانگا جو تم چاہتی ہو اور وہ بھی یہی کہتا ہے کہ مجھ سے مانگو لہٰذا بیٹی صبر کرو اور ہمت سے کام لو' دکھی ہونا چھوڑ دو۔ تم خوش رہو گی تو سب اچھا ہوگا۔

□ صدف انوار۔کراچی

o بابا جی! میں بہت پریشان رہتی ہوں اپنے بیٹے کی طرف سے اس کی عمر 8 سال ہے وہ بہت

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

اندرونی اور بیرونی زخموں' آپریشن کے بعد ٹانکوں کا کچا رہ جانا یا کسی بھی قسم کی چوٹ کے لیے دوا دستیاب ہے۔ جن گھروں میں چھوٹے بچے ہیں وہاں اکثر کھیل کود کے دوران سر پر چوٹ لگ جاتی ہے ایسے میں یہ دوا سر میں خون جمنے نہیں دیتی' دوا حاصل کرنے کے لیے سچی کہانیاں کے دفتر فون کریں۔

کمزور ہے اپنی عمر سے کم دکھائی دیتا ہے قد بھی چھوٹا ہے رات کو سکون سے نہیں سوتا آدھی رات کو لازمی میرے پاس آ کر لیٹتا ہے ڈرتا ہے' وہ بھی بولتا ہے وہ نظر آتا ہے ماما مگر کچھ نہیں ہوتا دو تین لوگوں کو دکھایا وہ کہتے ہیں اثرات ہیں گھر میں مگر اُسے ہی ڈر لگتا ہے نہ دودھ پیتا ہے نہ مچھلی وغیرہ لیتا ہے بابا آپ بتائیں کیا کروں اُس کے لیے اور کوئی دعا یا تعویذ وغیرہ بھی دیں میں آپ کو دعا دوں گی دوسرا مسئلہ میرے شوہر کا ہے بابا جی اُن کے لیے دعا کریں جس دکان میں بیٹھتے ہیں وہ کرائے کی ہے۔ 13 سال سے ان کے پاس ہے اس دکان کے مالک سے اس کا مقدمہ بھی چل رہا ہے۔ بابا جی اُس دکان پر اُن کا بہت دل ہے دعا کریں وہ دکان ان کی اپنی ہو جائے خیر و عافیت کے ساتھ ساری زندگی دعائیں دوں گی۔

☆بیٹی صدف! سب سے پہلے تو تم صبح و شام آیت الکرسی اور چاروں قل پڑھ کر بچے پر دم کر دیا کرو۔ فوری طور پر مجھ سے تعویذ منگوا کر اس کے گلے میں ڈال دو' میں تعویذ کے ہمراہ مزید علاج تجویز کروں گا جہاں تک شوہر کا تعلق ہے تو اُن سے کہو روزانہ ایک بار سورۃ الم نشرح ترجمہ کے ساتھ پڑھیں۔ پابندی سے چڑیوں کو دانہ اور پانی ڈالیں انشاءاللہ کرم ہوگا مدت 3 ماہ ہے۔

□ بیٹی عائشہ۔ کراچی

○ میرا نام عائشہ ہے بابا جان مجھے آپ سے استخارہ کروانا ہے بابا جان ہم لوگ بڑی مشکلوں سے گزارہ کرتے ہیں۔ گھروں میں کام کر کے بابا جان میں نے کمیٹی ڈالی ہے جس سے میں ایک پلاٹ خریدنا چاہتی ہوں بڑی مہربانی ہوگی اگر آپ استخارہ کر کے بتائیں کہ پلاٹ لینا صحیح ہوگا یا نہیں۔ میں جس گھر میں کام کرتی ہوں انہوں نے بتایا ہے کہ ایک زمین اسلام آباد میں اور ایک زمین کراچی میں بتائی ہے۔ بابا جان آپ استخارہ کر کے بتا دیں بابا جان یہ ہماری بڑی محنت کی کمائی ہے ہم نہیں چاہتے کہ نقصان ہو۔

☆بیٹی عائشہ! میں تمہیں نصیحت کروں گا کہ اپنے پیسے حفاظت کیساتھ رکھو فی الحال کوئی ضرورت نہیں ہے کہیں بھی زمین خریدنے کی تمہارے ساتھ دھوکا ہو جائے گا۔ نماز کی پابندی رکھو اور درود شریف بہت پڑھو۔ عید کے بعد مجھے حالات سے آگاہ کرنا۔

□ قیصر شاہ۔ بیلجیئم۔

○ محترم بابا جی! السلامُ علیکم! کئی سال سے میری خواہش یہاں کوئی چھوٹا موٹا کاروبار شروع کرنے کی تھی اسی لیے میں نے آپ سے براہِ راست وظیفہ منگوایا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ وظیفے کے دوران ہی یہ کام ہو گیا۔ آپ کا بہت بہت شکریہ بابا جی! اللہ تعالیٰ آپ کو نیک اَجر عطا کرے اور لمبی عمر عطا فرمائے تا کہ آپ اسی طرح لوگوں کے کام آتے رہیں۔ (آمین!)

☆بیٹے قیصر! میرا شکریہ ادا کرنے کی ضرورت نہیں۔ دلوں کی مراد پوری کرنے والی ذات باری تعالیٰ کی ہے' بس اس کا شکر اَدا کرتے رہو۔ نماز کی پابندی برقرار رکھو اور اپنے دوستوں کو بھی نماز کی تلقین کرنا۔

☆☆......☆☆

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

آپ کی ڈائری

یہ ہے آپ کی پسند' آپ کا انتخاب

مرتب: اشعر جواد

میرا رب

اور وہی ہے جس نے زمین کو پھیلایا اور اس میں پہاڑ اور دریا پیدا کیے اور ہر طرح کے ثمرات کے جوڑے دہرے بنائے وہیں رات کو دن کا لباس پہناتا ہے غور کرنے والوں کے لیے اس میں بہت سی نشانیاں ہیں۔

(الرعد۔3)

مثنوی شریف

حضورؐ اللہ تعالیٰ کے سب سے محبوب اور مقرب نبی ہیں۔ اس لیے آپؐ افضلیت واکملیت کا معیار آخر قرار پائے۔ اس لحاظ سے حسن و جمال کا معیار آخر بھی آپؐ کی ہی ذات مبارکہ ہے۔ کائنات کے حسن و جمال کا ہر ہر ذرہ دہلیز مصطفیٰؐ کا ادنیٰ سا بھکاری ہے۔ رب کائنات نے وہ آنکھ تخلیق ہی نہیں کی جو تاجدار کائناتؐ کے حسن و جمال کا مکمل طور پر مشاہدہ کرسکے۔ اقلیم رسالت کے تاجدار حضورؐ مسند محبوبیت پر یکتاو تنہا جلوہ افروز ہیں۔

جہاں نقطہ کمال کی انتہا ہے وہاں سے حسن و جمال مصطفیٰؐ کی ابتدا ہوتی ہے۔ آپؐ کے حسن و جمال کو بے مثل ماننا ایمان وایقان کا بنیادی جزو ہے۔ حضورؐ جدھر سے گزرتے وہ راستے بھی مہک اٹھتے' راہیں قدم بوسی کا اعزاز حاصل کرتیں اور خوشبوئیں جسم اطہر کو اپنے دامن میں سمیٹ لیتیں۔ مدینے کی گلیاں آج بھی حضورؐ کی خوشبوؤں سے معطر ہیں۔ اظہار عشق کے انداز میں مختلف ہوتے ہیں۔ خوشبو وفا کے پیرائے بھی جدا جدا ہوتے ہیں۔ کبھی کوئی صحابی حضورؐ سے چادر مبارک مانگ لیتے ہیں کہ میں اس سے اپنا کفن بناؤں گا اور کوئی حصول برکت کے لیے جسم اطہر کے پسینے کو شیشی میں جمع کر لیتا ہے۔

(بحوالہ بخاری' الصحیح' 1-429' کتاب الجنائز رقم 1218)

(بحوالہ مسلم' الصحیح 4-1814' کتاب الفضائل' رقم 2331)

فرمان حضرت علی وجیہہ الکریم

جو دکھ دے اس سے تعلق نہ رکھو اور جس سے تعلق رکھو اسے دکھ نہ دو۔

لوگ دو طرح کے ہیں۔ ایک سخی لیکن ان کے پاس پیسہ نہیں ہوتا دوسرے مالدار مگر وہ کسی کی حاجت روائی نہیں کرتے۔

ہمیشہ سچ بولو تاکہ تمہیں قسم کھانے کی ضرورت نہ پڑے۔

جس کو تم سے سچی محبت ہوگی وہ تم کو فضول اور ناجائز کاموں سے روکے گا۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

لوگوں کو اسی طرح معاف کرو جیسے تم خدا سے امید رکھتے ہو کہ وہ تمہیں معاف کرے گا۔

گناہ پر ندامت گناہ کو مٹا دیتی ہے نیکی پر غرور نیکی کو تباہ کر دیتا ہے۔

تم پانی جیسے بنو جو اپنا راستہ خود بناتا ہے پتھر جیسے نہ بنو جو دوسروں کا راستہ بھی روک لیتا ہے۔

اقوال زریں

بروں کی محبت نیکوں سے بدگمان کر دیتی ہے۔ (حسن بصری)

اصل کمال علم اور عمل کو جمع کرنے میں ہے۔ (ابن جوزی)

کوئی گناہ کسی کی رضا مندی سے حلال نہیں ہوتا۔ (شفیق بلخی)

خلق چار چیزیں ہیں۔ سخاوت' الفت' نصیحت اور شفقت۔ (جنید بغدادی)

جب تک تم بھوک سے بے تاب نہ ہو جاؤ اس وقت تک کبھی کھانا نہ کھاؤ۔ (بقراط)

اپنی ضرورتوں کو کم کرو گے تو راحت پاؤ گے۔ (اویس قرنی)

انسان کو چار چیزیں بلند کرتی ہیں۔ علم' حلم' کرم اور خوش کلامی۔ (بایزید بطامی)

جب محبت کامل ہو جاتی ہے تو ادب کی شرط گر جاتی ہے۔ (جنید بغدادی)

خاموش احتجاج

ایک بار اک پرانے ڈائجسٹ اسٹال سے گزرے تو اسٹال پر خریداروں کا کافی رش دیکھا۔ مختلف ناموں کے پرانے ڈائجسٹ کم قیمت پر فروخت ہو رہے تھے۔ ایک ڈائجسٹ جو ملکی حالات و ادب کے حوالے سے نامور حیثیت رکھتا تھا۔ اس کے ایک شمارے پر صدر ممنون حسین کی تصویر سرورق پر موجود تھی۔ مگر ہجوم میں سے کوئی بھی اُس شمارے کو خریدنے پر تیار نہ تھا۔ اسٹال کے مالک نے صدر صاحب والے پرچے پر توجہ مبذول کرانے کی کوشش کی تو ہجوم میں سے کسی کی آواز آئی کہ ''یہ تو صدر صاحب ہیں۔ انہیں خریدو یا نہ خریدو' یہ تو بس خاموش ہی رہیں گے۔'' یہ حقیقت پسندانہ بات سن کر ہمارے لبوں پر بھی بغیر کسی قہقہے کہ ایک خاموش سی مسکراہٹ احتجاج کی صورت نمودار ہوئی۔

(اشعر جواد کی یادداشت سے اخذ)

استاد دامن

استاد دامن ایک مرتبہ بھارت گئے' وہاں امرت سر میں کوئی دربار (مشاعرہ) کا اہتمام کیا گیا تھا۔ ایک معاون جب استاد دامن کو اسٹیج پر لے گئے۔ تو مشاعرے کا مہتمم دھیرے سے معاون سے بولا۔

''تمہیں شاعر لانے کے لیے کہا تھا' تم پہلوان لے آئے ہو۔'' یہ بات استاد نے سن لی۔

جب اُن کی اسٹیج پر باری آئی۔ تو کہنے لگے۔

''دوستو! ابھی ایک سردار جی کہہ رہے تھے کہ ہم نے شاعر بلایا تھا یہ پہلوان آ گیا ہے۔''

''میں آپ کی خدمت میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ میں پنجاب کا شاعر ہوں' ہندوستان کا قلم دان نہیں۔'' اس پر پینڈال میں خوب قہقہے اچھلے۔

(استاد دامن کی یادداشت سے ماخذ)

غزل

جی رہا ہوں نہ مر رہا ہوں میں
عشق یہ کیسا کر رہا ہوں میں
لمحہ لمحہ گزر رہی ہے رات
ریزہ ریزہ بکھر رہا ہوں میں
اتنے دھوکے دیے ہیں دنیا نے
اپنے سائے سے ڈر رہا ہوں میں
ہو سکے تو سمیٹ لو مجھ کو
مثلِ خوشبو بکھر رہا ہوں میں

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

عشق سے زندگی کے خاکے میں
آتشیں رنگ بھر رہا ہوں میں
اک زمانے سے اک زمانے تک
اپنا ہی ہمسفر رہا ہوں میں

شاعر: الیاس شاداں۔ کتاب: تلافی

غزل

کاش ہم کھل کے زندگی کرتے
عمر گزری ہے خودکشی کرتے
بجلیاں اس طرف نہیں آئیں
ورنہ ہم گھر میں روشنی کرتے
کون دشمن تری طرح کا تھا
اور ہم کس سے دوستی کرتے
بجھ گئے کتنے چاند سے چہرے
دل کے صحرا میں چاندنی کرتے
عشق اُجرت طلب نہ تھا ورنہ
ہم ترے در پہ نوکری کرتے
اس تمنا میں ہوگئے رسوا
ہم بھی جی بھر کے عاشقی کرتے
حسن اُس کا نہ کھل سکا محسن
تھک گئے لوگ شاعری کرتے

شاعر: محسن نقوی۔ کتاب: طلوع اشک

اشعار

چاند کی چاندنی بھی ستاروں کا تو ایک بہانہ تھا
میرے پاس تم نہ تھے باقی تو سارا زمانہ تھا

............*

جب یاد تمہاری آتی ہے دل خون کے آنسو روتا ہے
بے درد زمانہ کیا جانے اس پیار میں کیا کیا ہوتا ہے

محمد دانیال جوئیہ۔ روڈہ تھل' خوشاب

اسلام

اسلام ایک ایسا مذہب جو قیامت تک دھڑکتا چمکتا رہے گا۔

اسلام ایک ایسا رشتہ ہے جو ہمیشہ قائم رہے گا۔

اسلام ایک ایسا ترازو ہے جس میں ایمان والوں کا وزن ہوگا۔

اسلام ایک ایسا لباس ہے جس کا اگر کوئی غیر علم بھی پہن لے تو مسلمان ہو جائے گا۔

اسلام ایک خزانہ ہے جس کا مسلمان کے علاوہ ہو ہی نہیں سکتا۔

محمد ندیم جوئیہ۔ روڈہ تھل' خوشاب

غزل

ہم ناراض ہیں تم سے
بہت ناراض ہیں تم سے
بہت مغرور ہو نا تم
بہت مصروف ہو نا تم
ہمیں تو یاد کرنے کا
وقت برباد کرنے کا
تمہیں تو وقت ہی کب ہے
نہ تم کو یاد آتے ہیں
تمہیں کتنا ستاتے ہیں
تمہیں نہ یاد آئیں گے
نہ تم کو یوں ستائیں گے
جب ہم دنیا سے جائیں گے
تب ہم سے ملنے آؤ گے
تو ہم بھی تم کو بتا دیں گے
بہت مجبور ہیں ہم بھی
بہت مصروف ہیں ہم بھی
ہمیں بھی کام ہیں کتنے
تب ہم آنکھیں نہ کھولیں گے
کچھ تم سے نہ بولیں گے
کہ ہم ناراض ہیں تم سے
بہت ناراض ہیں تم سے

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

............*

لفظ لفظ موتی

غلطی ماننے اور گناہ چھوڑنے میں کبھی دیر مت کرو کیونکہ سفر جتنا طویل ہو جائے گا واپسی اتنی ہی مشکل ہوگی۔ جانور اپنے مالک کو پہچان لیتا ہے لیکن انسان اپنے مالک کو نہیں پہچانتا۔

جب تین کیفیتیں ہوں فوری دعا کیا کرو کیونکہ اس وقت کی دعا رد نہیں ہوتی۔ جب جسم کانپ اٹھے' دل میں خوف آئے' جب آنکھوں سے آنسو جاری ہوں۔ کھانے کے دوران لقمہ گر جائے تو اسے صاف کر کے کھالو اسے شیطان کے لیے مت چھوڑو۔

خضر حیات۔ روڈہ تھل' خوشاب

گھر گھر روشنی

حقیقی طرز فکر یہ ہے کہ کسی سے کوئی توقع نہ رکھی جائے اور جو بندہ کسی سے توقع نہیں رکھتا وہ ناامید بھی نہیں ہوتا' امیدیں توازن کے ساتھ کم سے کم رکھنی چاہئیں جو آسانی کے ساتھ پوری ہو جائیں۔

............*

پستی

روپے کی قیمت کتنی بھی گر جائے اتنی کبھی نہیں گر سکتی جتنا روپے کے لیے انسان گر چکا ہے۔

............*

غزل

پھولوں میں اپنا رنگ دھنک چھوڑ جایئے
گلشن میں گیسوؤں کی مہک چھوڑ جایئے
جائیں تو اس طرح کہ رہیں دل کے آس پاس
جاں کی حویلیوں میں کسک چھوڑ جایئے
تنہا چراغ اور اندھیرے ہیں بے شمار
ہلکی سی انجمن میں دمک چھوڑ جایئے
آیئے اگر خزاں بھی تو ویراں نہ ہو چمن
اے چاند' ایسی چاندنی چھوڑ جایئے
حمید اک ذرہ نا چیز ہی تو ہے
ذرے میں کچھ تو اپنی چمک چھوڑ جایئے

عبدالحمید خان۔ حیدرآباد

اقوال زریں

کوشش کرو کہ تم دنیا میں رہو' دنیا تم میں نہ رہے کیونکہ کشتی جب پانی پر رہتی ہے خوب تیرتی ہے لیکن جب پانی کشتی میں آ جاتا ہے تو وہ ڈوب جاتی ہے۔

تم گلاب کا پھول بن جاؤ کیونکہ یہ پھول اس کے ہاتھوں میں بھی خوشبو چھوڑ جاتا ہے۔ جو اسے مسل کر پھینک دیتا ہے۔

معاملہ چھوٹا ہو یا بڑا تحریر میں لانے کے لیے سستی نہ کرو۔

حسن کرنے والا موت سے پہلے مر جاتا ہے۔

خود اعتمادی کامیابی کا سب سے بڑا راز ہے۔

بوڑھا انسان وہ ہے جو علم حاصل کرنا بند کر دے۔

سفر جان جوکھوں کا ہے۔ مگر واپسی بہت آسان ہے۔

قرض مانگنا بھیک مانگنے سے بہتر ہے۔

غزل

کرسی یہ تیری یاد کی خالی ہے آج بھی
دل میرا تیرا ایک سوالی ہے آج بھی
تیرے سوا تو کچھ نظر آتا نہیں مجھے
میری وفا تو دیکھنے والی ہے آج بھی
کرتی ہوں روز تجھ سے خیالوں میں گفتگو
دنیا میری نظر میں مثالی ہے آج بھی
وہ میرا منتظر ہے نہیں سچ تو بس ہے یہ
یہ کائنات ساری خیالی ہے آج بھی
سنتا نہیں ہے کوئی بھی پتھر کے شہر میں
خاموشیوں نے شکل نکالی ہے آج بھی

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

برسا کہاں ہے وہ مہر کا بادل جزئیں
دیکھوں کہاں کہ رات تو کالی ہے آج بھی
زندہ رکھا ہے میرے خدا نے میرا ضمیر
خانم تو سچ ہی بولنے والی ہے آج بھی

فریدہ خانم۔لاہور

تم کو مجھ سے محبت نہیں

تمہیں پتا ہے کہ میں تمہارے ساتھ جنوں کی حد تک محبت کرتا ہوں کیونکہ تم مجھ سے بہت محبت کرتی ہو بیشک تم نے کبھی اپنی محبت کا اظہار نہیں لیکن میں اتنا بھی پاگل نہیں کہ تمہاری خوبصورت آنکھوں میں اپنے لیے محبت نہ دیکھ سکو تم چاہو بھی تو اس بات سے انکار نہیں کر سکتی کہ تم کو مجھ سے محبت نہیں ہے۔

رفعت۔بہاولپور

عارفہ کاملہ

حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ اپنے بچپن کا ایک واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ انہوں نے ایک عارفہ کاملہ کو حالت نماز میں دیکھا۔ان پر اس درجہ محویت اور استغراق وانہاک کی کیفیت طاری تھی کہ ایک بچھو نے چالیس مرتبہ انہیں ڈنک مارا۔لیکن باوجود سخت تکلیف واذیت کے انہوں نے اسی حال میں نماز مکمل کی۔جب وہ نماز سے فارغ ہوئیں تو میں نے عرض کیا۔

”اماں جان‘ آپ نے ناحق اتنی تکلیف برداشت کی آپ اپنے ہاتھ سے بچھو کو ہٹا دیتیں تو اس تکلیف سے بچ سکتی تھیں۔“

”بیٹا! ابھی تم چھوٹے ہو جب بڑے ہو گے تو تمہاری سمجھ میں یہ بات آجائے گی کہ جب کوئی اللہ کے کام میں لگا ہو تو اسے اپنے حال کی خبر نہیں ہوتی۔“

کتاب:ارکان اسلام

انتخاب:فیضان حسین عثمانی‘ حیدرآباد

حرف سے لفظ تک

زندگی میں بھی نہ بھی ہم اس مقام پر آجاتے ہیں جہاں سارے رشتے ختم ہوجاتے ہیں وہاں صرف ہم ہوتے ہیں اور ’اللہ‘ ہوتا ہے۔کوئی ماں باپ کوئی بہن بھائی کوئی دوست نہیں ہوتا۔پھر ہمیں پتہ چلتا ہے کہ ہمارے پیروں کے نیچے زمین ہے نہ ہمارے سر کے اوپر کوئی آسمان بس صرف ’اللہ‘ ہے جو ہمیں اس خلا میں بھی تھامے ہوئے ہے۔

(پیر کامل‘ ص253)

جو لوگ دوسروں کے دلوں کو کانٹوں سے زخمی کرتے ہیں ان کے اپنے اندر کیکر اُگے ہوئے ہوتے ہیں۔وہ چاہیں نہ چاہیں اُن کے وجود کو کانٹا ہی بننا ہوتا ہے وہ پھول نہیں بن سکتے۔

(لاحاصل‘ ص218)

بعض دفعہ چہرے دیکھنے کی ضرورت نہیں ہوتی صرف آوازوں کی ضرورت ہوتی ہے کسی ایسی آواز کی جس میں آپ کے لیے ہمدردی ہو جو آپ کے وجود کے تمام ناسوروں کو نشتر کی طرح کاٹ پھینکے اور پھر بہت نرمی سے ہر گھاؤ کو سی دے۔

(آؤ ہم پہلا قدم دھرتے ہیں‘ ص327)

اے اللہ آپ کے فضل اور مہربانیوں کی کمی نہیں کوئی‘ میں قدم قدم پر آپ کو احسان کرتا ہوا پاتی ہوں مجھ سے آپ کی مہربانیوں کا شکر ادا نہیں ہو پاتا میری اس کمی کو درگزر فرما...... مجھے ہر درد اور تکلیف سے محفوظ رکھ‘ میرے دل کے سکون اور میری خوشیوں کی حفاظت فرما۔

(دربارِ دل‘ ص17)

تحاریر:عمیرہ احمد۔انتخاب:مریم شاہ بخاری

محبت

چار لفظوں کو مجموعی طور پر جوڑنے کو محبت کا نام دیا جاتا ہے۔مگر یہ انسانی خمیر میں شامل شکر سے

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

گندھا ہوا وہ انمول جذبہ ہے جو دل کی دھڑکن اور سانس کی ڈور سے کسی ٹوٹ اور دائمی رشتے کی مانند جڑا ہوا ہے۔

کہکشاں کے سبھی ستارے دھنک کے سارے رنگ اور قدرت کے سبھی نظارے، مناظر اور عجائبات اس کے مقابل ہیچ نظر آتے ہیں۔ اس کی خوشبو سے روح معطر، چاشنی سے دل و دماغ سرشار جبکہ اس پر ایقان بندے کو رب کریم کے بہت قریب لے جاتا ہے۔ محبت ایک بے موسمی پھل ہے جو پت جھڑ، ساون، بسنت اور بہار کے سبھی ذائقے اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ یہ تو وہم و گمان، زیان و بیان اور زماں و مکاں کی قید سے آزاد خلائے بسیط کی وسعتوں تک میں پھیلی ایک لامحدود نعمت ہے جو ازل سے ابد شروع سے آخر اور زمین سے آسماں تک ہمیشہ موجود رہنے کے لیے بچھا دی گئی ہے۔

اکثر لوگ محبت کے مفہوم کو نہیں سمجھتے پر کس طرح دل پر وار کرتی ہے۔ کتنے رنگ بدلتی ہے اور کتنے رویوں سے گزرتی ہے۔ محبت وقتی جذبات سے مغلوب ہو کر ٹھنڈی آہیں بھرنے، غمگین نغمے سننے ناول یا افسانے پڑھنے کا نام ہی نہیں نا ہی یہ کوئی بازاری کھلونا ہے کہ پسند آنے پر دل بچوں کی طرح مچل اٹھے۔ محبت ہونا بھی ہر کسی کے نصیب میں نہیں، یہ تو ایک عطا ہے گوہرِ نایاب ہے جو صرف نصیب والوں کو ہی ملتا ہے۔

محبت تو بابا بھلے شاہ، شاہ حسین اور خواجہ غلام فرید کی کافیوں میں نمایاں ہے جسے سنتے ہوئے دل وجد سے سرشار ہونے لگتا ہے۔

یہ تو ہما نامی پرندے جیسی ہے جس کے سر پر سوار ہو جائے اسے بادشاہ بنا دے۔ یا پھر اس پتھر کی طرح جو لوہے کو چھو کر بھی آسیر بنا دے۔

محبتِ آدم کی صورت نمودار ہوئی تو سر چڑھ کر بولی۔ کہیں آگ گل و گلزار ہوئی تو کہیں چشمے جاری ہوئے اور پھر جب حضرت امام حسین کے روپ میں جلوہ گر ہوئی تو کفر مٹا کر رہتی دنیا تک اسلام کا نام ہمیشہ کے لیے روشن کر گئی اور سچ تو یہ ہے کہ خداوند کریم نے اپنے پیارے کے صدقے پوری کائنات کی تخلیق کرتے ہوئے اپنے نام کے ساتھ پیارے کا نام منسوب کرتے ہوئے اپنی محبت کو سدا کے لیے امر کر دیا۔

ایم حسن نظامی۔ قبولہ شریف

وہ جو کہتے تھے چاہیں گے تمہیں ہر پل

ساتھ تیرا نبھائیں گے ہر پل
دعویٰ عشق نبھانے کا تھا جن کا
حوصلہ زمانے سے ٹکرانے کا تھا جن کا
وہ لوگ کب کے ہمیں بھول چکے
ساتھ ہمارا چھوڑ چکے
وعدہ، وفا، قسمیں اور ارادے......!
جھوٹے تھے وہ سب دعوے
یہی حقیقت ہے دل ناداں......!
سیاں ہمارے جھوٹے تھے

عابدہ مغل۔ کراچی

شعر

بارش غم نہ ہو آنکھوں سے اگر
دل وہ بستی ہے اجڑ جاتی ہے

شاعر: امین عاصم، انتخاب: علی رضا بھٹی۔ مخن آباد

اشعار

زندگی پھیلی ہوئی تھی شام ہجراں کی طرح
کس کو اتنا حوصلہ تھا کون جی کر دیکھتا
ڈوبنے والا تھا اور ساحل پہ چہروں کا ہجوم
پل کی مہلت تھی میں کس کو آنکھ بھر کر دیکھتا

شاعر: احمد فراز۔ انتخاب: حسین خواجہ۔ مخن آباد

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM